براہوئی و بلوچ

نذیر شاکر براہوئی

براہوئی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پاکستان

براہوئی و بلوچ

نذیر شاکر براہوئی

قیمت	۵۰۰ روپے
تعداد	۱۰۰۰
سال	۲۰۱۵ء
کمپوزنگ	(الجمیل کمپوزنگ سینٹر کوئٹہ) 0300-3898601
پریس	
پبلشر	براہوئی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پاکستان

انتساب

چیف آف ساراوان نواب غوث بخش خان رئیساڑی شہید

اور

بابائے براھوئی، براھوئی نور محمد پروانہؒ

کے اس پاک دوستی کے نام

جس کی بنیاد

براھوئی قومی بیداری و تشخص پر مبنی تھی

فہرست

اظہاریہ

کہتے ہیں کہ تاریخ قوموں اور سماج کے لیے آئینے کے مثل ہوتی ہے۔ جس میں قومیں اپنے شاندار ماضی کی خوبصورت جھلک دیکھ کر مستقبل کے لیے شان و شوکت سے آگے بڑھنے کے لیے راہ ہموار کرتی ہیں۔ قومیں تاریخ کے آئینے میں اپنے شاندار ماضی پر فخر کرتی ہیں اور اگر ماضی میں کہیں بھی کسی حوالے سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو تو اس کا بھی مستقبل کی منصوبہ بندی میں ازالہ کیا جاتا ہے۔ تاریخ کے بغیر انسانیت ایک ایسے بچے کی مانند ہوتی ہے جسے کسی بدبخت ماں باپ نے پیدا کر کے کسی کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا ہو۔ اس بچے کو کوئی نیک بندہ یا کوئی خیرخواہ ادارہ گود تو لے لیتا ہے مگر ساری زندگی اس بچے کی ذہن میں یہی سوال ابھرتا رہتا ہے کہ وہ کون ہے؟ اس کے آباؤ اجداد کون تھے؟ وہ کیسے تھے؟ ان کا قبیلہ کیا ہے؟ ان کا رتبہ کیسا تھا؟ یہی سوال بچے کے ذہن کو مفلوج کرتے ہیں اور وہ بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی الجھنوں کا شکار ہو کر عموماً نفسیاتی مریض بن جاتا ہے اور اپنی مستقبل کے منزل کو کھو دیتا ہے۔ تاریخ سے ناپید قوموں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ ان کے قومی مستقبل میں اندھیروں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہی قومیں قومی احساس کمتری کا شکار ہو کر اقوام عالم میں اپنی حیثیت اور اپنی بچی کچھی اہمیت بھی کھو بیٹھتی ہیں۔ اس لیے قوموں کے لیے تاریخ اور حقیقی تاریخ ایک لازم جز ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ ہر اہم چیز کے لیے خطرات بھی اتنے اہم ہوتے ہیں۔ جسے ہر قیمتی چیز کی چوری کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح تاریخ کو بھی ہزاروں خطرے درپیش ہوتے ہیں۔ ان خطرات کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ یہ خطرات تاریخ کو کسی اور سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے درپیش ہوتے ہیں جنہیں ہم مؤرخ یا تاریخ لکھنے والے کہتے ہیں۔ چونکہ تاریخ کو قلم بند کرنا انسان کے ہاتھ میں ٹھہرا ہے تو حضرت انسان اس نیک اور انتہائی اہم قومی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے بدقسمتی سے مختلف جبلتوں، اناؤں اور مفاد پرستوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہت پہلے بادشاہوں کے دور میں انہیں مؤرخوں پر الزمات بڑے پیمانے پر سچ ثابت ہوئے کہ انہوں نے عوام الناس کی حقیقی تاریخ لکھنے کے بجائے بادشاہوں کے گن گائے اور ان کی جھوٹے شان کے ترانے نہ صرف گائے بلکہ تاریخی کتابوں کے صفحوں میں محفوظ کیے۔

اس کے بعد جیسے ہی سماج پر شعور کی ہوا چلی اور سیاسی تحریکیں، سیاسی انقلابات اور سیاسی مہم جوئیاں آگے آنے لگیں تو وہی مفاد پرست تاریخ دان ٹوٹے تاریخ کو ان سیاسی تحریکوں اور مہم جوئیوں کے نشان کے ترانے کے طور پر استعمال کرنے لگے اور بدلے میں چھوٹے بڑے مفادات حاصل کرنے لگے۔ اس ہی دور میں کسی قوم کی تاریخ کو جعلی انداز سے عظیم سے عظیم تر بنانے اور کسی قوم کی تاریخ کو تذلیل کے کنواں میں پھینکنے کا ایک رواج چل پڑا۔ اس میں ہزاروں نام نہاد تاریخ دان اسی دھارا میں بہہ گئے اور اسی بازار میں بک گئے۔ نتیجے میں کئی قوموں کو ان کے ناکردہ گناہوں کی سزا ملنے لگی۔ ایسی ہی سزا براہوئی قوم کو بھی اس کے ناکردہ گناہوں کی دی گئی۔ باوجود اس کے کہ براہوئی قوم ایک حاکم قوم ہونے کے باوجود تمام اڑوس پڑوس کے قوموں کو گلے لگایا۔ ایسی اپنی شان و شوکت میں حصہ دار کیا۔ جب یورپ میں بھی کانفیڈریشن کا تصور نہیں آیا تھا کہ براہوئی نے کانفیڈریشن کی بنیاد ڈال کر تمام پڑوسی قوموں کو گلے لگا کر انہیں اقتدار میں حصہ دار ہونے کا احساس دلایا۔ لیکن اس کا صلہ کیا ملا؟ وہ سب کچھ بلوچستان کی تاریخ پر قلم اٹھانے والے بہت سے مفاد پرست تاریخ دانوں کے کتابوں سے واضح ہے۔ براہوئی کی تاریخ مسخ کر دی گئی۔ اس کو کسی دوسرے قوم کا چھوٹا سا اور غیر اہم حصہ بنا دیا گیا اور تو اور بہت سے نام نہاد محققین نے براہوئی قوم، اس کی زبان اور کلچر کو جی بھر کے اپنی تاریخی کتابوں میں گالیاں دیں۔ آج نتیجہ یہ ہے کہ براہوئی قومی تاریخ کا آئینہ مسخ ہے۔ اس آئینے پر نام نہاد مفاد پرست تاریخ دانوں نے سیاہی مل دی ہے۔

آج کا براہوئی نوجوان اس آئینے کو دیکھ کر خود کو پہچان نہیں پاتا اور اپنا ماضی اور اپنی منزل کھو بیٹھتا ہے۔ قومی لحاظ سے براہوئی ایک سیاسی انتشار کا شکار ہو رہی ہے۔ ایسی حالت میں قومی تاریخ کے آئینے کو سچائی کے پانی سے دھونے کی ضرورت ہے۔ اسے صاف اور شفاف بنانے کی ضرورت ہے جو حقائق توڑ موڑ کر پیش کیے گئے ہیں انہیں درست پس منظر میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

جناب نذیر شاکر براہوئی کی کتاب ''براہوئی و بلوچ'' ایسی ہی قومی کوشش کی پہلی کڑی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کوشش قومی تاریخ کو ٹھہرے ہوئے پانی میں پہلے پتھر کی مانند ہوگی۔

دعا گو

سکندر براہوئی

سچائی کا متوالا

میں نے ۲۲ فروری ۲۰۱۳ء کو بین الاقوامی مادری زبانوں کے عالمی دن کے موقع پر براہوئی زبان اور قوم کی ترقی وترویج کے لیے ''براہوئی ریسرچ انسٹیٹیوٹ'' قائم کیا۔اس کا خاص مقصد براہوئی زبان وقوم کے خلاف ہونے والے سیاسی' قبائلی' علمی وادبی' تاریخی' کلچری سازشوں کو بے نقاب کرنا ہے اور ان سے براہوئی قوم کے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے۔یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ایک قدیم ترین لسانی اور نسلی باقیات رکھنے والی قوم (براہوئی) کا نام بلوچستان میں شجر ممنوعہ ہے۔جو اپنے نام یا کام کے ساتھ براہوئی استعمال کرتے ہیں ان کے سامنے رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کیے جاتے ہیں اور ان پر Divide and Rule کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔اور انہیں انگریزوں کے ایجنٹ کا لقب دیا جاتا ہے۔جبکہ اسلامی اور اخلاقی نقطہ نگاہ سے اپنی حسب نسب اور نسل کو تبدیل کرنا یا کروانا غلط ہے۔جیسے کہ احادیث شریفہ سے واضح ہے:

''عن ابی هریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لَا تَرغَبُوْ اعَنْ اٰبَائِکُم فَمن رَغِبَ عَنْ اَبِیهِ فَقَد کَفُر

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا جس نے منہ موڑا اپنے باپ دادا سے پس تحقیق کہ اس نے کافروں کا فعل اختیار کیا یا کفر کیا یعنی ناشکری کی۔اس لیے تم باپ دادوں کی طرف سے اپنی نسبت کیا کرو۔(۱)

''عَن سَعد بن ابی وقاصؓ و ابی بکرۃ قال قال رَسُوْلُ اللہِ ﷺ مَنِ ادَّعیٰ اِلٰی غَیرِ اَبِیهِ وَ ھُوَا یَعلَمُ اَنَّهُ غَیرَ اَبِیهِ فالْجَنَّةُ عَلَیهِ حَرَامُ

حضورﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنی ذات بدل دی حالانکہ اس کو علم ہے کہ یہ میری ذات نہیں پس جنت اس پر حرام ہے۔(۲)

۱۔ محمد بن اسماعیل بخاری، ''صحیح بخاری'' جلد ۳، ''کتاب المغازی'' قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۶۱۹

۲۔ ....ایضاً.................''کتاب الفرائض'' ص ۱۰۰۱

یہ کتاب کسی حلقہ' قوم' نسل اور فرقہ کے خلاف نہیں ہے بلکہ براہوئیوں کے نسلی ولسانی بنیاد کے ساتھ بلوچستان اور پاکستان میں ان کے خلاف ہونے والے سیاسی تعصب' ادبی وتاریخی نقصانات اور مخالفانہ رویوں سے پردہ اٹھانے کی ایک کوشش ہے تاکہ قارئین اور محققین' براہوئیوں کی اصلیت اور ان کے ساتھ ہونے والے ناانصافیوں سے باخبر رہیں۔

براہوئیوں کا اصل وطن سندھ تہذیب (مہرگڑھ' موہن جوڈڑو' ہڑپہ اور دوسرے معاصر دور کے ٹیلے) ہے۔آریاؤں نے اس ترقی یافتہ تہذیب پر حملہ کر کے اسے تہس نہس کر دیا۔یہاں کے اصل باشندے (جن کو ماہرین بشریات اور ماہرینِ آثار قدیمہ نے قدیم دراوڑ قرار دیا ہے) وڑاکوئی یا براہوئی ہیں۔جو امن پسند تھے ان پر آریاؤں نے حملہ کیا۔براہوئیوں میں سے جو لڑنے کی سکت نہیں رکھتے تھے وہ آہستہ آہستہ جنوبی ہندوستان' ایران اور افغانستان نقل مکانی کر گئے ان کی قدیم زبان حسب ذیل شاخوں میں بٹ گئی۔

۱۔براہوئی ۲۔سندھی ۳۔جنوبی ہند کی دراوڑی زبانیں ۴۔ایلامی

ان سب زبانوں میں وقت کے ساتھ ساتھ تغیر آتا گیا اور یہ کئی محاوروں میں منقسم ہوتے گئے۔سابقہ سندھ تہذیب میں جنہوں نے وطن نہیں چھوڑا انہوں نے آریاؤں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا وہ براہوئی کہلائے۔آریاؤں نے ان پر دشمنی کی بناء پر مختلف غیر انسانی نام رکھے۔جیسے داس' انوسار اور ملیچھ یا ملیچھا وغیرہ۔ان میں ملیچھ یا ملیچھا آج بھی براہوئی زبان میں ملخ (Malakh) یعنی Hopper کی صورت میں مستعمل ہے۔قدیم براہوئی اور آریاؤں کے مابین لسانی' تہذیبی' علاقائی' سیاسی اور مذہبی تصادم کئی دہائیوں تک چلی جس کے نتیجے میں وڑاکوئیوں (براہوئیوں) میں مذہبی اور لسانی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

براہوئی زبان کی گرامری ساخت' بنیادی ذخیرہ الفاظ دراوڑی' سندھی اور ایلامی زبانوں سے مشابہت رکھتا ہے۔براہوئی علاقے' پہاڑوں' نالوں' قبائل اور طائفوں کے نام دراوڑی' ایلامی اور سندھی زبانوں اور نسل سے اشتراک رکھتے ہیں جو ایک نسل اور زبان ہونے پر دال ہے۔

پہلا باب براہوئی کو بلوچ قرار دینے والی تحاریر کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ہے۔جن میں جو خیالی وظنی قیاس اور مفروضے کی صورت میں پیش کی گئی ہیں ان کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے ان کی علمی اور تاریخی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔

دوسرا باب براہوئیوں کا ایک سیاسی گروہ کب اور کیوں براہوئی قومی تشخص سے دستبردار ہوئے؟ ان کے پیچھے کون سے سیاسی عوامل تھے۔ اس سوچ کا کیا ہوا؟ اس کے علاوہ براہوئی قوم وزبان کے خلاف اٹھائے گئے تاریخی' سیاسی' لسانی اقدامات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ کس طرح ان کی تاریخ' قومی ہیروز' کلچر کو ختم کیا جارہا ہے۔ اس کے پس پردہ کون سے سیاسی عوامل کارفرما ہیں۔

تیسرا باب ''براہوئی لفظ'' کی بنیاد اور معنی پر مبنی ہے۔ براہوئی لفظ کو مقامی سیاسی لکھاریوں نے قصداً اتنا پیچیدہ پیش کیا ہے کہ قاری اور محقق کسی رائے پر پہنچ نہیں پاتا۔ ہم نے اس لفظ کی بنیاد کے بارے میں جدید لسانیاتی' تاریخی اور بشریاتی حوالے سے اصل حقائق کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

چوتھا باب براہوئی زبان کی بنیاد کے متعلق ہے۔ جسے متنازعہ' منتشر اور چیستان بنانے کی غرض سے تورانی' سنسکرت' فارسی' سامی وغیرہ سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ براہوئی ایک قدیم ترین زبان ہے۔ اس کا گرامری ساخت' بنیادی ذخیرہ الفاظ' علاقوں' قبائل اور طائفوں کے نام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں کی اوائلی اور قدیم لسانی اثاثہ ہیں۔ راقم نے آثاراتی' بشریاتی' لسانیاتی اور قدیم تاریخی تحقیق کی رُو سے براہوئی زبان کی قدامت اور بنیاد کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

راقم مندرجہ بالا ساری باتیں کہاں تک سمجھانے میں کامیاب ہوا ہے اس کا فیصلہ قارئین کر سکتے ہیں کیونکہ اصل فیصلہ تو قارئین کے ہاتھ میں ہے۔

اس کتاب کو لکھتے وقت جنھوں نے ہر قدم پر میری نہ صرف رہنمائی کی بلکہ مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا خصوصاً جوہر براہوئی' سلطان احمد شاہواڑی' سکندر براہوئی اور پروفیسر سوسن براہوئی کا مشکور ہوں۔ جنھوں نے نہ صرف کئی بار کتاب کے مسودے کو لفظ بہ لفظ پڑھا بلکہ اپنے عالمانہ آراء سے نوازا۔ ان کے علاوہ عابد براہوئی اور زاہد براہوئی بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے ہر موڑ پر مجھے اچھے مشورے دیئے۔ بالخصوص اپنے دوست اور کتاب کے کمپوزر عطاء اللہ سرپرہ (براہوئی) کا شکریہ ادا نہ کروں تو بڑی ناانصافی ہوگی کیونکہ انہوں نے اس کتاب کو جس جانفشانی سے کمپوز کیا وہ داد وتحسین کے مستحق ہیں۔

نذیر شاکر براہوئی

باب اول

براہوئیوں کی بنیاد سے متعلق تحریروں کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ

اس سائنسی دور میں دنیا یہ جاننے کے قابل ہوگئی ہے کہ یہاں بددیانتی کا مظاہرہ کرنے کے لیے بہت سے ہتھکنڈے استعمال ہوتے رہے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں یہ بات عیاں ہے کہ جب قلمکاروں کو اپنے کسی مفاد کی خاطر کسی اہم حقیقت یا سچائی کو بگاڑنا' چھپانا یا پس پشت ڈالنا مقصود ہوا تو علمی' تاریخی اور حقائق پر مبنی شواہد کو پس پشت ڈال کر ان کے برعکس غیر حقیقی اور مصنوعی باتوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ ایسے گھناؤنی ہتھکنڈوں کو بروئے کار لا کر وقتی طور پر تو لوگوں کی نظروں میں دھول جھونک کر انھیں گمراہ کیا جاسکتا ہے لیکن ایسے ہتھکنڈے دیرپا ثابت نہیں ہوتے۔

''سچائی چُھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے'' کے مصداق جب حقیقت کا سوچ طلوع ہوتا ہے اور سچائی اُجاگر ہوجاتی ہے تو جہل اور بناوٹ کی غیر حقیقی اور مصنوعی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔

بلوچستان میں براہوئی قوم وزبان کے ساتھ بھی ایسا ہی رویہ روا رکھا گیا ہے۔ براہوئی سے خدا واسطے کا بیر' نفرت یا مخالفت رکھنے والے قلمکاروں نے غیر علمی دلائل' بے تکے شواہد کے ساتھ ساتھ اپنے مصنوعی مفروضات کو پیش کرنے کے لیے ان علماء اور محققین کے حوالہ جات کا سہارا لیا ہے۔ جن کے مفروضات آج کے سائنسی دور میں رد یا ضعیف تصور کیے جاچکے ہیں یا انھوں نے اپنی من مانی کر کے ان علماء اور محققین کی کتابوں سے حوالے یا کوٹیشن منسوب کیے ہیں جو مذکورہ کتب میں سرے سے ہیں ہی نہیں۔ ایسے مؤرخین اور ماہرین لسانیات کے کتب کی طرف حوالے یا کوٹیشن منسوب کیے

ہیں جو کتابیں مذکورہ حوالے کے دور سے بیس یا تیس سال بعد چھپی ہیں۔ کہیں اپنی طرف سے براہوئیوں کو بلوچ قرار دینے کے لیے ایسے قصے کہانیوں جیسے مفروضے پیش کئے ہیں جن کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مفادات کی وجہ سے بلوچستان کی اصل تاریخ کو کیا ہے۔

یہاں قارئین پر عیاں کرنا ہے کہ سیاسی بنیادوں پر براہوئیوں کو بلوچ قرار دینے کے لیے بعض تاریخ نویسوں کے سینکڑوں غیر تحقیقی اور غلط حوالے موجود ہیں جن تمام کی نشاندھی یہاں کی جا سکتی ہے لیکن طوالت سے بچنے کے لیے ہم صرف چند بطور ثبوت پیش کرتے ہیں مثلاً:

۱۔ میر گل خان نصیر براہوئی النسل تھے۔ ۱۹۷۲ء میں نیپ (NAP) حکومت میں وزیر تعلیم رہا۔ بلوچی اور براہوئی زبانوں کا نامور شاعر اور مؤرخ گزرا ہے۔ براہوئی قوم کا بڑا مخالف تھا۔ اس نے اپنے سیاسی سوچ بوجھ کی زندگی سے لے کر ۱۹۷۷ء تک (جب وہ جیل سے رہا ہوئے) براہوئی زبان کو ختم کرنے اور براہوئی قوم کو بلوچ ثابت کرنے کے لیے علمی' ادبی' تاریخی' سیاسی اور قبائلی اقدامات اٹھائے۔ جس میں انہوں نے باقاعدہ غیر علمی دلائل شواہد اور ظنی باتیں پیش کیں اور غیر فطری سیاسی فیصلے کروائے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

الف: حکومت پاکستان نے ۱۷ مارچ ۱۹۴۸ء کی رات کو خاران' لس بیلہ اور مکران علاقوں اور چھوٹے ریاستی یونٹوں کو قلات ریاست یا براہوئی ریاست سے علیحدہ کر کے پاکستان میں شامل کیا (۱) میر بائی خان سردار کیچ کو مکران کا والی مقرر کر دیا گیا۔ اس سے پہلے براہوئی ریاست کی طرف سے مکران کا گورنر شہزادہ میر عبدالکریم خان احمد زئی براہوئی تھے۔ شہزادہ عبدالکریم خان حکومت پاکستان کے اس اقدام سے ناراض ہو کر سراپا احتجاج بن گئے۔ وہ اپنے کئی درجن ہم خیال رفقاء کے ساتھ ۱۶ مئی ۱۹۴۸ء کی رات کردگاپ (ضلع نوشکی) کے مقام سے سرحد پار کر کے افغانستان کی حدود میں داخل ہوئے اور سرلٹھ میں کاریز نظر محمد خان کے مقام پر ڈیرہ ڈال دیا۔ (۲) ان کے ساتھ نامور براہوئی مخالف لوگ شامل تھے۔ جن میں سردار عطاء اللہ خان مینگل' گل خان نصیر' غوث بخش بزنجو' ملک محمد سعید دہوار' محمد اسلم گچکی' سفر خان زرکزئی براہوئی' عبدالنبی بنگلزئی براہوئی' جان محمد جتک براہوئی اور کئی دوسرے۔ (۳) اس کیمپ میں لوگ بڑھتے گئے جن کی تعداد پانچ سو تک پہنچی۔ (۴)

اس کیمپ میں گل خان نصیر' سردار عطاء اللہ مینگل اور دوسروں نے قرآن شریف پر قسم اٹھا کر سیاسی حوالے سے تین فیصلے کئے۔ (الف) آئندہ وہ خود کو براہوئی نہیں بلکہ بلوچ کہیں گے اور اسی

زبان میں ادبی کام کریں گے۔ گل خان نصیر نے اس وقت تک براہوئی زبان میں جو ادبی کام کیا تھا اس کو ایک کپڑے میں باندھ کر کاریز نظر محمد میں پھینک دیا۔ (۵) اور پھر ۱۹۷۸ء تک (جب وہ جیل سے رہا ہوئے تھے) براہوئی میں لکھنا بند کیا بلکہ اس زبان کو ختم کرنے کی کوششیں کی۔

(ب) فیصلے کے مطابق براہوئی زبان کو صرف باغیانہ سرگرمیوں تک محدود رکھیں گے جسے ہمارے مخالفین سمجھ نہیں پاتے۔ بصورت دیگر اس زبان کو آہستہ آہستہ ختم کریں گے۔

(ج) بلوچی زبان کو قومی زبان کا درجہ دینے کی کوششیں کریں گے اور آئندہ ادبی کام اسی میں کریں گے۔ (۶)

۱۹۵۲ء میں ''تاریخ بلوچستان'' لکھی۔ جس میں انہوں نے براہوئیوں کو بلوچ قرار دینے کی سر توڑ کوشش کی۔ ۱۹۷۲ء میں نیپ حکومت کے دوران سردار عطاء اللہ مینگل اور غوث بخش بزنجو نے مل کر براہوئی زبان کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ (تفصیل کے دوسرا باب پڑھیں) ۱۹۸۲ء میں انہوں نے اپنی کتاب ''بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں'' لکھی۔ جس میں انہوں نے حسب فیصلہ براہوئی زبان کی مخالفت کرتے ہوئے براہوئی زبان پر الزام لگایا کہ یہ کم مایہ اور بے بضاعت زبان ہے یعنی مبہم انداز میں اس کا کہنا ہے کہ اس زبان میں مافی الضمیر پیش کرنے کی صلاحیت نہیں۔ یہ زبان کسی قومی زبان کی حیثیت اختیار کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ وہ براہوئی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''انگریزوں کے دور حکومت میں اگرچہ بعض ملاؤں نے براہوئی میں مذہبی اشعار کہے اور کچھ کتابیں چھاپی ہیں لیکن قومی ادب میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ آج کل کے کچھ تعلیم یافتہ نوجوان براہوئی میں نظمیں اور غزلیں لکھنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن براہوئی زبان کی کم مائیگی اور بے بضاعتی قدم قدم پر انہیں پچھاڑ رہی ہے۔ کوئٹہ میں براہوئی اکیڈمی بھی قائم ہو چکی ہے اور کچھ کتابیں بھی چھاپی گئی ہیں لیکن جدگالی میں اتنی سی کوشش بھی نہیں ہوئی ہے۔......'' (۷)

جو زبان چھ تا سات ہزار سال سے اپنے بولنے والوں کی زندگی کے ہر موڑ پر مافی الضمیر پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے مسلسل چلی آ رہی ہو اس کے بولنے والوں نے ۵۵۰ سال تک ''براہوئی حکومت'' قائم کی۔ آٹھ سو سال تک ادبی قدامت رکھنے والی زبان اور خود میر گل خان نصیر کے آباؤ

اجداد کا اس زبان میں اپنا مافی الضمیر پیش کرنے والی زبان کو قصداً' سیاسی متعصّبانہ رویہ رکھتے ہوئے اسے کم مایہ اور بے بضاعت زبان کہنا ایک دانشور کا شایان شان نہیں۔ ہر زبان چاہے اس کے بولنے والے دو تین ہوں یا کروڑوں میں ہوں وہ ایک مکمل زبان اور فطرت کی یادگار ہے اور اپنے بولنے والوں کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسے متعصّبانہ اور مخالفانہ نظر سے نہ دیکھا جائے یہ ایک غلط سوچ اور عمل ہے۔

براہوئی زبان کو کم مایہ اور بے بضاعت کہنا اور اس کے مقابلے میں بلوچی زبان کو فصیح و بلیغ زبان قرار دینا صرف ان کی سیاسی ضرورت کی غمازی کرتا ہے۔ جیسے کہ وہ لکھتے ہیں:

''وہ ایک حقیقت ہے اور اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ قومیں زبان سے بنتی اور بگڑتی ہیں۔ جس طرح ایک فصیح اور ترقی یافتہ زبان ایک مہذب اور باشعور قوم کی نشاندہی کرتی ہے بالکل اسی طرح ایک محدود اور غیر ترقی یافتہ زبان قوم کی پسماندگی اور انتشار پر دلالت کرتی ہے۔ بلوچی اپنی فصاحت و بلاغت کے باوجود اگر اب تک پسماندہ رہی ہے تو اس کی کئی اور وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ فارسی زبان کی ہمہ گیر حیثیت ہے جسے بلوچ لسانی قربت کی وجہ سے آسانی سے سمجھتے اور اس میں قابل قدر دسترس حاصل کر لیتے ہیں۔ انگریزوں کی آمد سے قبل فارسی بلوچستان کی سرکاری زبان تھی۔ اس لیے بلوچوں کو اپنی زبان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن انگریزوں کی آمد پر جب فارسی کو بلوچستان سے خارج کر دیا گیا اور اردو نے اس کی جگہ لے لی جو بلوچوں کے لیے نسبتاً ایک مشکل زبان تھی تب بلوچوں کو اپنی زبان کا خیال آیا۔ لیکن اردو نے بہت جلد بلوچستان میں وہ مقام حاصل کر لیا جو انگریزی تسلط سے قبل فارسی کو حاصل تھی۔ اس وقت بقول کسے ''اردو بلوچی پر اس طرح چھا رہی ہے جس طرح چھٹی صدی ہجری کی عرب فتوحات کے بعد عربی زبان' (ایرانی) پہلوی پر غلبہ حاصل کر گئی۔'' اس کے باوجود بلوچی اپنے بلند مقام پر فخر و استقامت سے نہ صرف براجمان ہے بلکہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے' نکھارنے اور منظر عام پر لانے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اس لیے ہم بلا

خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ بلوچی ہی بلوچستان کی وہ واحد زبان ہے جس میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ پھلنے پھولنے اور آگے بڑھنے کی وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو ایک علمی زبان کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ بلوچی زبان کے قدیم و جدید شعراء کا کلام ہمارے دعوے کی تائید کرتا ہے۔''(۸)

میر گل خان نصیر کا بلوچی زبان اور بلوچوں کے لیے اتنے سارے قصیدے پڑھنے کے بعد بلوچ اسے بلوچ ماننے سے انکار کیا۔ مثلاً سندھ کے نامور قومی اور مزاحمتی شاعر شیخ ایاز' گل خان نصیر کا ایک واقع پیش کرتا ہے۔ جس میں بلوچوں نے اسے بلوچ ماننے سے انکار کیا ہے۔ شیخ ایاز تحریر کرتے ہیں:

''میں کوئٹہ کے بلدیہ ہوٹل میں قیام پذیر تھا جہاں میرے ساتھ میرا جونیئر نبی بخش کھوسہ آیا جو اب فیڈرل گورنمنٹ میں جوائنٹ سیکرٹری ہے...... نبی بخش نے کہا کہ چلو گل خان سے ملنے جائیں اور ان سے گاڑی کے لیے بھی بات کریں۔ میں نے گل خان نصیر سے ملنے کے لیے ان کے دفتر میں اپنا کارڈ بھیجا۔ اس نے کہلوا بھیجا کہ ''آپ کہاں قیام پذیر ہیں۔ آپ اپنا پتہ بتائیں تو میں وہیں آتا ہوں'' میں نے اسے اپنا نمبر لکھ کر بھیجا۔ بارہ دن گزر گئے وہ نہیں آیا اور نہ ہی فون کیا۔ ۱۴ اگست کو میں اپنا کلام ریکارڈ کرانے گیا تو دیکھا کہ وزیٹرس روم میں گل خان نصیر بیٹھے تھے۔ اس کے چاروں طرف نیم خواندہ بلوچ بیٹھے تھے۔ اس نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں نے اس سے گلہ کیا کہ

''بھائی جان! آپ وعدے کے مطابق بلدیہ ہاؤس نہیں آئے؟۔

''میں کیوں آؤں؟ آپ اتنے ماہ سے مجھ سے ملے بھی نہیں ہو۔ گل خان نے جواب دیا۔

میں نے جواب دیا ''میں آٹھ ماہ جیل میں تھا۔ آپ کو یحییٰ خان نے تو جیل میں نہیں ڈالا تھا۔ آپ کو مجھ سے آزادی کے بعد ملنے آنا تھا''۔

اس نے اپنے چاروں طرف حواریوں کو دیکھ کر منہ بسور لیا تو میں نے ان سے کہا کہ ''میں نیچے شعر پڑھنے جا رہا ہوں۔ آپ کا جب جی چاہے مجھ سے ملنے آنا۔ میں گل خان نصیر سے ملنے آیا تھا۔ لیکن گل خان نصیر وزیر کو نہیں جانتا''۔ مجھ سے

تھوڑی دیر کے بعد گل خان نصیر بھی اپنے شعر رکارڈ کرانے کے لیے نیچے گیا اور
مجھے راضی کرنے کی کوشش کی۔ میں نے ان سے کہا ''دل شیشہ ہے جب ایک
دفعہ ٹوٹا تو پھر نہیں جڑتا''

میں ساڑھے نو بجے بچوں کے ساتھ کھانا کھا کر بیٹھا تھا کہ دروازے پر دستک
ہوئی۔ انیس نے جب دروازہ کھولا تو اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ ایک چھ فٹ لمبا
سفید ریش اپنے کچھ اجنبی ساتھیوں سمیت میرے کمرے میں داخل ہوئے۔
جن کے ہاتھ میں رائفلیں تھیں۔ ان میں آگے آنے والے شخص نے اپنا
تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ''میرا نام شیرو مری المعروف جنرل شیروف ہے۔
میں صبح انگلینڈ جا رہا ہوں۔ جہاں مجھے فلسطین کے شدت پسند رہنما حباش سے
ملنا ہے، جس سے مجھے جدید اسلحہ خریدنا ہے''۔ اس نے مزید کہا کہ ''میں آپ
سے بلوچ قوم کی طرف سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ گل خان نصیر اصل میں بلوچ
نہیں ہے بلکہ بروہی ہے۔''(۹)

میر گل خان نصیر ۱۹۷۸ء میں جب جیل سے رہا ہو کر نوشکی آئے تو ایک قطعہ زمین پر ان کا بلوچوں سے
تنازعہ ہوا۔ انہوں نے اس کو براہوئی و بلوچ مسئلہ قرار دے کر براہوئی و بلوچ الگ الگ قوموں کا مسئلہ
مشہور کر کے ابھارا۔ بابائے براہوئی' گل خان نصیر کے اس دوغلی پالیسی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''البتہ ہے واقعہ............نا مطابق کہ جناب میر گل خان نصیر ذگر مینگل براہوئی
مرحوم ہموڑے نا بلوچ برادری تو ڈغار سے نا مسئلہ آتینٹ سیال و دوستا تتو
براہوئی و بلوچ ناپتے ہنداخہ درشدت اٹ ہرفے کہ اینو ئسکان چاغی نا ضلع ٹی
براہوئی براہوئی ءِ و بلوچ و بلوچ ءِ۔ داڑسکان کہ اخس بنی آ براہوئی لیڈراک
ہم چاغی نا ضلع ٹی براہوئی ءُ او کان پیشن گڑاس تا بلوچ ءُ............۔(۱۰)

ترجمہ: البتہ اس واقعہ............ کے مطابق جناب میر گل خان نصیر ذگر
مینگل براہوئی مرحوم کو اپنے علاقہ کے بلوچ برادری سے زمین کے مسئلہ پر
اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں کے ساتھ براہوئی و بلوچ مسئلے کو اتنے شدت
سے ابھارا کہ آج تک چاغی ضلع میں براہوئی براہوئی اور بلوچ بلوچ ہے۔

یہاں تک کہ بہت سے نامور براہوئی لیڈر چاغی ضلع میں براہوئی اور کچھ باہر
بلوچ ہیں۔''

اس کے بعد میر گل خان نصیر نے اپنے وفات تک براہوئی زبان کی ترقی و ترویج کے لیے
کوشاں رہے اور براہوئی میں شاعری شروع کی۔ بابائے براہوئی نور محمد پروانہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''پدان دنیا بالخصوص بلوچستان خنا کہ جناب نصیر صاحب مرحوم تینا زندنا گڈیکو
دے تے ٹی پدا براہوئیات ناپارہ آ راغب مس و خان نصیر خان نوری نا ''مشہد نا
جنگ نا فارسی ٹی منظوم آ مشہد نا جنگ نامہ ءِ براہوئی ٹی منظوم ترجمہ کرے۔
ایکہ اوفتا پن اٹ چھاپ مس۔ مگر اوفتا زندگی وفا کتو۔ آہا تو ممکن اس کہ
براہوئیات کہ پین ہم ہندنو جوانو خدمت انجام تروسو۔(۱۱)

ترجمہ: ''بعد میں بالخصوص بلوچستان نے دیکھا کہ جناب نصیر صاحب
مرحوم اپنی زندگی کے آخری ایام میں پھر براہوئیات کی طرف راغب ہوا اور
خان نصیر خان نوری کے ''جنگ نامہ مشہد'' براہوئی میں منظوم ترجمہ کیا جو اس کے
نام سے چھپ گئی۔ لیکن اس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ ممکن تھا کہ وہ براہوئی کے
لیے مزید خدمت سرانجام دیتا''۔

گل خان نصیر اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ انہوں نے اپنے
شاعری کی شروعات براہوئی میں کی۔ وہ لکھتے ہیں:

سلیس ہیت شاعری نا تو دانہ بابتٹ اندون کہ ئی اول عرض کرینٹ کہ دا امو
وختنا شیئر سے کہ ئی شاعری نا میدان ٹی پوسکن نت تخاسٹ۔ دا زمانہ ٹی ئی
براہوئی نا شاعراتا ریکی' زنگی' شاہی ناشیئراتان پد ملا ملک داد' ملا نبو جان او ملا
عبدالمجید چوتوئی نا زبان و کلاماک بازا اثر ارفیسٹ۔ بلے داہیت کنے تینٹ یات
بفک کہ ئی شاعری ءِ ہراعمران شروع کریٹ۔ البتہ دا کنے یاتے کہ تینا شیئراتہ
نمشتہ کننگہ پنچ میکو جماعتان پد شروع کریٹ۔ اموشیئراتیان باز داسکان اریر
او بازاتے تائی تینٹ ہراٹ و اُشاٹ کہ او کنے وڑیتورا۔(۱۲)

ترجمہ: رہی بات شاعری کی تو اس بارے میں جیسا کہ میں نے پہلے عرض

کیا ہے کہ یہ اس دور کی میری شاعری ہے جب میں شاعری کے میدان
میں نو وارد تھا۔ اس زمانے میں براہوئی شعراء رکی، زنگی شاہی کے اشعار
کے بعد ملا ملک داد، ملا نبو جان اور ملا عبدالمجید چوتوئی کے شاعری سے اثر لیا
تھا۔ البتہ مجھے یاد ہے کہ میں پانچویں جماعت کے بعد شعر لکھنا شروع کیا۔
وہ شاعری اب بھی میرے پاس ہے لیکن ان میں سے کچھ کو پھاڑ دیا اور کچھ
کو جلا دیا جو مجھے پسند نہیں تھے۔"

گل خان نصیر مزید لکھتا ہے کہ:

"داشیئرے ئی ایدے تینٹی پاریٹ او پورا کریٹ کہ گورنمنٹ سنڈیمن ہائی
اسکول نا ہشتمیکو جماعتٹی خواناٹا۔ کنے چنکی آن تینا قوم او وطن نا تاریخنون
اُست خواہی اسکا۔" (۱۳)

ترجمہ: اس شعر کو اس دور میں کہا اور لکھا جب میں گورنمنٹ سنڈیمن
ہائی اسکول میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے بچپن سے ہی اپنی قوم
اور وطن کی تاریخ سے دلچسپی تھی۔

گل خان نصیر کو بچپن سے براہوئی زبان سے لگاؤ تھا لیکن بعد میں وہ سیاسی وابستگیوں
کی وجہ سے نہ صرف براہوئی قوم اور زبان کا بڑا مخالف بنا بلکہ ان دونوں کو ختم کرنے کی پوری کوشش
کی۔ سرلٹھ (افغانستان) کے کیمپ میں قرآن شریف پر حلف لینے کے بعد انہوں نے باقاعدہ
براہوئی قوم وزبان کے خلاف کمر باندھی جیل سے رہا ہونے کے بعد دوبارہ براہوئی قوم وزبان کی
ترقی وترویج کے لیے کام شروع کیا اور اس سلسلے میں انہوں نے بچپن میں کہی ہوئی شاعری کو یکجا
کر کے "مشہد نا جنگ نامہ" کے نام سے شائع کروایا۔ کہ انہوں نے براہوئی زبان میں لکھنا کیوں
بند کیا۔ اس کا انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"مگر ولدا حالتاک اندون مسر کہ ئی نہ تینا دا ارادہ ئے اِلاٹ بلکہ براہوئی
اٹ شیئر پانگے ام یلہ کریٹ۔ ئی انتئے دون کریٹ دا اسہ جتاؤ بیان سے کہ
داڑے زیب تفک۔" (۱۴)

ترجمہ: مگر پھر حالتیں ایسی ہوئیں کہ میں اپنا ارادہ ترک کر کے براہوئی میں
شعر کہنا چھوڑ دیا۔ میں نے یوں کیوں کیا یہ ایک الگ بیان ہے یہاں اچھا
نہیں۔

گل خان نصیر کے اس بیان کے وجہ سے اور اسباب کو ہم نے اوپر تفصیل سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے
جتنے بھی کتب لکھے ان میں براہوئیوں کو بلوچ قرار دینے کے لیے علمی، ادبی اور تاریخی بے جا دماغ
سوزی کی اور ایسے حوالے اور ظنی باتیں کیں جن کا وجود ہی نہیں ہے مثلاً ایک جگہ تحریر کرتا ہے کہ:

"بلوچستان میں متعین ایک مشہور انگریز افسر مسٹر بروس (Bruce) اپنی
Forward policy نامی کتاب میں لکھتا ہے کہ "اگر بلوچ اور
براہوئی میں کوئی فرق نہیں مگر ہم یہ فرق پیدا کریں گے......۔" (۱۵)

اس غرض سے رچرڈ بروس کی محولہ بالا کتاب کا بغور مطالعہ کیا گیا مگر اس میں میر گل خان نصیر کے
درج بالا الفاظ کہیں بھی نہیں ملے۔ (۱۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گل خان نصیر نے محولہ بالا جملے اپنی طرف سے ایک مخصوص سیاسی
مفاد حاصل کرنے کے لیے لکھے ہیں۔

۲۔ گل خان نصیر اپنی مشہور کتاب "کوچ و بلوچ" میں رقمطراز ہے کہ:

"براہوئی زبان............ایک دراوڑی زبان ہے............ یہ رائے پہلے
پہل سنہ ۱۸۸۰ء میں ٹرمف (Trumph) نے تحققات السنہ ہند
(Linguistic Survey of India) میں پیش کی۔" (۱۷)

گل خان نصیر آگے چل کر پھر اپنے اسی کتاب میں اسی رائے کو دوبارہ دہراتا ہے۔ (۱۸)

آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ ٹرمف (Trumph) کون ہے؟ "Linguistic
Survey of India" کس کی کتاب ہے؟ کہاں سے اور کب چھپی ہے؟ کیا واقعی ٹرمف
نامی شخص نے براہوئی زبان کو دراوڑی قرار دینے کا نظریہ اس کتاب میں پیش کیا یا یہ بھی صحیح نہیں۔

اصل حقائق کے رو سے دنیا میں ٹرمف نامی کوئی بندہ نہیں رہا ہے۔ البتہ اس سے
قریب تر نام کا ایک بندہ جرمن ماہرِ لسانیات ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ (Dr. Ernest
Trumpp) رہا ہے۔ جو ۱۳ مارچ ۱۸۲۸ء میں جرمنی کے ایک چھوٹے قصبے السفیلڈ ورٹیمبرگ

صوبہ (Wurtemberg Province) (جسے اب بادین ورٹیمبرگ (Baden Wurttemberg) کہتے ہیں) میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام جارج تھامس ٹرمپ اور ماں کا نام سارائی بدیر تھی۔

ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ ۱۲ ستمبر ۱۸۵۴ء کو چرچ مشینری سوسائٹی کی طرف سے بطور ملازم کراچی پہنچا۔ جہاں انہوں نے سندھی زبان سیکھنی شروع کی اور ادبی کام کیا۔ کراچی کا موسم اس کی طبیعت کو راس نہیں آیا۔ علاج کے لیے فلسطین چلا گیا۔ جہاں جرمن قونصلر جارج روزن کے پاس قیام کیا۔ یروشلم میں قیام کے دوران اس کی ملاقات سوئس لڑکی پالین لنڈر سے ہوئی۔ جس سے انہوں نے ۱۸۵۶ء میں شادی کی۔ ۱۸۶۰ء، ۱۸۶۳ء میں اسٹٹگارٹ میں قیام کیا۔ ۱۸۷۰ء میں برطانوی حکومت نے اس سے سکھوں کی مذہبی کتاب ''ادی گرنتھ صاحب'' کا انگریزی ترجمہ کروایا۔ ۱۸۵۸ء میں سندھی گرامر مکمل کیا جو ۱۸۷۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔ ۱۸۷۳ء میں ''پشتو گرامر'' لکھا۔ ۱۸۸۰ء میں جرمنی زبان میں براہوئی زبان کا گرامر بعنوان

> "Grammatische Untersuchungen ueber die sprache der Brahui"

تحریر کیا جو حسب ذیل جرمنی زبان کے مجلّہ

> "Sitzungsberichte der philosophich-philologischen und. historischen classe der k.b Akademic der wissenschaften zu Muenchen, 1880 (Supplement) Heft vi"

میں شائع ہوا۔ اس کی وفات کے دو سال بعد بنگال آرمی کے سرجن میجر تھیوڈور ڈیوکا نے ارنسٹ ٹرمپ کے اسی مقالہ کو انگریزی میں بعنوان

> "An essay on the Brahui grammar, after the German works of the late Dr. Trumpp, of Munich University"

ترجمہ کیا اور اسے حسب ذیل مجلّہ

> "Journal of the Royal Asiatic society of Great Britian and Ireland, New Series vol-19, No.1, (January 1887), pp-59 to 135."

میں شائع کروایا۔

ڈاکٹر ٹرمپ ۱۸۷۳ء میں میونخ یونیورسٹی میں سامی زبانوں کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۸۸۳ء میں بینائی سے محروم ہوا۔ زندگی کے آخری ایام ایک ذہنی مریض کی حالت میں اسپتال میں گذارے۔ ۵۷ سال کی عمر میں ۱۰ اپریل ۱۸۸۵ء کو وفات پا گئے۔ (۱۹)

"Linguistic Survey of India" نامی کتاب سرجارج ابراہم گرائرسن نے مرتب کی ہے۔ جب وہ بہار (ہندوستان) میں افسر تھے۔ انہوں نے یہ کتاب گیارہ حصوں اور ہر حصے کی کئی جلدیں کل ملا کر انیس ضخیم جلدیں ۱۸۹۴ء سے ۱۹۲۷ء تک مکمل کیں۔ اس کتاب کی چوتھی جلد "Munda and Dravidian Languages" جو ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے' میں دراوڑی زبانوں پر بحث ۲۷۶ صفحہ سے ۶۸۴ تک ہے اور براہوئی زبان کا ذکر اور بحث ۶۱۹ سے ۶۳۶ تک باقاعدہ موجود ہے۔ یہ جلد پہلی بار کلکتہ سے ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۴ء، ۲۰۰۵ء میں دہلی سے ریپرنٹ ہوا ہے۔

اس جلد میں دراوڑی زبانوں کے حصہ کو ناروے کے مشہور زمانہ ماہر لسانیات ڈاکٹر اسٹین نو (Dr. Sten Konow) کی نگرانی میں تیار کیا گیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر گرائرسن خود لکھتا ہے:

> "Introductory Note:
> I am indebted to Dr. Sten Konow of christiania, Norway for the preparation of this volume. The proofs of the Dravidian section have been kindly examined by Mr. V.Ve nkayyas Govt: Epigraphist Madras. As editor of the series of volume of the linguistic survey of India. I am responsible for all statements contained in it.
> George A.Grierson."(20)

اس کا مطلب ہے کہ گل خان نصیر کو ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ' اس کی تحریر کردہ براہوئی گرامر اور سرجارج ابراہم گرائرسن کی مرتب کردہ کتاب "Linguistic Survey of India" کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ انھوں نے جان بوجھ کر براہوئیوں کو بلوچ قرار دینے کی غرض سے غیر حقیقی باتیں کی ہیں۔

ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ اور گرائرسن کے حوالے سے افضل مراد نے بھی بعینہٖ یہی غلطی دہرائی ہے۔ وہ اپنے کتاب میں لکھتے ہیں:

''۱۸۸۰ء میں جرمن ڈاکٹر ٹرمپ نے میونخ یونیورسٹی میں لسانیات کی دو کتب لکھیں جن میں براہوئی زبان کا تذکرہ ہے۔ ۱۸۸۷ء میں جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی کی نئے سیریز میں ڈاکٹر دیو کا تھیوڈور کا براہوئی گرائمر سے متعلق مضمون شائع ہوا......۔''(۲۱)

گرائرسن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''۱۹۰۶ء میں ٹی اے گریرسن نے کلکتہ سے شائع ہونے والے رسالہ ''لینگو سٹک سروے آف انڈیا'' میں براہوئی گرامر سے متعلق مضمون شائع کیا............۔''(۲۲)

گل خان نصیر کی طرح اسے بھی گرائرسن کا اصل نام' کتاب کی سن اشاعت' کتاب کی سائز اور جلدوں کا کوئی پتہ نہیں۔

۳۔ ۱۹۱۰ء میں "Frontier and Overseas Expeditions From Inda" کتاب میں براہوئی زبان کی بنیاد کے بارے میں شک کی بنیاد پر ایک ظنی مفروضہ پیش کیا گیا کہ:

"The Brahui language may b due to early intermarriage of the Brahui with women of the aborigianal (Sewa) tribes whom they displace. For it is remarkable to find in Baluchistan a Dravidian tongue surrounded on all sides by Aryan languages; the nearest country where it is again met nearest country where it is again met being the Gond Hills of Central India:"(23)

گل خان نصیر اس ظنی مفروضے کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''ایک اور مؤرخ بڑے پتے کی بات کہتا ہے ''براہوئی زبان ممکن ہے اس موجودہ (براہوئی) نسل کے لوگوں کے یہاں کے قدیم باشندوں یعنی سیوائی قبائل (جن کی انہوں نے جگہ لے لی) کی عورتوں سے شادیاں کرنے سے وجود میں آئی ہو۔ کیونکہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ بلوچستان میں ایک ایسی

دراوڑی زبان دیکھی جائے جو چاروں طرف سے آریائی زبانوں سے گھری ہوئی ہو۔ دوسرا قریبی ملک جہاں یہ زبان سُننے میں آتی ہو وہ وسطی ہند کے بھیل اور گونڈ کا علاقہ ہے۔''

مندرجہ بالا اقتباسات سے ایک بات صاف ہو جاتی ہے کہ براہوئی ان قدیم سیوائی قبائل کی زبان تھی جو قلات کے کوہستان میں بلوچی بولنے والے قبائل یا کوردگالی بولنے والے (موجودہ براہوئی) قبائل کی آمد سے قبل آباد تھے۔(۲۴)

گل خان نصیر کو براہوئیوں کو بلوچ قرار دینے کے لیے علمی' تاریخی' لسانی' آثاراتی' بشریاتی اور دوسرے علوم کے حوالے سے جب کوئی ثبوت نہیں ملا تو انہوں نے تاریخی حقائق' لسانیاتی شواہد' آثاراتی رپورٹوں کو پسِ پشت ڈال کر براہوئیوں کو بلوچ قرار دینے کے لیے اسے "Frontier and Overseas Expeditions from India" کتاب میں پیش کئے گئے شک کی بنیاد پر ظنی مفروضہ میں عذر ہاتھ آیا اور انہوں نے اس مفروضہ کو طلسماتی قصہ یا کہانی کا روپ دے کر براہوئیوں کے نسلی اور لسانی بنیاد کے بارے میں ایک سیاسی مفروضہ ''بُرز کوہی'' کا اختراع کیا۔

یہ مفروضہ انہوں نے اپنی کتاب ''تاریخ بلوچستان'' ۱۹۵۲ء میں پیش کیا وہ لکھتا ہے کہ:

''نوشیروان عادل شاہ ایران کے زریں عہد ۵۳۱ء میں بلوچ کوہ البرز (جسے فردوسی نے برزکوہ لکھا ہے) کے گردونواح میں آباد تھے۔ ایک دفعہ ان کی تاخت سے تنگ آ کر ایرانی دہقان عاجز آ کر نوشیروان کے پاس فریادی گئے اور بقول فردوسی نوشیروان خود ایک جرار سپاہ کے ساتھ بلوچوں کی سرکوبی کو نکلا اور ان پر فرار ہونے کے تمام راستے روک کر نوشیروان نے اپنی سپاہ کو بلوچوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ مرد' عورت' بچے' بوڑھا اور جوان جو بھی سامنے آیا تلوار کے گھاٹ اُترا' بے شمار بلوچ تہہ تیغ ہوئے اور جو زندہ بچے وہ مال مویشی' گھر بار چھوڑ کر ایسے بھاگ نکلے کہ پھر کبھی وہاں کا رخ نہ کیا۔

قلات سیوا میں بلوچوں کی آمد: ایرانی سپاہ کے قتل عام سے بلوچوں کے اس فرقہ یا قبیلہ کے جتنے افراد بچ کر نکل سکے انہوں نے اپنے آبائی وطن کو ہمیشہ

کے لیے خیر باد کہا اور سردار میر قمبر کی سرکردگی میں بلوچوں کا یہ طائفہ سیستان‘ رودبار‘ چاغی اور خاران سے ہوتا ہوا ماراپ‘ سیاہ کنب اور جھالاوان کے پہاڑوں میں آ کر رکا۔ چونکہ یہ ایک ایسا کوہستانی قبیلہ تھا جس کے افراد کوہ البرز کی گھاٹیوں میں چھوٹے بڑے ہو کر پروان چڑھے تھے۔ اس لیے جھالاوان کے پہاڑوں میں پہنچ کر ان کو اپنے آبائی وطن کی ایک جھلک نظر آئی............اس علاقہ کو اپنا وطن بنایا۔ اس زمانہ میں قلات اور قلات کے گردونواح پر سیوا نامی ایک قدیم ہندو خاندان کی حکومت تھی۔ جو غالباً دراوڑوں کی زبان بولتے تھے۔ سوراب‘ خضدار اور کرخ وغیرہ میں جاموٹ آباد تھے۔ بلوچوں کا یہ نووارد کوہستانی قبیلہ جو برزکوہ یعنی کوہ البرز سے ہجرت کر کے آیا تھا یہاں کے دراوڑی زبان بولنے والے باشندوں میں ’’برزکوہی‘‘ قبیلہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ جو رفتہ رفتہ دراوڑی زبان کے لفظ سے بگڑ کر ’’بروہی‘‘ یا ’’براہوئی‘‘ پڑ گیا......۔

یہ ایک ناقابل حقیقت ہے کہ اس زمانہ کے بلوچوں میں کسی غیر بلوچ قبیلہ سے ازدواجی رشتہ ناطہ کرنا معیوب خیال کیا جاتا تھا لیکن اس قبیلہ کے افراد کو مجبوراً یہ رسم ترک کرنی پڑی کیونکہ اس قبیلہ کی بیشتر عورتیں اور لڑکیاں ایرانی سپاہ کی غارت گری کا شکار ہو چکی تھیں جو بچ کر نکل سکی تھیں ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اس لیے اس قبیلہ کے بلوچوں کے لیے یہاں کے اصل باشندوں سے الگ تھلگ رہنا تقریباً ناممکن تھا۔ ان میں یہ طاقت بھی نہ تھی کہ اپنے آبائی وطن کی طرف پلٹ سکتے۔ اس لیے انہوں اس سرزمین کو جو آگے چل کر بلوچستان کے نام سے مشہور ہوئی......۔

یہاں کے اصلی باشندوں یعنی دراوڑوں سے دوستانہ تعلق اور میل جول قائم کر کے ان سے شادی بیاہ کرنے لگے۔ چند پشتوں کے بعد اپنی بعض دوسری صفات کے علاوہ اپنی مادری زبان کو بھی خیر باد کہا اور اس طرح دراوڑوں کی زبان سے ملی جلی ایک ایسی زبان بولنے لگے جو بعد میں دوسرے بلوچ قبائل کی

آمد پر اس قبیلہ کے نام سے براہوئی زبان مشہور ہوئی جو آج تک اس قبیلہ میں بولی جاتی ہے......۔‘‘(۲۵)

گل خان نصیر آگے لکھتا ہے:

’’قلات پر سیوا نامی ایک ہندو دراوڑ خاندان کی حکومت تھی۔ پندرہویں صدی کے وسط میں تقریباً جب ہندوستان پر منگولوں کا سیلاب آنا شروع ہوا تب سیوا خاندان بھی ان کی ہولناکیوں سے بچ نہ سکا۔ فاتح اور نیم وحشی منگولوں کے ہاتھوں اس خاندان کو بری طرح شکست ملی اور اس کی حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ قلات پر منگولوں کی جابرانہ حکومت قائم ہو گئی......۔

میرو:......میرو موقع شناس اور بہادر آدمی تھا۔ اس نے اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ ہوا کا رخ دیکھ کر میرو نے اپنے بہادر قبائل کے ساتھ منگولوں کا ساتھ دیا...... چند سال بعد جب منگولوں کا سیلاب رک گیا اور ہندوستان سے ان کے بادل چھٹ گئے تب قلات میں بھی ان کی حکومت کمزور ہو گئی۔ قندہار کے ارغون خاندان نے قلات پر فوج کشی کی۔ منگولوں کو شکست ہوئی اور زنوں بیگ ارغون قلات پر قابض ہو گیا۔ اس وقت سردار میرو فوت ہو چکا تھا اور اس کا لڑکا میر عمر بلوچوں کا سردار تھا......۔‘‘(۲۶)

گل خان نصیر نے اپنے مندرجہ بالا مفروضہ کو ۱۹۶۹ء میں دوبارہ ترمیم و تصحیح کیے بغیر من وعن ’’کوچ و بلوچ‘‘ میں سنوار سدھار کر پیش کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ:

’’نوشیروان بادشاہ کی تاخت و تاراج سے برزکوہ پر آباد کوچ و بلوچ کے اس ستم رسیدہ گروہ میں سے جو بچ کر نکل سکے انہوں نے سیستان اور رودبار گرم سیل وغیرہ اطراف میں راہ فرار اختیار کی............۔ ان میں سے زیادہ مضبوط اور مستقل مزاج لوگ ایک نئی آبادی کی تلاش میں جو ان کی کوہستانی زندگی کے اقدار کے مطابق ہو برابر آگے بڑھتے رہے اور آخر کار سردار میرو کی سرکردگی میں موجودہ چاغی اور خاران سے ہوتے ہوئے ماراپ اور سیاہ کنب کے

کوہستان میں جو سوراب کے مغرب اور قلات کے جنوب مغربی سمت میں پھیلا ہوا ہے پہنچے............۔

اس زمانے میں قلات پر سیوا نامی خاندان کے ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔ جس کو مؤرخ غلط طور پر دراوڑ نسل سے خیال کرتے رہے ہیں......۔

بہر حال سر دست ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ جب سردار میرو کی سرکردگی میں برزکوہ سے کوچ و بلوچ کا یہ لٹا پٹا گروہ یہاں پہنچا تو قلات، نیچارہ اور زہری سے خضدار تک کے علاقہ پر خاندان سیوا کی حکومت تھی۔ ان علاقوں میں جو لوگ آباد تھے ان کو ہم قدیم سیوائی قبائل کا نام دے سکتے ہیں یہ لوگ اپنی مخصوص زبان بولتے تھے جو غالباً موجودہ براہوئی زبان سے ملتی جلتی تھی۔ ان کے علاوہ سوراب سے ملتی جلتی تھی ان کے علاوہ سوراب، خضدار، کرخ اور لسبیلہ میں جدگال آباد تھے۔ لہٰذا کوچ اور بلوچ کا یہ بہادر، منظم اور جفاکش گروہ جو برزکوہ سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ یہاں کے قدیم سیوائی قبائل میں ''برزکوہی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ جو مقامی زبان کے لہجہ و تلفظ سے رفتہ رفتہ بگڑ کر بروہی، براوی اور براہوئی بن گیا.....'' (۲۷)

وہ آگے لکھتا ہے کہ:

''براہوئی زبان سے متعلق متذکرہ صدری تاریخی اقتباسات کو اگر ذیل کے تاریخی بیان سے ملا کر دیکھا جائے تو اس زبان کی بنیادی حقیقت اور زیادہ واضح اور روشن ہوگی۔ ''ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کوچ و بلوچ کا وہ کوہستانی گروہ جو اب براہوئی کے نام سے مشہور ہے نوشیروان کی سپاہ کے قتل عام سے بصد مشکل جان بچا کر برزکوہ سے جو ان کا مسکن تھا، نکل بھاگا۔ ان کی عورتیں، لڑکیاں اور اطفال اکثر یا تو تلوار کے گھاٹ اترے یا اسیر ہوئے۔ بہت کم و قلیل تعداد میں کچھ عورتیں اور لڑکیاں بچ نکل کر آ گر آئیں بھی تو اتنی تعداد میں تھیں کہ تمام طائفے کی ازدواجی ضروریات کو پورا کرتیں۔ لہٰذا قلات کے کوہستان ماراپ و

سیاہ کنب میں آباد ہونے کے بعد ان برزکوہی مردوں کو مجبوراً ازدواج کے لیے یہاں کی مقامی لڑکیوں سے شادیاں کرنا پڑیں اور اسی طرح یہاں کے قدیم باشندوں سے ان کے قریب رشتے، دوستانہ تعلقات اور میل جول کی ابتداء ہوئی اور رفتہ رفتہ وہ ایک دوسرے سے اس طرح گھل مل گئے کہ بالآخر ایک ہی گروہ سمجھے جانے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند پشتوں کے بعد اپنی مادری زبان بھی کھو بیٹھے اور قدیم سیوائی قبائل کی زبان سے ملی جلی ایک ایسی زبان بولنے لگے جو ان کے برزکوہی نام کی مناسبت سے بروہی، براوی اور براہوئی کے نام سے آج تک مشہور چلی آتی ہے۔......'' (۲۸)

("Frontier and Overseas Expeditions from India") کتاب میں موجودہ براہوئی قوم کے قبائل میں محمد شہی اور نیچاری کو قدیم قرار دیا گیا (۲۹) گل خان نصیر اس فہرست میں براہوئی قوم کے دوسرے قبائل میں پندرانی، ساسولی، زہری اور ساجدی کو شامل کر کے ان کو بھی سیوا قرار دیا اور برزکوہی لوگوں کو ان کی عورتوں سے شادی کروانے کا قصہ گھڑ لیا۔ وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''الغرض بیان کردہ تاریخی اسناد کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نیچاری، پندرانی، ساسولی، زہری اور ساجدی جو اگرچہ اب براہوئی قبائل میں شمار ہوتے ہیں دراصل ان قدیم سیوائی قبائل کی باقیات ہیں جو برزکوہی بلوچوں کی آمد سے قبل قلات کی سرزمین پر آباد تھے اور جن کی زبان سے مل کر موجودہ براہوئی زبان عالم وجود میں آئی ہے............'' (۳۰)

گل خان نصیر آگے اپنے مفروضہ پر خود بحث کر کے نتیجے اخذ کر کے تحریر کرتا ہے کہ:

''الغرض قدیم و جدید تواریخی شواہد سے یہ ظاہر ہے کہ:

۱۔ کوش، کوچ، قفش، قفچ اور کوف در حقیقت ایک ہی نام کی مختلف صورتیں ہیں جو ایک ہی نسل کے لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

۲۔ کوش یا کوچ، بلوچ کی بنیادی نسل ہے۔

۳۔ فردوسی نے شاہنامہ میں اور دیگر عرب وغیر عرب مؤرخین نے اپنی مختلف تصنیفات میں جن لوگوں کو کوچ اور کورد کے نام سے ذکر کیا ہے وہ یہی لوگ ہیں جن کا ایک حصہ برزکوہ (البرز) سے راہ فرار اختیار کر کے قلات کے کوہستانوں میں آباد ہوا اور جو یہاں پر برزکوہی اور پھر رفتہ رفتہ بروہی، براوی اور براہوئی کے نام سے مشہور ہوا اور جو اب تک اسی نام سے بلوچستان میں آباد ہے۔

۴۔ ابتداء میں ان لوگوں کی زبان کردی یا اس سے ملتی جلتی کوئی زبان بھی جو یہاں کی قدیم آبادی کی زبان سے مخلوط ہو کر برزکوہی یا موجودہ براہوئیوں کی زبان، براہوئی کے نام سے مشہور ہوئی۔

۵۔ براہوئی، قدیم کوچ نسل کے لوگ ہیں، چونکہ بلوچ بھی اسی کوچ نسل سے ہے۔ لہٰذا براہوئی اور بلوچ نسلاً ایک اور بحیثیت مجموعی بلوچ ہیں۔......'' (۳۱)

گل خان نصیر پھر آگے چل کر اسی کتاب کے دوسرے باب میں اپنے مندرجہ سارے مفروضات سے ہٹ کر براہوئیوں کے لسانی اور نسلی بنیاد کے حوالے سے نئی بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''بعض مستند مؤرخین کی رائے کا ذکر کرتے ہوئے ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ قدیم کوشانی زبان السنہ کے ''ایرانی خاندان'' کی ایک شاخ ہے اس لیے براہوئی زبان بھی لازمی طور پر زبان کے ''ایرانی خاندان'' سے ہے۔

اور ہم کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ کوشی یا کوشی سیتھی آرین (Scythian) ہیں۔

پس متذکرہ مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

۱۔ کوچ اور بلوچ کی آمد سے قبل قلات (سطح مرتفع) میں قدیم براہوئی یا سیوائی قبائل کے نام سے جو لوگ آباد تھے وہ دراوڑ نہیں تھے بلکہ سیتھی آرین نسل کے کوشی یا کوشانی تھے۔

۲۔ اور یہ کہ موجودہ براہوئی زبان چونکہ قدیم کوشانی زبان سے نکلی

ہے۔ اس لیے دراوڑی زبانوں کے خاندان سے نہیں بلکہ السنہ کے ''ایرانی خاندان'' کی ایک شاخ یعنی آرین زبان ہے۔ جس کی موجودہ صورت کردی زبان کی آمیزش سے وجود میں آئی ہے......'' (۳۲)

گل خان نصیر ۱۹۶۹ء کے بعد ۱۹۷۶ء میں بھی اپنے مندرجہ بالا مفروضہ کو دہراتے نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ہم سمجھتے ہیں کہ اسم براہوئی یا بروہی دراصل بلوچی لفظ ''برزکوہی'' جس کے معنی ہیں ''اونچے پہاڑوں کے رہنے والے'' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ چنانچہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ براہوئی دراصل ان کوشانیوں کی اولاد ہیں جو کوچ و بلوچ کہلاتے تھے اور جو ایران کے مشہور پہاڑ البرز کے گردونواح میں آباد تھے اور بقول فردوسی جن پر نوشیروان بادشاہ نے فوج کشی کی اور ان کا قتل عام کیا............'' (۳۳)

گل خان نصیر مزید آگے لکھتے ہیں:

''یہاں یہ امر واضح رہے کہ بلوچ کرد کو بھی اپنی ایک شاخ سمجھتے ہیں اور عراقی کرد براہوئی طائفہ کو اپنا ایک قبیلہ شمار کرتے ہیں۔ غالباً اسی مناسبت سے بلوچستان کے اکثر علاقوں کے باشندے براہوئی زبان کو کردی کہتے ہیں حالانکہ براہوئی اور کردی زبانوں میں کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ اس کے برعکس بلوچی زبان اور کردی زبانیں ایک دوسرے سے بہت قریبی تعلق رکھتی ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ براہوئی، بلوچ اور کرد دراصل ایک ہی نسل کے لوگ ہیں اور ان کی زبانوں میں اختلاف کی وجہ نسلی نہیں بلکہ جغرافیائی ہے......'' (۳۴)

گل خان نصیر ۱۹۷۶ء کے بعد ۱۹۸۲ء میں بھی اپنے مندرجہ بالا مفروضہ کو پھر نقل کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''الغرض جب کوچ و بلوچ کے یہ لٹے پٹے قبائل نوشیروان کی تاخت و تاراج

سے جان بچا کر اپنے سردار میرو کی سرکردگی میں سطح مرتفع قلات پر پہنچے تو ان دنوں قلات' نیچارہ اور زہری سے سوراب تک کے علاقے پر سیوائیوں کی حکومت تھی۔ ان علاقوں میں جو لوگ آباد تھے ہم نے ان کو قدیم سیوائی قبائل کا نام دیا ہے۔ یہ لوگ اپنی مخصوص زبان بولتے تھے جو غالباً موجودہ براہوئی زبان سے ملتی جلتی زبان تھی۔ ان کے علاوہ خضدار' کرخ اور لس بیلہ میں جدگال آباد تھے جن کی زبان سندھی زبان سے ملتی تھی۔ لہٰذا کوچ و بلوچ قبائل کے یہ بہادر' جنگجو اور جفاکش لوگ جو برزکوہ (البرز) سے ہجرت کر کے آئے تھے یہاں کے سیوائی قبائل میں ''برزکوہی'' کے نام سے مشہور ہوئے جو مقامی زبانوں کے لہجہ اور تلفظ سے رفتہ رفتہ بروہی' براہوی یا براہوئی ہو گیا' لیکن یہ کوچ و بلوچ قبائل خود جو زبان بولتے تھے وہ کردی یا کردی جیسی ایک زبان تھی......'' (۳۵)

گل خان نصیر آگے لکھتا ہے کہ:

''بہرحال یہ دعویٰ اب پائے ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ وہ کوچ اور بلوچ جو برزکوہ (البرز) سے ہجرت کر کے آئے تھے وہ یہی لوگ تھے جو آج کل براہوئی قبائل کے نام سے مشہور ہیں......'' (۳۶)

گل خان نصیر کے مندرجہ بالا ''برزکوہی'' مفروضہ کے متعلق پیش کئے گئے بیانات کا محتاط مطالعہ کرنے کے بعد حسب ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

الف: میر قمبر نے (اپنی دوسری کتاب میں میر میرو لکھا ہے) ۵۳۱ء میں نوشیروان عادل' ایرانی بادشاہ کے دور میں البرز پہاڑ سے ان کے غیض وغضب سے بچنے کے لیے راہ فرار اختیار کی اور قلات میں سیوا کے دور میں پہنچے اور زنون بیگ (۱۵۳۱ء) کے دور میں فوت ہوا۔

ب: برزکوہ سے آنے والے لوگ کردی بولتے تھے ان لوگوں نے سیوا قبائل سے شادیاں کیں اور رفتہ رفتہ اپنی زبان کردی چھوڑ کر سیوائی عورتیں جو اب ان کی بیویاں بن چکی تھیں کی زبان دراوڑی تھی اور موجودہ براہوئی سے ملتی جلتی تھی کو اپنائی۔ اسی زبان میں برزکوہ لفظ تبدیل ہو کر یا برزکوہ سے آنے کی وجہ سے بروہی' براوی یا براہوئی مشہور ہوئے۔

ج: ساجدی' نیچاری' پندرانی' ساسولی اور دیگر چند ایک براہوئی قبائل سیوا ہیں۔

د: سیواؤں کی حکومت پندرھویں صدی میں منگولوں کے حملوں کی وجہ سے ختم ہوئی۔ میرو نے منگولوں کا ساتھ دیا اور سیواؤں کی حکومت پر منگولوں کے توسط سے قبضہ کیا۔

ھ: برزکوہ سے بھاگ کر آنے والوں کو کورد اور کوچ بھی کہا جاتا تھا۔ لہٰذا براہوئی' بلوچ' کرد اور کوچ ایک ہی نسل کے لوگ ہیں۔ صرف اختلاف زبان کی وجہ سے نسل نہیں بلکہ جغرافیائی ہے۔ پھر آگے چل کر دوسرے باب میں اپنے اس بیان سے ہٹ کر براہوئیوں کو نسلی اور لسانی طور پر ایرانی اور کوشانی قرار دیا ہے۔

گل خان نصیر کے مندرجہ بالا پانچ نکات کا تاریخی' لسانیاتی' آثاراتی اور بشریاتی حوالے سے تحقیقی جائزہ لے کر دیکھتے ہیں کہ ان کا یہ مفروضہ نما خیال کس حد تک صحیح اور درست ہے۔

الف: گل خان نصیر نے لکھا ہے کہ میر قمبر یا میر میرو ۵۳۱ء میں نوشیروان عادل کے دور میں قلات آیا اور زنون بیگ کے دور میں فوت ہوا۔ تاریخی حقائق کے مطابق نوشیروان بن قباد کا دور ۵۳۱ء سے ۵۷۹ء تک ہے اور اس نے ۴۸ سال حکومت کی۔ اس شخص نے تخت پر بیٹھتے ہی ۸۰ ہزار لوگوں کو قتل کروایا۔ پھر بھی نام نہاد مؤرخین نے اسے ''نوشیروان عادل'' کا لقب دیا۔ یہاں تک سعدی نے بھی لکھ دیا کہ:

قاروں ہلاک شد کہ چہ خانہ گنج داشت
نوشیروان نہ مرد کہ نام نکو گذاشت (۳۷)

جب کہ ذوالنون ارغون جسے زنون بیگ ارغون بھی کہتے ہیں نے قندہار' ولایت غور' زمین داور پر ۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء سے ۹۱۳ھ/۱۵۰۷ء تک حاکم رہا۔ (۳۸)

بقول گل خان نصیر' میر میرو یا میر قمبر میں سے کوئی بھی نوشیروان کے دور ۵۳۱ء سے بھاگ کر ذوالنون بیگ ارغون کے دور (۱۴۷۹ء/۱۵۰۷ء) میں وفات کرتا ہے۔ تو اس طرح ان کی عمر ۹۷۶ سال بنتی ہے۔ اس میں پیدائش سے لے کر بھاگنے تک کی عمر علیحدہ ہے۔ اگر اس تناسب سے اس کی بچپن کی عمر کو شامل کیا جائے تو اندازاً اس کی کل عمر گیارہ سو سال بنتی ہے۔
ہمیں تو نوشیروان عادل کے دور سے لے کر موجودہ زمانے تک ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں کسی

انسان کی عمر۱۲۰سال سے زیادہ ہوئی ہو۔لیکن گل خان نصیر براہوئیوں کو بلوچ قرار دینے کی غرض سے میر قمبر (یا میر میرو) کی عمر گیارہ سو سال کے عرصہ پر محیط کر کے احتیاط بھی نہیں برتا۔

ب: گل خان نصیر لکھتا ہے کہ برزکوہ پہاڑ سے بھاگنے والے کردی بولتے تھے' جب ان لوگوں نے سیوائی عورتوں رلڑکیوں سے شادیاں کیں تو ان لوگوں نے اپنی زبان چھوڑ / بھول کر اپنی بیویوں کی زبان اختیار کی جو موجودہ براہوئی زبان جیسی تھی۔اسی زبان میں برزکوہی والے بروہی' براوی یا براہوئی مشہور ہوئے۔

اصل تاریخی حقائق کے مطابق سیوا کوئی قبیلہ یا ذات نہیں تھا اور نہ ہی ان کی تعداد ہزاروں یا سینکڑوں میں تھی جن کی لڑکیوں سے لاتعداد برزکوہیوں نے شادیاں رچائیں بلکہ حقیقت میں یہ تین تا پانچ گھرانوں پر مشتمل ایک خاندان تھا جو چچ برہمن حاکموں سے قبل سندھ کے رائے خاندان کی طرف سے قلات پر گورنر تھے۔سیوا گھرانے کے گورنروں میں سیوا سمرا (۵۶۰ء تا ۵۸۵ء)، سیوا جونین (۵۸۵ء تا ۶۱۳ء)، سیوا آسیار (۶۱۳ء تا ۶۲۸ء)، سیوا مائین (۶۲۸ء تا ۶۴۰ء) اور سیوا زوراک (۶۴۰ء تا ۶۶۰ء) مشہور ہو گزرے ہیں۔ان کی حکومت ۶۶۰ء میں چچ برہمن کے ہاتھوں ختم ہوئی تو سیوا والے ان کے سیاسی غیض وغضب سے بچنے کے لیے براہوئی ''ہڑپرغنگ'' روایات کے مطابق براہوئی قوم کے نامور قبیلہ محمد شہی (ماما شاہی) کے خدرانی (Khidranee) طائفہ میں شامل ہوئے۔آج بھی علاقہ منگچر کے کلی محمد شہی میں ان کی قدیم آبادی موجود ہے۔ان کے موجودہ ٹکری کا نام عبدالقادر سیوازئی ہے۔ساڑھے تیرہ سو برس گذر جانے کے بعد ان کی کل تعداد تقریباً آٹھ سو (۸۰۰) سے ایک ہزار (۱۰۰۰) تک ہے۔اگر متذکرہ سیوا قدیم دور میں زیادہ ہوتے تو آج ضرور ان کی تعداد ہزاروں میں ہوتی۔

سیوا نہ دراوڑ تھے اور نہ ہی ان کی زبان دراوڑی یا براہوئی سے ملتی جلتی تھی۔نہ وہ کوشانی تھے اور نہ ہی ایرانی بلکہ اصل میں جٹ رجدگال یعنی سندھی تھے اور جٹکی زبان بولتے تھے۔جیسے کہ ایم بی ایمینو لکھتے ہیں:

"The Sewa dynasity Kalat before the Brahui Confederacy. This comunity is Jataki speaking.........."(39)

براہوئیوں کا کردوں کے ساتھ نہ لسانی اور نسلی تعلق رہا ہے اور نہ ہی کبھی ان کی زبان کردی

رہی ہے۔براہوئیوں کا برزکوہ پہاڑ سے قلات کی طرف بھاگنے کا ذکر کسی بھی تاریخ میں موجود نہیں اور نہ ہی کہیں اس کا اشارہ موجود ہے۔زبان کوئی لباس نہیں جو جب میلی ہو جائے اتار پھینکا جائے بلکہ زبانیں وقت کے ساتھ بنتی اور بدلتی ہیں۔

ج: گل خان نصیر نے ساجدی' نیچاری' پندرانی' ساسولی اور دیگر چند ایک براہوئی قبائل کو سیوائی کہا ہے۔

بیانی تاریخ لکھنا اور اسے سیاسی مفادات کے لیے استعمال کرنا الگ بات ہے جب کہ کسی قوم کی نسلی اور لسانی بنیاد کو تحقیق کے ذریعے معلوم کرنا دوسری بات ہے۔گل خان نصیر نے جن سیوا لوگوں کو دراوڑ قرار دیا ہے ان کی اس دعویٰ کو نکتہ ''ب'' میں رد کیا گیا ہے کہ وہ دراوڑی نہیں بلکہ سندھی بولتے تھے اور وہ تین تا پانچ گھرانوں یا بیس تا تیس لوگوں پر مشتمل تھے۔

بشریاتی اور لسانی حوالے سے ساجدی' ساک یعنی سھتین ہیں جیسے کہ سی ایف منچن لکھتے ہیں:

"The Sajdis are.......... Scythian origin being descendants of the ancient Sagetea.......... The Present Cheif in (1907 A.D) of the tribe is Mir Saka."(40)

ساکا پہلی صدی ق م میں گندھارا میں وارد ہوئے۔اور پانچویں صدی عیسوی تک وہاں حکومت کی۔ان میں سے کچھ نے بلوچستان اور سندھ پر حملہ کیا۔جس کی وجہ سے ایک علاقہ ساکستان ان کے نام سے منسوب ہوا۔جو بعد میں سجستان اور سیستان مشہور ہوا۔(۴۱) ساک لوگ اقلیت میں تھے' اس لیے وہ براہوئی قوم میں شامل ہوئے کیونکہ اس دور میں براہوئی قوم اکثریت میں تھی۔

پندرانی' براہوئی قبیلہ کو کچھ لوگ رند بلوچ قرار دیتے ہیں جیسے کہ سی ایف منچن لکھتے ہیں:

"The parent stock is admitted to be to Rind Baloch origin........"(42)

جو صحیح نہیں ہے بلکہ اصل میں وہ دراوڑ ہیں۔ان کا اصل نام Pandra ہے جس کے معنی بہادر اور نڈر کے ہیں۔(۴۳)

اس نام سے پنڈارا' تامل قبیلہ میں ایک ذات کا نام موجود ہے۔جیسے جارج کلفورڈ لکھتے ہیں:

"Pandara (Tamil) The name of a Saiwa sect in the South."(44)

اسی طرح غلط طور پر نیچاری کو علیکوزئی افغان بتایا گیا ہے۔ جیسے کہ ایک جگہ لکھا ہوا ہے:

"According to local traditionas Nicharis are Alikozai Afghans. Their progenitor Aliko migrated, which his flocks, from Afghistan to the Nichara country."(45)

نیچاری لفظ کی بنیاد ''نیچار'' ہے جو دراوڑی لفظ ''نکا'' (nikka) ، نیکراکان (nekrakan) کی تبدیل شدہ صورت ہے جس کے معنی خوبصورت' حسین اور بہترین ہے۔(۴۶) اور ''ای'' صفت نسبتی ہے۔ جس سے نیچاری لفظ بنا۔ جس کے معنی حسین وادی یا سرزمین کے لوگ ہیں۔

اسی طرح گل خان نصیر کے قرار دیئے ہوئے دوسرے قبائل جن کو انہوں نے سیوا قرار دیا ہے وہ سب ۱۵۳۱ء سے ہزاروں برس پہلے نہ صرف بلوچستان کی سرزمین پر موجود تھے بلکہ وہ سب جٹکی زبان نہیں بلکہ براہوئی زبان بولتے تھے۔

د: گل خان نصیر کہتا ہے کہ سیواؤں کی حکومت پندرہویں صدی میں منگولوں کے حملوں کی وجہ سے ختم ہوئی۔

تاریخی حقائق کے مطابق سیواؤں کی حکومت ۶۶۰ء میں چچ برہمن کے ہاتھوں ختم ہوئی۔ پھر ان کی حکومت کو عربوں نے ۷۱۲ء میں ختم کیا۔ عربوں کی حکومت کو ۹۷۷ء میں غزنویوں نے ختم کیا۔ اس کے بعد غوری حکومت قائم رہی۔ خوارزم کے سلطان' سلطان محمد نے ۱۲۱۹ء میں بلوچستان پر حملہ کیا۔ ۱۲۲۵ء میں بلوچستان کا کچھ حصہ شمس الدین التتمش کے قبضہ میں آیا۔ اس سارے عرصہ میں یعنی ۶۶۰ء سے لے کر ۱۲۲۵ء تک کے دوران بلوچستان تو دور کی بات رہی بلکہ سارے برصغیر میں کہیں بھی منگولوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ منگول تو ۱۲۲۵ء کے بعد حملہ آور ہوئے۔

یہ پتہ نہیں کہ ۱۲۲۵ء کے حملہ آوروں نے ۶۶۰ء والے دور کے لوگوں سے حکومت کیسے چھین لی۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ گل خان نصیر اور اس کے پیروکاروں کی ایسی تاریخ نویسی کو کیا نام دیا جائے؟۔

ھ: گل خان نصیر' براہوئیوں کے نسلی اور لسانی بنیاد کو تذبذب کی عالم میں بیک وقت کرد' کوچ' کوشانی اور ایرانی قرار دیتا ہے۔ جو تعجب خیز ہے۔

لسانیاتی تحقیق کے مطابق ایرانی (Iranian) ہند یورپی (Indo-Europeaon) زبانوں کے خاندان میں ایک گروہ ہند ایرانی (Indo-Iranian) کی ایک شاخ مغرب جنوبی ایرانی (South-West Iranian) کی زبان ہے۔(۴۷)

براہوئی پاکستان میں واحد زبان ہے جو ہند یورپی زبانوں کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتی۔ جیسے کہ پروفیسر ایتینی تفو (Etienne Tiffou) لکھتے ہیں:

"Brahui is the only Pakistani non Indo-European Language"(48)

کردی یا کرد زبان' ہند ایرانی (Indo-Iranian) زبانوں کے گروہ میں شمال مغربی شاخ سے ہے۔ جس میں بلوچی زبان بھی شامل ہے۔(۴۹)

براہوئی زبان کا اس زبان کے ساتھ کوئی لسانی اشتراک نہیں ہے۔ اس بارے میں خاطر غزنوی لکھتے ہیں کہ:

''یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ وہ کرد نہیں کردگلی (کردگال) والی بات کے ضمن میں کہا جا سکتا ہے کہ امکان ہے کہ کوئی کرد گروہ آ کر یہاں کردگلی بولتے ہوں اور لسبیلہ میں براہوئیوں کے اڑوس پڑوس میں بس گئے ہوں اس لیے ادریسی کے خیال سے متفق ہونا ضروری نہیں............''(۵۰)

گل خان نصیر کوچوں کو براہوئی قرار دینے پر بضد ہیں مگر وہ یہ نہ بتا سکے کہ کوچوں نے کب' کیوں اور کس وجہ سے کوچ نام چھوڑ کر براہوئی اختیار کیا؟ اگر وہ البرز کوہ سے بھاگے اور کردی زبان بول رہے تھے تو وہ کرد ہونگے جن کا آج بھی وجود تسلیم شدہ ہے۔ اگر البرز کوہ سے آئے تو برز کوہی کہلائے ہونگے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ کوچ کا لیبل ان پر کس طرح چسپاں ہو گیا؟ البرز کوہی نام کو ہم نے رد کیا۔

بحر حال تاریخی حقائق' لسانیاتی اور بشریاتی شواہد کے رو سے کوچ یا کوچوں کا وجود آج بھی پاکستان سے باہر ہندوستان اور بنگلہ دیش میں ہے۔ جنہیں کوچ (Koch) ، کُوچ (Kooch) کُچ (Kuch) کُووَچ (koach) اور راج بنسی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے متعلق ایک جگہ لکھا ہوا ہے:

"Koch, also called Rajbanshi, ethnic group of the Bado people, dispersed over parts of Assam and Bengal while their original language is the Tibeto-Burman dialect large sections of the group in the 20th century speak Bengali or other Indo-Aryan langauges. In the 16th century a koch cheif established the state of Coach Behar, and they new call themselves Rajbanshi (of the Royal Blood), resent being called by the told tribal name and follow Hindu customs. But their claim to the high status of the Kshtariya class of Hindu is not generally admitted, and many of the endogamous subdivisions rank very low in the Hindu caste hierarchy."(51)

کوج' کوفج' کوف یا کوچ' کوہ یعنی پہاڑ لفظ کی تبدیل شدہ صورتیں ہیں ان کا یہ نام پہاڑوں پر رہنے کی وجہ سے پڑا ہے۔ ''کوہ'' ایرانی نہیں بلکہ دراوڑی لفظ ہے۔ سرتھک سین گپتا' کوچوں کو ڈالٹن اور رزلے کے حوالے سے دراوڑ قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"According to Dalton (1872) "They belong to the Dravidian stock" his opinion belong based on their colour and the thickness of their lips and their angular facial line. Risley (1819) also identified them as representative of the "Dravidian Stock"........(52)

روس کی نامور بشریات کنکوفسکی بھی کوچوں کو دراوڑ قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ہم یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ قدیم ایرانی رسم الخط پیکانی میں جو لوحیں پائی گئی ہیں ان میں مندرجہ بالا باتوں کا ذکر ملتا ہے۔ وہ ''اکوفاسیہ'' لوگوں کے بارے میں بتاتی ہیں۔ جنہیں کوفج (کوفج یا کوج) لوگ شناخت کرنا چاہیئے...... ''حدود العالم'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ کوفج سات قبائل میں منقسم تھے اور اپنی ہی زبان بولتے تھے۔ غالباً اس کا تعلق دراوڑی سے تھا۔ آج بھی

اس علاقے میں دراوڑی بولنے والوں کے انفرادی گروہ آباد ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ قدیم باشندے نسلی طور پر اکوفاسیہ کوفج کی ہی اولاد ہیں۔''(۵۳)

کوچ نسلیاتی حوالے سے دراوڑ ہیں اور جو زبان بولتے ہیں وہ سنوتبتن (Sino-Tibeton) زبانوں کے خاندان کے تبتو برمن شاخ کی زبان ہے۔ جس کا ہند یورپی زبانوں کے خاندان سے تعلق ہی نہیں ہے۔ بیسویں صدی عیسوی میں کچھ کوچ لوگ مقامی اور قریبی زبانوں کے اثرات کی وجہ سے ہند آریائی اور بنگالی زبان بولنے لگے ہیں۔

کشان' کوشان' کوشانی اصل میں ترک ہیں اور چینی کتابوں میں ان کا نام یوچی لکھا ہوا ہے۔ جن میں کوئی شانگ یا کشان گھرانے کی حیثیت قائد کی ہے۔ یہ قوم چینی قوم ہونگ نو سے ۱۶۵ ق م میں شکست کھا کر دربدر ہوئی۔ تقریباً بیس یا پچیس برسوں بعد انہیں پھر ووسن اور ہیونگ نو کی مدد سے دوبارہ شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر وہاں سے باختر کے علاقے پر قبضہ کیا اور ان کا اثر ونفوس دریائے سیحون تک پھیل گیا۔ ایک دو پشتوں بعد وہ خانہ بدوش سے مدنی ہوگئے۔ کئی ریاستیں قائم کیں۔ ایک صدی بعد کاجولا کدفائی سس اول (Kujula Kadphises-l) نے تقریباً ۱۵ء میں یوچی قوم کا سردار بنا اور فتوحات شروع کیں۔ کشمیر اور کابل پر حملہ کیا۔ اس طرح ان کی حکومت ایران سے لے کر سندھ اور غالباً جہلم تک پھیل گئی۔ ۴۵ء کے بعد یکے بعد دیگرے کئی کشان حاکم مقرر ہوئے۔ جن میں کنشک' واسیشک' ہوشک' ہشکپوز' بسودیو اول مشہور ہو گذرے ہیں۔ اس قوم کی حکومت ۲۲۵ء میں ختم ہوئی۔(۵۴)

''کوشانی'' نام سے کوئی زبان نہیں لیکن جو زبان تھی موجودہ دور میں اسے التائی زبانوں کے خاندان میں مانچو تنگوز شاخ کی زبان میں شمار کیا جاتا ہے۔ التائی خاندان حسب ذیل شاخوں میں بٹی ہوئی ہے جس کے بارے میں ڈیوڈ کرسٹل لکھتے ہیں:

"A family of about 40 langauges spoken by C.100 million people over a vast area from the Balkan peninsula to the north-east of Asia. They are classifed into Turkic, Mongolian and Manchu-Tungus groups..........(55)

یعنی کوشانی قوم اور زبان کا دراوڑی اور ہند یورپی نسل اور زبانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ گل خان نصیر'ایرانی' کوشانی اور کوچوں کے مابین نسلی اور لسانی فرق نہیں کر سکا۔

گل خان نصیر کے بعد ان کے سیاسی پیروکار بھی ان کے اسی طرح تقلید کا مظاہرہ کر رہے ہیں ان کی مندرجہ بالا ضعیف تحاریر کو من وعن نقل کر کے اپنے سیاسی مفادات کو تقویت اور جائز قرار دینے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ جیسے محمد رمضان بلوچ بغیر کسی تحقیق اور پرکھ کے نقل کر کے لکھتا ہے کہ:

''بلوچ' براہوئی اور کرد کبھی ایک وحدت ہوا کرتے تھے مگر زمانے کے نشیب و فراز نے انہیں تین مختلف نام اور زبانیں دے دیں۔ مگر یہ تینوں نسلی طور پر ایک ہی ہیں اور ایک ہی تورانی ترکی گروپ آف لینگوئج سے ان کا تعلق ہے۔ یہ تینوں زبانیں لہجہ کے اعتبار سے بھی پچاس فیصد اب بھی ایک ہیں......۔''(۵۶)

میر گل خان نصیر کی کتاب ''کوچ و بلوچ'' میں ''بلوچ'' حصہ دراصل لانگ ورتھ ڈیمز کی کتاب "The Baloch Race" کا اردو ترجمہ ہے وہ اصل میں کامل القادری کا ترجمہ ہے جو انہوں نے نقل کیا ہے اس بارے میں کامل القادری سراپا احتجاج ہے کہ:

''۳۔۔۔۔۔''بلوچ قبائل'' کا ترجمہ آپ کی فرمائش پر کیا تھا۔ آپ کے پاس ایک سال مسودہ رہا۔۔۔۔ جب آپ اُسے چھاپ نہ سکے تو ''بلوچی دنیا'' کو دیا اور بحمد للہ یہ محفوظ ہو گیا۔ حال ہی میں گل خان نصیر کی کتاب ''کوچ و بلوچ'' آئی ہے۔ انہوں نے لفظ بہ لفظ ''بلوچ قبائل کو اپنی کتاب کا ایک حصہ بنا لیا ہے۔ کہیں کہیں کوئی لفظ بدلا ہے۔ پُر لطف بات یہ ہے کہ کہیں کہیں مجھ سے جو سہو ہوا ہے۔ اسے بھی درست کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور نہ کتابت کی غلطی ہی کو درست کیا گیا۔''(۵۷)

انور رومان پہلا برملا حق گو محقق ہے جنہوں نے گل خان نصیر کو 'براہوئی' بلوچ ہیں'' کے مفروضہ پیش کرنے پر غلط کہا۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''یہ قیاس کرنا کہ براہوئی بلوچ ہیں ایسے ہی غلط ہوگا جیسے یہ کہنا کہ وہ عرب یا افغانی یا ایرانی ہیں........... براہوئی بلوچ یگانگت کا نظریہ حال ہی میں میر گل خان نصیر اور ملک صالح محمد لہڑی نے پیش کیا ہے۔''(۵۸)

بدقسمتی سے براہوئی کی ترقی و ترویج کے راستے میں نسلاً براہوئی اور خیالاً بلوچ قلمکار رکاوٹ بنتے رہے ہیں۔ جس طرح میر گل خان نصیر' براہوئی النسل تھے مگر انھوں نے اپنی ساری زندگی میں براہوئی کی مخالفت کی جس کی کوئی مثال نہیں ملتی (تفصیل کے لیے دوسرا باب ملاحظہ ہو)

ایسے قلمکاروں کے لیے بابائے براہوئی حضرت نور محمد پروانہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''یہاں ہمیں دلی رنج و غم بلکہ کسی حد تک شرمندگی سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مذکورہ بالا سارے واقعات کا ظاہراً اور اکثر کردار بدقسمتی سے وہ ہیں جو خود براہوئی ہیں۔''(۵۹)

جب بھی کسی محقق اور عالم نے ''براہوئی بلوچ ہیں'' کے مفروضے کو رَد ثابت کرنے کی کوشش کی تو ان پر میر گل خان نصیر اور اس کے پیروکار انگریز سامراجی ایجنٹ ہونے کا الزام لگانے سے نہیں کتراتے۔ میر گل خان نصیر واضح طور پر لکھتا ہے کہ:

''آج بھی اگر کہیں سے براہوئی کو بلوچ سے ایک جدا قوم ثابت کرنے کی آواز اٹھتی ہے تو اس میں بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو پس پردہ وہی انگریز طرز کی استعماری سازش کارفرما نظر آئے گی...........۔''(۶۰)

۴۔ گل خان نصیر کے سیاسی اور ادبی ہم خیال بھی اس کے نقش قدم پر چل کر براہوئیوں کو بلوچ یا آریا قرار دیتے وقت مصنوعی حوالہ جات سے اپنی تحریر کو مستند قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے کہ پروفیسر عزیز مینگل ایک جگہ لکھتا ہے کہ:

''براہوئی بولی آ کاریم کروکاک داسکان ہلمہ ٹی ءُ کہ دادءِ ہرا خاہوت تو گنڈن۔ گڑاس دادے دراوڑی، کہ سال ۱۸۷۳ء آن ہنری والٹر بیلیو نا ''سندھ آن دجلہ اسکان'' (From Indus to Tigris) سفرنامہ غان شروع مس پانگا، ولے براہوئی قوم ءِ آریائی نسل پانگا......۔''(۶۱)

ترجمہ: براہوئی زبان پر کام کرنے والے اب تک پریشانی (بھاگ دوڑ) میں ہیں کہ اس کو کس خاندان سے ملائیں۔ کچھ لوگوں نے اسے دراوڑی، جو سال ۱۸۷۳ء سے ہنری والٹر بیلیو کے ''سندھ سے دجلہ تک'' From

(Indus to Tigirs) سفرنامہ سے شروع ہوا، کہا لیکن براہوئی قوم کو آریائی نسل کہا گیا۔''

دراصل والٹر بیلیو کا سفرنامہ (From Indus to the Tigirs) ۱۸۷۳ء میں نہیں بلکہ ۱۸۷۴ء میں Trubner and Co, 57,59 Lud Gate Hill London نے چھاپا اور Ballantyney and Co, Edirburg and London سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے آخر میں Appendix کے عنوان سے ۴۷۳ سے ۴۹۳ صفحات تک بعنوان "Synoptical Grammar and Vocabulary of the Brahoi Language" ایک اہم ضمیمہ شامل ہے۔ والٹر بیلیو اپنی مذکورہ کتاب میں براہوئی زبان اور نسل کے متعلق مشترکہ طور پر تحریر کرتا ہے کہ:

> "They (Brahoes) differ from the Afghan, Baloch, and Jat of Sindh, by whom they are surrounded, in general physique and physiognomy as well as in language. Their manners and customs, too, are said to differ in many respects from those of the people around them.........
> The Brahoe language differ entirely from that of the Afghan, the Baloch, and the Jat, though it contains many Persian and Indian words. The numerals are the same as the Persian, except the first three, which are asit, irat, musit, respectively, but the pronouns are entirely different, and bear no resemblance to those of the other languages; the forms of conjugation and declension, too, are distinct and peculiar..."(62)

بیلیو براہوئی گرامر کے نمونہ کے شروع میں رقمطراز ہے کہ:

> "This language is spoken throughout Balochistan as far west as kej, panjgur, and Jalk, up to the borders of sistan, and is writte in the Persian character....."(63)

بیلیو کی مندرجہ بالا تحریر (یا ساری کتاب) میں کہیں بھی وہ الفاظ نہیں ملتے ہیں جن کو عزیز مینگل نے ان کی اس کتاب سے منسوب کیا ہے۔

ایم بی ایمینیو جو براہوئی زبان اور نسل کے متعلق مختلف تحریروں کا بغور اور محتاط مطالعہ کرنے والے ماہر تھے، نے بھی بیلیو کے اس سفرنامہ کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے۔ اس نے بھی کہیں عزیز مینگل کے بیان یا لفظوں کی نشاندہی نہیں کی ہے۔ ایم بی ایمینیو تحریر کرتا ہے کہ:

> "In 1874 Henry Walter Bellew (Surgeon, Bengal staff Corps) published under the tittle "From the Indus to the Tigris" an accound of a journey made from Multan overland to Tehran in 1871-72 by an official British party. As an appendix (pp 473-493) he printed a short grammar and vocabulary of Brahui (spelled by him Brahoe). It is slightly fuller then Leech's grammar, but little better in quality; unlike Leech's work, it contain no texts. It writes of collecting his material in the territories of the Khan of Kalat and of testing them by reference to native in different parts of the countery, consequently, no dialectal ascription is possible. And the end he writes of comparing his data with that in Eastwick's" "Epitom of the Grammar of the Brahuiky, Balochy and Punjabi languages;" he must mean Leech's work. He apparently knew nothing of the discussions by Lassen and Caldwell.........."(64)

براہوئی زبان کو پہلی بار کس نے کس سن میں، کیسے اور کیوں دراوڑی قرار دیا؟ ان سوالات کے جوابات کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے صرف ایم بی ایمینیو کی حسب ذیل اہم تحقیقی تحریر پر اکتفا کرتے ہیں، جس میں سارے سوالات کے جوابات موجود ہیں۔ (مزید تفصیل کے لیے چوتھا باب ملاحظہ ہو۔) ایم بی ایمینیو رقمطراز ہے کہ:

"The first account of the language dates from 1838, (R. Leech, an English army officer who was a member of a mission to Kabul). This account was publish in the "Journal of the Asiatic Society of Bengal" and was analyzed by the early German indologist Christian Lassen in 1844 in an article in "Zeitschrift fur die Kunde des Morgenlandes"............ He recognized that it had numerals and pronouns a kin to those of Tamil, Kannada and Telugu, and printed out the need for further comparison. Robert Caldwell (Later Bishop Caldwell), in his epoch, making establishment of the Dravidian family in "A Comparative Grammar of the Dravidian or South Indian Family of languages" (1st ed: 1856), was rather equivocal about Brahui in the second edition of 1875 and the third edition of 1913, not calling it outright a Dravidian language but writing of close "analogies between the Brahui and the Dravidian languages,.......for the reason that "The Dravidian element contained in it bears but a small proportion to the rest of its component elements.".........

Further material published in Karachi in 1877 was utilized by Ernest Trumpp in a Study of the language published in 1880 (sitzungsberichte of the Bararian Acadmy of Sciences). He found Brahui to be a Dravidian language without any of Caldwell qualifications. Since 1880, then, Brahui has been accepted as a Dravidian language....."(65)

ایم بی ایمینیو کی مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ عزیز مینگل نے جو والٹر بیلیو کی کتاب سے جو بات منسوب کی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بیلیو نے براہوئی کو دراوڑی الاصل زبان قرار دینے کا کہیں بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔

۵۔ عزیز مینگل ایک جگہ، سندھی اور براہوئی زبانوں کے نامور ماہر لسانیات ڈاکٹر داد محمد خادم براہوئی کے حوالے سے رقمطراز ہے کہ:

''سندھی براہوئی بولی جو تقابلی جائزو'' ڈاکٹر داد محمد خادم بروہی، براہوئی اور سندھی زبانوں کا تقابلی جائزہ پیش کر سکتے ہیں، چونکہ سندھی بھی ایک آریائی زبان ہے اور اس طرح براہوئی زبان کو آریائی زبانوں کے خاندان سے جوڑنے کی ایک کوشش ہے......۔''(٦٦)

مندرجہ بالا تحریر میں عزیز مینگل کا یہ کہنا کہ ''سندھی بھی ایک آریائی زبان ہے۔اس لیے ڈاکٹر داد محمد خادم بروہی نے ''سندھی بروہی بولی ءَ جو تقابلی جائزو'' کتاب لکھ کر براہوئی زبان کو مبہم انداز میں آریائی قرار دیا ہے''۔دراصل عزیز مینگل نے نہ سندھی زبان پر جدید لسانیاتی تحقیق اور نہ ہی ڈاکٹر خادم کی کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔اس کے یہ دونوں خیالات بے بنیاد ہیں کیونکہ ڈاکٹر داد محمد خادم براہوئی نے اپنی مذکورہ کتاب میں کہیں بھی براہوئی زبان کو آریائی قرار دینے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ڈاکٹر داد محمد خادم براہوئی کے اصل الفاظ درج ذیل ہیں:

''براہوئی زبان کے متعلق جن ماہرین لسانیات نے نظریے پیش کئے ہیں ان میں اکثر کا خیال ہے کہ براہوئی زبان درحقیقت دراوڑی زبان سے تعلق رکھتی ہے۔جس میں براہوئی، تیلگو، تامل، کنڑی اور ملیالم زبانیں شامل ہیں۔جیسا کہ دراوڑی زبانیں ایک قدیم گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔جب ہم براہوئی زبان کی قدامت اور اہمیت کے متعلق غور کرتے ہیں تو ماہرین لسانیات اس زبان کو وادی سندھ کی اہم زبان اور اس کے بانیوں سے قرار دیتے ہیں۔''(٦٧)

سندھی زبان کی بنیاد پر جدید تحقیقات کے مطابق سندھی زبان پاکستان کی مقامی زبانوں کی ماں یعنی (Parent Language) ہے۔یعنی سندھی ایک پروٹو دراوڑی زبان ہے جس سے

جدید دراوڑی، براہوئی اور دوسری زبانیں پیدا ہوئی ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر الانا دعویٰ کرتا ہے کہ:

"From a comparative study of the examples and the arguments given above, it can be concluded that:

i: The spoken language of the Indus valley (Mohen-jo-Daro and Harappa) was a non-Aryan and Proto-Dravidian language which has its origin in the civilization of the Indus valley.

ii: The Proto-Dravidian language of the Indus valley was a branch of Saindhui (سئندھوئی) langauge and it was the parent of old Dravidian languges.

iv: As a resuilt of the influence of various races on the Indus valley the language of Indus valley was divided into various groups and sub-groups of Saindhui family of languages Sindhi, lahndi (may be called Saindhva) and proto-Dravidian were also major groups of the main language, commonly spkeon by the Indus valley people..."(68)

ڈاکٹر غلام علی الانا اپنی دوسری کتاب میں واضح طور پر تحریر کرتا ہے کہ:

''آریاؤں کے آنے سے قبل، برصغیر میں سئندھوئی زبان اور اس کے محاورے بولی جاتی تھیں اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ سندھ وادی میں آریاؤں کے آنے سے بہت قبل سئندھوئی نامی کوئی غیر آریائی زبان اور اس کے محاورے بولے جاتے تھے، اس دعویٰ کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ موہن جو دڑو کی تہذیب کی وہ قدیم زبان، سندھ سرزمین اور ''سندھ دریا'' کے نام کی وجہ سے ''سئندھوئی'' کہلاتی تھی۔

سندھ وادی کی وہ قدیم سئندھوئی زبان، دس بڑی شاخوں/محاوروں پر مشتمل تھی، وہ شاخیں یہ ہیں، سئندھوئی شاخ، لہندی شاخ، مشرقی شاخ، وسطی شاخ، مغربی شاخ، جنوب مشرقی شاخ، قدیم دراوڑی (Proto-Dravidian) شاخ، براھوئی (براہوئی)، کشمیری اور مغربی شاخ......۔''(۶۹)

الانا سندھی زبان کو قدیم ''سئندھوئی'' قرار دیتا ہے اور اس سے قدیم دراوڑی اور براہوئی زبانوں کو مشتق قرار دیا ہے (اس کے لیے باب چہارم پڑھیے)۔ البتہ اس وقت تک سندھی زبان دراوڑی الاصل تسلیم کی جا چکی ہے۔ براہوئی زبان کی بنیاد کے متعلق اس کا نظریہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

باب دوم

براہوئیوں کے خلاف سیاسی اور علمی سازشوں کا تنقیدی اور تحقیقی جائزہ۔۔!

براہوئی کو عرصہ سے ایک سازش کے تحت غیر دراوڑ یعنی بلوچ، آریا، سھتین (تورانی) اور عرب قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ کام ۱۹۳۱ء سے تاحال جاری ہے۔ جب سے براہوئیوں کو بلوچی سیاسی تحریک میں جوتا اور ہانکا جارہا ہے تب سے بتدریج براہوئیوں کی قومی تاریخ، افرادی قوت، ثقافتی امارت اور تہذیبی ورثہ بلوچوں کے نام منتقل کیا جارہا ہے۔

براہوئی حکمرانوں کا خود کو براہوئی کہنا

۱۹۳۱ء سے پہلے براہوئی قوم کی حکومت بننے تک براہوئی عوام اور حکمران اپنے آپ کو نہ صرف براہوئی کہلواتے تھے بلکہ بلوچ کے برعکس ''براہوئی'' ہونے پر فخر بھی کرتے تھے۔ یہ ثبوت اور شواہد آس پاس کی ہمسایہ حکومتوں کی تاریخی دستاویزات اور براہوئی لوک شاعری سے ملتے ہیں۔ جن میں ان کو براہوئی یا بروہی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

دستیاب تاریخی شواہد کے مطابق براہوئی حکومت میر میروثانی (۳ مارچ ۱۴۱۰ء - ۱۲ دسمبر ۱۴۴۰ء) سے شروع ہوتی ہے۔ میرو کا بیٹا میر عمر (۱۸ جون ۱۴۶۰ء - ۲۹ جنوری ۱۴۸۵ء) نغاڑ (سوراب) میں ''براہوئی حاکم'' کے طور پر مشہور و معروف ہوا۔ انھوں نے جدگالوں سے کئی لڑائیاں لڑ کر ان کے علاقوں کو فتح کیا۔ اس دور میں نہ بلوچ کا ذکر ملتا ہے اور نہ ہی براہوئی حکومت کی فتوحات میں ان کا کوئی کردار یا حصہ نظر آتا ہے۔ اس کے بعد میر بجار (۲۳ دسمبر ۱۵۱۲ء - ۲۸ جنوری ۱۵۳۷ء) ''براہوئی حاکم'' بنا تو اس نے اپنے باپ کے قاتل جلب چھٹا جدگال (۲۹ جنوری

۱۴۸۵ء - ۲۳ دسمبر ۱۵۱۲ء) کے خلاف لڑائیوں کا سلسلہ شروع کیا۔ آخر کار فتح یاب ہوا۔ ان لڑائیوں کا بعد کے بلوچی اشعار میں بھی ''براہوئی جدگال جنگ'' کے عنوان سے ذکر موجود ہے جو ۳۲۲ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی ہے جسے سی ایف منچن نے انگریزی ترجمہ کے طور پر ہمیشہ کے لیے محفوظ کیا ہے۔ جس میں قلات کے حکمران اور میر بجار یا اس کے آباؤ واجداد کو ''براہوئی'' کہا گیا ہے۔ ایک دو اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہوں:

☆ Those days when Nighar, the abode of Omer, son of Miro, was (cool) at the sun's zenith;
☆ When Omer and Mahnaz (his wife) were living in a cool house with a wind-coatcher;
☆ When Malik Bijjar Khan of a thous and endearments was bor;
☆ In those days was Omer at the Zenith of his power:
☆ The whole world was aware of the might of Omer, son of Miro:
☆ He was the Chief of the tribes and champion of the nomad encompments:
☆ To all the **Brahui** tribes he was an iron fence of safety.........."(1)

آخوند محمد صدیق جنھوں نے ''براہوئی قوم کی تاریخ''، ''اخبار الابرار'' کے نام سے ۱۸۵۸ء میں فارسی میں لکھی۔ اس میں انھوں نے میر بجار براہوئی کا جدگالوں کے خلاف لشکر جمع کرنے کے دوران انھیں صرف ''براہوئی'' لکھا ہے۔ وہ تحریر کرتا ہے کہ:

''دیگر اقوام براہوئی کہ در کوہ ہائے متفرق شدہ بودند۔ ہمراہ میر بجار و سیاہی نام رئیسانی جمع شدند......'' (۲)

ترجمہ: ''براہوئی قبائل جو پہاڑوں میں منتشر ہو چکے تھے، میر بجار اور رئیس سیاہی کے پاس جمع ہوئے۔''

میر بجار براہوئی نے جب جدگالوں اوران کے علاقوں پر فتح حاصل کی تو وہ ان مفتوحہ علاقوں کو صرف براہوئی قوم کے قبیلوں میں تقسیم کرتا ہے۔ جنھوں نے جدگالوں کے خلاف لڑائی میں مدد اور قربانیاں دی تھیں۔ ان قبائل میں رئیسانڑی، بزنجو، نوشیروانی، سیاہ پاد، احمدزئی، قمبر انڑی، گرگناڑی، مینگل، میرواڑی، ساسولی، زرکزئی، محمد حسنی، سمالاڑی، لانگو، سرپرہ اور دوسرے شامل تھے۔(۳) ان قبائل میں ایک بھی بلوچ قبیلہ یا ذات شامل نہیں ہے۔

میر احمد خان (سوئم) (۲۶ جنوری ۱۶۶۶ء - ۱۵ نومبر ۱۶۹۵ء) براہوئی حاکم مقرر ہوتا ہے تو وہ بھی اپنے آپ کو براہوئی کہتا ہے اور ہمسائیہ حکومتوں یعنی سندھ اور سبی کے تاریخی ماخذات اور دستاویزات میں براہوئی شمار کیا گیا ہے۔ انھوں نے سبی کے باروزئی حاکموں کے خلاف اٹھارہ جنگیں لڑیں اور فتحیاب ہوا۔ سبی کے باروزئی خاندان کے مؤرخ ملا فاضل محمد نے لکھا ہے کہ:

''حالات جنگ ہا مابین براہوئی و باروزئی کا اٹھارہ دفعہ فیما بین دونوں کے جنگ ہوئی۔ سترہ دفعہ باروزئی اور ایک دفعہ براہوئی نے فتح پائی اور آخر کار رشتہ داری ہونے سے صلح ہوئی......'' (۴)

ڈوکی سردار کے پاس ''دفتر بلوچاں'' یا ''دفتر شعر'' یعنی بلوچ قوم کے قبیلوں کا شجرہ نسب موجود ہے، اس میں بھی میر احمد خان (سوئم) کا نام ''میر احمد خان قمبرانی براہوئی'' جلی حروف میں درج ہے۔(۵)

سندھ میں کلہوڑا خاندان، مغلوں کے خلاف سندھ کی حکومت حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگا ہوا تھا۔ میاں دین محمد کلہوڑہ (۱۶۹۲ء میں سجادہ نشین ہوا) نے مغل فوج کے خلاف لڑائیاں لڑیں۔ جس میں امیر شیخ جہاں مارا گیا۔ پھر اللہ یار خان حاکم بکھر، مغل فوج کی مدد کو پہنچا۔ وہ بھی جان بچا کر بھاگ گیا۔ ملتان کے مغل حاکم نے میر احمد خان (سوئم) براہوئی کو کلہوڑوں کے خلاف مدد کی اپیل کی۔ اس نے اپنے بیٹے قمبر خان کو سندھ روانہ کیا۔ سندھ کی سموری تاریخی کتب اور معاصر تاریخی دستاویزات میں قمبر خان کا نام ''میر قنبر بروہی'' درج ہے۔(۶) اور اسے بلوچ نہیں کہا گیا ہے۔ میر احمد خان کا ایک براہوئی قول براہوئی قوم میں مشہور ہے کہ:

''براہوئی ناہیت کاٹم تون ئے۔ کاٹم کاءِ ہیت ھنپ'' (۷)

یعنی: براہوئی کا قول اس کے سر پر بندھا ہوتا ہے سر جائے مگر قول نہ جائے۔

میر احمد خان (سوئم) براہوئی کا یہ قول آج بھی براہوئی قوم میں مشہور و معروف ہے اور ہر براہوئی آزادانہ طور پر استعمال کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (میر احمد خان سوئم) خود کو باقاعدہ براہوئی کہلوانے پر فخر محسوس کرتا تھا۔

میر احمد یار خان براہوئی، جو براہوئی قوم کا آخری حاکم تھا، نے کئی کتابیں اپنے نام سے لکھوائیں۔ ان کتابوں میں ''براہوئی'' لفظ کے بدلے ''بلوچ'' لفظ درج کروایا۔ اس طرح میر احمد خان (سوئم) کے قول میں انھوں نے براہوئی کے بدلے بلوچ لکھوایا ہے:

''بلوچ کے قول کے ساتھ اس کا سر بندھا ہوتا ہے۔ سر جائے مگر قول نہ جائے۔''

اس خان نے براہوئی کہلوانے کے برعکس کیوں بلوچ کہلوایا؟ بحث آگے آئیگی۔

احمد خان (سوئم) کے بعد میر سمندر خان براہوئی (۱۵ اکتوبر ۱۶۹۷ء - ۱۰ دسمبر ۱۷۱۴ء) حاکم مقرر ہوا۔ اس کے دور میں میاں یار محمد کلہوڑہ اہل وعیال کے ساتھ قلات میں پناہ لینے آیا۔ میاں یار محمد کلہوڑہ نے ایک خط ۱۷۰۰ء میں اپنے ایک رشتہ دار کو لکھا۔ جس میں قلات کے حاکموں اور میر سمندر خان کو ''براہوئی'' لکھا ہے۔ یہ خط آج بھی دستاویز کی صورت میں موجود ہے۔ اس خط کے شروعاتی جملے درج ذیل ہیں:

''حالات کہ در ہنگامہ بے توجہی بندگاہ حضور قدسی ظہور دیدہ وَ آوارگی ہا کہ در کوہستانی کشیدہ وزہرہا کہ از دست بروہی چشیدہ تادم واپس از یاد نخواہد رفت بروہی یک چند کہ ایں مشت پراگندہ رانز خود جائی داد بود......'' (۸)

عبداللہ خان براہوئی (۲۰ ستمبر ۱۷۱۶ء - ۱۱ فروری ۱۷۳۱ء) براہوئی قوم کا حاکم ہوا۔ جو براہوئی قوم کی تاریخ میں شہباز کوہستان، عقاب کوہستان، عبداللہ خان قہار، شیر براہوئی کے نام سے معروف ہوا۔ عبداللہ خان براہوئی نے قندہار پر دوسرے حملے کے دوران قندہار جاتے ہوئے ایک جگہ پر کیمپ لگایا۔ رات کے وقت اپنے سرداروں اور فوجیوں سے حملے کی حکمت عملی طے کرنے کے لیے ایک عام مجلس (مُچی) منعقد کی۔ اس مجلس کے دوران کچھ مشغلہ بھی ہوا۔ کسی سردار نے خان عبداللہ خان سے پوچھا کہ ''براہوئی قوم کے لوگوں کی جنگی خصوصیات کیا ہیں؟'' تو عبداللہ خان نے مسکرایا پھر تھوڑی دیر بعد شاعرانہ انداز میں براہوئی زبان میں براہوئیوں کی جنگی خصوصیات بتاتے ہوئے کہا کہ:

''ٹھپُّر نا ٹوپ شال ئنا قوُص ءِ تا
ہراتم زغم ءِ کشار گُرڈا گُھوس ءِ تاـ''(۹)

ترجمہ: ٹھپر کی ٹوپی اور شال کی قمیص ہے ان کی۔ جب تلوار نکالتے ہیں تو پھر گھمسان کی جنگ لڑتے ہیں۔

جیسا کہ عبداللہ خان نے باقاعدہ براہوئی یا کسی اور زبان میں کبھی بھی شاعری نہیں کی۔ کیونکہ اس کی ساری زندگی ہمیشہ میدان جنگ اور دشمن سے برسرِ پیکار رہنے میں گزری۔ اس کی طبیعت میں ہمیشہ جنگیں لڑنا' دشمن سے میدان جنگ میں مقابلہ کرنا اور اس پر فتح حاصل کرنا تھی۔ کبھی کبھار مزاحاً یا سنجیدہ اوقات میں براہوئی زبان میں کچھ محاورے اور شاعرانہ جملے یا فقرے کہتا تھا۔ کچھ قلمکاروں نے عبداللہ خان براہوئی کے نام بلوچی شاعری منسوب کی ہے مثلاً:

''کوہنگ ءِ کوہین ءَ قلات
کسّ ءِ پت ءِ میراث نہ اِنت
ماپہ سگاراں گپتگن ......!

تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ یہ اشعار عبداللہ خان قہار براہوئی کے نہیں ہیں بلکہ ماضی قریب کے کسی بلوچ شاعر کے ہیں اور شعر کو قصداً عبداللہ خان براہوئی کے نام سے منسوب کیا گیا ہے کہ اس کے براہوئی قومی تشخص کو بلوچ میں تبدیل کیا جائے اور لوگوں کو باور کرایا جائے کہ عبداللہ خان براہوئی خود کو بلوچ کہلواتا تھا۔ اسی لیے ان لوگوں نے ان سے درج بالا بلوچی شعر منسوب کیا ہے۔(۱۰) بابائے براہوئی حضرت نور محمد پروانہ براہوئی' عبداللہ خان براہوئی سے منسوب اس بلوچی شاعری کے حوالے سے تحریر کرتا ہے کہ:

''کچھ بلوچ ساز براہوئی ٹکسال اعلیٰ حضرت خان عبداللہ خان شہباز و فاتح کوہستان شہید سے ایک شعر ''کوہنگ ءِ قلات'' منسوب کرتے ہیں مگر اس کی بھی میر مٹھا خان مری جیسے جید بلوچ عالم' مستند دانشور و محقق نے واضح تردید کرتے ہوئے اس شعر کو ایک بلوچ شاعر (غالباً رحم علی مری مرحوم) کا قرار دیا ہے اور دلیل میں مکمل شعر کا تذکرہ کیا ہے......ـ''(۱۱)

فقیر اللہ شاہ علوی (۱۱۰۰ھ/۱۱۹۵ھ) اپنے دور کے نامور عالم دین' بزرگ اور ولی اللہ ہو گزرے ہیں۔ جن کا مزار شکار پور میں آج بھی عوام کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے وہ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۸ء میں حج کی سعادت حاصل کرنے گئے۔ اُن دنوں مکران (بلوچستان) میں ذگری فرقہ میں غیر اسلامی رسومات اور عقائد زوروں پر تھے۔ اس لیے فقیر اللہ شاہ علوی نے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۲ھ/۱۹ اپریل ۱۷۴۸ء بروز بدھ حضور کونین ﷺ کے مزار مبارک کے سامنے کھڑے ہوکر ذگریوں کو دینِ اسلام کے راستے پر عمل کرنے کے لیے ایک قصیدہ پڑھا۔ اور ان کو ہدایت کے لیے دعا کی۔ قصیدہ پڑھنے کے بعد اس پر الہام وارد ہوا یعنی حضور کونین ﷺ نے اسے خواب میں دیدار کروا کے کہا کہ ذگریوں پر ''**عبداللہ خان براہوئی قلاتی**'' کی اولاد کے توسط سے غلبہ ہوگا۔ پھر انھوں نے ایک خط عبداللہ خان براہوئی کے بیٹے میر محبت خان براہوئی کے نام لکھا اور اپنا مدعا پیش کیا۔ اس خط کا مختصراً اقتباس درج ذیل ہے۔

''این فقیر حقیر چوں در سنہ یک ہزار و یک صد و شصت و دو بتاریخ دوازدہم۔ جمادی الاولیٰ مدینہ منورہ رسید در مواجہت حضرت سر اللہ الاعظم علیہ الصلوٰت والسلام قصیدہ مبرورہ کہ آن را فقیر نظم کردہ است میخواند و استغاثہ می نمود و شفاعت از بارگاہ حضرت رسالت منزلت ﷺ میخو است و خیریت دارین طلب داشت درین ہنگام بر خاطر گذشتہ کہ اگر غلبہ اسلام بر طائفہ بلوچاں الکائی کیچ و مکران کہ داعی مذہب اند اگر صورت گیرو چہ عجب و خوب خواہد بود تا این طائفہ از مذہب شنیع خود برکردند و اسلام قبول کنند درین اثناء الہام وارد شد کہ غلبہ اسلام بر طائفہ مذکورہ بتوسط اولاد عبداللہ خان **براہوئی قلاتی** خواہد بود ....فتح و ظفر یافتن بر طائفہ داعی مذہب بر اولاد عبداللہ خان **براہوئی** موقوف داشتہ اندین......ـ''(۱۲)

ترجمہ: یہ فقیر ایک سو باسٹھ ہجری بارہ جمادی الاولیٰ کو مدینہ منورہ پہنچا اور حضور ﷺ کے مزار اقدس (مواجہ) پر اپنا نام لکھا ہوا ایک قصیدہ پڑھا اور حضور ﷺ کی بارگاہ سے مدد شفاعت اور دین و دنیا کی خیریت مانگی۔ اس وقت میرے دل میں

خیال آیا کہ اگر کیچ مکران کے رہنے والے علاقہ کے وہ بلوچ جو داعی (ذگری) مذہب رکھتے ہیں ان پر اسلام کا غلبہ ہو تو کتنی اچھی بات ہے تا کہ یہ گروہ اپنے بیہودہ (گندے) مذہب کو چھوڑ دے اور اسلام قبول کرے۔ اسی اثناء (دوران) میں الہام وارد ہوا کہ اس گروہ پر اسلام کا غلبہ عبداللہ خان براہوئی قلاتی کی اولاد کے ذریعے ہوگا اور ان پر ظاہر کیا کہ داعی (ذگری) مذہب پر اسلام کا غلبہ عبداللہ خان براہوئی کی اولاد پر منحصر رکھا گیا ہے............''

فقیر عبداللہ شاہ علوی کے اس خط سے کچھ باتیں واضح ہوتی ہیں کہ:

۱۔ عبداللہ خان براہوئی، براہوئی قوم اور پاکستان کا وہ واحد حاکم ہے جس کا پورا نام سرورِ کونین ﷺ کے زبان مبارک پر آیا ہے۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ نے عبداللہ خان براہوئی کو بلوچ کے برعکس ''براہوئی'' کہا ہے اگر عبداللہ خان 'بلوچ' ہوتا تو حضور اکرم ﷺ ضرور اسے براہوئی کے برعکس بلوچ کہتے۔ چونکہ وہ اصل میں براہوئی تھا اس لیے اسے براہوئی ہی کہا گیا۔

۳۔ ''براہوئی قوم'' وہ واحد خوش نصیب قوم ہے جس کا قومی نام یعنی ''براہوئی'' بذات خود حضور اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا ہے۔

عبداللہ خان براہوئی کا اپنے دور کے آخر میں کچھی کے معاملے پر سندھ کے کلہوڑہ حاکم میاں نور محمد کلہوڑہ سے بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں وہ خود اپنے سات سو جانباز براہوئی سرفروشوں کے ساتھ جاندریھڑ کے مقام پر شہید ہوئے اور مہر گڑھ سے سنی شوران جاتے ہوئے دو کلومیٹر کے فاصلے پر گراڑی کا قبہ (ضلع کچھی) کے نام سے مشہور قبرستان میں دفن ہے۔

اس واقع پر غلام علی آزاد بلگرامی نے ایک قطع کہا۔ جس میں ''قوم بروہی'' کے الفاظ نمایاں ہیں۔ کیونکہ عبداللہ خان براہوئی ''براہوئی قوم'' کا حاکم تھا۔ اس کی شکست درحقیقت ''براہوئی قوم'' کی شکست تھی۔ اس لیے بلگرامی نے عبداللہ خان کے نام کے برعکس ''قوم بروہی'' کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ قطعہ ملاحظہ ہو:

خدایا بہادر خان ذیشان — کہ سایہ بر درش اقبال تارک
شکست آورد بر قومِ بروہی — مظفر شد بہ شمشیر پلارک
خطا بش ''خان ثابت جنگ'' آمد — ز شاہ سایہ ایزد تبارک
برسم تہنیت تاریخ گفتم
''خطابء عمدہ سلطان مبارک''(۱۳)

عبداللہ خان کے بعد اس کا بیٹا میر محبت خان براہوئی (۱۱ فروری ۱۷۳۱ء - ۱۸ اپریل ۱۷۳۲ء دوسری بار ۲۱ اگست ۱۷۳۶ء - ۱۹ اگست ۱۷۴۹ء) میں براہوئی حاکم ہوا۔ اس کے دور میں نادر شاہ افشار نے ۱۷۳۹ء کو سندھ کے حاکم میاں نور محمد کلہوڑہ پر حملہ کر کے اسے گرفتار کیا اور لاڑکانہ لے آیا۔ اِدھر قلات سے افشار نے میر محبت خان براہوئی کو بلوایا۔ اس دوران نادر شاہ اور براہوئی حاکم کے مابین جو بات چیت ہوئی اور براہوئی حاکم نے جو الفاظ اور جملے کہے وہ براہوئی قوم کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

''پادشاہ نمودند میاں نور محمد کلہوڑہ را بجائے میر محبت خان فرستاد کہ میاں نور محمد را کشتہ و ملک سندھ را بدست خود نمائید کہ وعدۂ کہ ہمراہِ والدۂ شما بادشاہ فرمودہ بود۔ بر حال گردود میر محبت خان گفتہ فرستاد کہ ما براہوئی گاہے آدم دستگیر را نکشتہ ایم۔ بر ما براہوئی ایں حرف عیب است و سندھ را نمے گیریم کہ گاہے خراج نہ دادہ ایم و ملک تمام کچھی و سیوی را در خون عبداللہ خان پادشاہ رقم کردہ بہ میر محبت خان داد پس......۔''(۱۴)

ترجمہ: بادشاہ نے میاں نور محمد کلہوڑہ کو میر محبت خان کے حوالے کیا اور کہا کہ میاں نور محمد کو قتل کر کے سندھ کو اپنے قبضہ میں کریں تا کہ جو وعدہ بادشاہ نے تمہاری والدہ سے کیا ہے وہ پورا ہو۔ میر محبت خان نے جواب دیا کہ ہم براہوئی قیدی شخص کو قتل نہیں کرتے۔ ہم براہوئیوں کے لیے یہ عیب ہے اور سندھ کو ہم نہیں لیں گے کہ ہم نے خراج نہیں دیا ہے۔ تب علاقہ کچھی اور سیوی کو بادشاہ نے رقم کر کے عبداللہ خان کے خون بہا میں میر محبت خان کو دیا۔''

میر محبت خان کے ان جملوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ خود کو ''براہوئی'' کہلاتے تھے۔ اگر وہ خود کو تھوڑا سا بھی ''بلوچ'' تصور کرتے تو ''ما بلوچ'' یا ''بر ما بلوچ'' کے الفاظ استعمال کرتے چونکہ وہ ''براہوئی'' تھے۔ اس لیے انھوں نے خود کو بڑے فخر سے ''براہوئی'' کہا۔ جیسے رائے بہادر ہتو رام لکھتے ہیں:

''علاقہ کچھی کا عیوض خون بہا عبداللہ خان کے بحکم نادر شاہ بادشاہ قندھار حاکمان سندھ کلہوڑہ سے ملا تھا بروقت مقتولی عبداللہ خان کے بہت اولس یعنی بقدر سات صد نفری براہوئی کا بھی جنگ میں کام آیا تھا اس واسطے زمین کچھی سے بقدر حیثیت نقصان جان و خدمات کے سرداران براہوئی کو حصہ دیا گیا تھا......'' (۱۵)

میر محبت خان براہوئی نے کچھی کا علاقہ اپنے باپ اور سات سو براہوئی شہیدوں کے قتل کے بدلے میں لے کر جن قبائل میں تقسیم کیا وہ سب کے سب براہوئی قوم کے قبیلے ہیں۔ جن براہوئی قبائل کو اراضی ملی اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر	قبیلہ	موضع/علاقہ
۱۔	رئیساڑی	مٹھڑی
۲۔	رودینی/سرپرہ (طائفہ رودین زئی)	تاج
۳۔	شاہواڑی	حاجی شہر اور ایری
۴۔	محمد حسنی	گوگڑو
۵۔	لہڑی	ہانبی، پیچو (بھاگ کے قریب)
۶۔	محمد شہی	زرداؤ، ڈنڈور
۷۔	بنگلزئی	گلنڑ (بالاناڑی) چندھر (دیھ باران) اور دو گاؤں داد گرانی اور داڑھ بدوزئی شوران کے قریب ملے۔
۸۔	زرکزئی (زہری)	گاجان کا کچھ حصہ
۹۔	لانگو	بگڑا (بھاگ ناڑی)
۱۰۔	گُرد	میر باغ (ڈھاڈر)، ٹارکری (بالاناڑی)

نمبر	قبیلہ	موضع/علاقہ
۱۱۔	سرپرہ	گوگڑو کا کچھ حصہ اور تاج
۱۲۔	ذگر مینگل	لاکھتی کا کچھ حصہ
۱۳۔	مینگل (شاہی زئی و پہلوانزئی)	موضع چھتر پھلیجی محمد حسنی اور ہارونی کوا کھٹے
۱۴۔	بزنجو	بشکو اور کچھ حصہ بھاگ ناڑی میں
۱۵۔	موسیانی	پٹھان
۱۶۔	جتک	راہوجا جتک
۱۷۔	سمالاڑی	والُو وا (مٹھڑی کے قریب)
۱۸۔	پندراڑی	راہوجا، رحیم خان اور تحصیل میر پور، غازی، لانڈھی
۱۹۔	قمبراڑی	کمال اور خانو کا حصہ
۲۰۔	نیچاری	راہوجا جان محمد
۲۱۔	ساتکزئی	ٹکری (بالاناڑی) (۱۶)

بلوچ، براہوئی قوم کی رعایا بنی

یہاں اس اہم غیر حقیقی بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ڈومبکی سردار کے ہاں ''دفتر شعر بلوچی/بلوچاں'' (قلمی نسخہ) میں عبداللہ خان براہوئی کے ساتھ سات سو براہوئی سرفروشوں کے شہادت کے واقعہ میں بلوچوں کی شہادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا گیا ہے کہ:

''دریں ایام سردار براہوئی میر عبداللہ خان بود و میر عبداللہ خان بر ملک کچھی بہمراہ کلہوڑہ جنگہا نمود و بلوچ و براہوئی ہر دو متفق شدہ بہ عبداللہ خان یکجا شدند و در جنگ تعداد ہفت صد مردمان از بلوچ و براہوئی بہمراہ میر عبداللہ خان بقتل رسیدند......'' (۱۷)

اس بیان سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ خود بلوچوں کی تاریخی روایات میں قلات کے حاکموں اور میر عبداللہ خان کو ''براہوئی قوم'' کا باشندہ تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ''بلوچ'' لفظ اس قلمی نسخہ میں بعد میں درج کیا گیا ہے۔ اگر سات سو کی ''براہوئی

فوج‘‘ میں کوئی ایک بھی بلوچ سپاہی شہید ہوتا تو میر محبت خان براہوئی ضرور کچھی کی اراضیات میں سے کچھ ان کے لواحقین کو دے دیتا چونکہ سب کے سب براہوئی قوم کے بہادر نوجوان تھے اور ان ہی کے ورثاء کو کچھی میں اراضی ملی۔

بابائے براہوئی، عبداللہ خان براہوئی کے شہادت کے واقعہ میں ایک بھی بلوچ کی موجودگی کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ انھوں نے بلوچوں کو براہوئیوں کا مخالف اور قاتل قرار دے کر کلہوڑوں کا ساتھی قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

> کچھی میں عبداللہ خان شہباز کوہستان نے کلہوڑہ حکومت کے خلاف جتنی لڑائیاں لڑیں، ان میں رند، ڈومکی اور مگسی وغیرہ بلوچ قبیلوں نے کلہوڑہ حکومت کا ساتھ دے کر باروزئی، پٹھان وغیرہ کلہوڑہ حکومت کے امیروں کی قیادت میں براہوئیوں سے لڑ کر داد شجاعت پائی تھی۔ اس طرح گویا کہ ان جنگوں میں براہوئی، بلوچوں کے اور بلوچ براہوئیوں کے قاتل رہے ہیں..... (۱۸)

بابائے براہوئی کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ بلوچوں کا جتوئی قبیلہ، کلہوڑوں کے ساتھ مل کر عبداللہ خان براہوئی کے خلاف لڑے تھے۔ اس سلسلے میں ایک محقق لکھتا ہے کہ:

> ’’جتوئی کلہوڑوں سے مل کر میر عبداللہ خان قلات کے خلاف لڑے......‘‘ (۱۹)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عبداللہ خان براہوئی کا کلہوڑوں کے خلاف لڑائی میں ایک بھی بلوچ، براہوئی حاکم کی طرف سے نہیں لڑا بلکہ اس کے برعکس سارے بلوچ قبائل کلہوڑوں کے ساتھ مل کر براہوئیوں کے خلاف لڑے اور عبداللہ خان براہوئی کو شہید کیا۔ ڈومکی سردار کے ’’دفتر شعر‘‘ کے مطابق عبداللہ خان براہوئی کی طرف سے کلہوڑوں کے خلاف جنگ میں ’’بلوچوں‘‘ کا مرنا حقائق کے منافی ہے کیونکہ ڈومکیوں کا بلوچوں سے منسوب قدیم بلوچی شاعری ’’دفتر شعر‘‘ میں ذکر ہی نہیں ہے اور وہ غیر بلوچ ہیں۔ بعد میں کسی ڈومکی شاعر نے ڈومکی قبیلہ کا نام ’’دفتر شعر‘‘ میں درج کر کے خود کو اعلیٰ تصور کروانے کی کوشش کی۔ جس طرح میر خدا بخش بجارانی مری لکھتے ہیں:

> ’’۱۸ اور ۱۹ ویں صدی کے شاعروں نے بھی اس نظم میں رد و بدل کرنے کی کوشش کی جس کا ثبوت یہ ہے کہ قبیلہ ڈومکی کے کسی شاعر نے اس قبیلہ کو رندوں میں اعلیٰ رتبہ دیا جو صریحاً غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ میر چاکر رند او گوہرام لاشاری کے دور میں جو بلوچ قبائل ان کے ساتھ تھے ان میں ڈومکی کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ چونکہ بلوچوں میں عام دستور ہے کہ ہر ایک فرد یا قبیلہ اپنے آپ کو رند بتانے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا ڈومکی شاعر نے بھی اسی جذبہ کے تحت اس قبیلہ کا نام ابتدائی قبائل میں شامل کر دیا۔ میر جلالھان کی سرکردگی میں جب ۴۴ مختلف قبیلوں نے سیستان اور پھر بعد میں مکران کی طرف کوچ کیا تو اس وقت موجود بہت سے دیگر قبائل مثلاً...... ڈومکی......وغیرہ کا ذکر نہیں ملتا۔ ان قبائل کی اکثریت کی تشکیل رند و لاشار کی فیصلہ کن جنگ کے بعد کے زمانوں میں ہوئی......‘‘ (۲۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈومکیوں کے ہاں موجود ’’دفتر شعر‘‘ قدیم نہیں بلکہ اُنیسویں صدی عیسوی کے بعد لکھی گئی ہے جس میں عبداللہ خان براہوئی کی طرف سے کلہوڑوں کے ساتھ جنگ میں بلوچوں کا ذکر درج کیا گیا ہے۔

ہتورام واضح طور پر کچھی کی اراضیات کو صرف براہوئی قوم کے قبائل میں تقسیم کرنے کا اشارہ دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

> ’’علاقہ کچھی کا عیوض خون بہا عبداللہ خان کے بحکم نادر شاہ بادشاہ قندہار، حاکمان سندھ کلہوڑہ سے ملا تھا۔ بروقت مقتولی عبداللہ خان کے بہت اولس یعنی بقدر سات صد نفری براہوئی کا بھی جنگ میں کام آیا تھا۔ اس واسطے زمین کچھی سے بقدر حیثیت نقصان جان و خدمات کے سرداران براہوئی کو حصہ دیا گیا تھا جو زمینات حصص براہوئی میں آئے ان سے خان صاحب کچھ مالیہ نہیں لیتے ہیں......‘‘ (۲۱)

دراصل عبداللہ خان براہوئی کے قتل کے واقعہ سے پہلے کچھی کا علاقہ سندھ کے جغرافیائی حدود میں تھا۔ جس پر مغل اور کلہوڑہ حکمرانوں کا دسترس تھا اس سارے علاقے میں آباد اقوام مع بلوچ، سندھ حکومت کے ماتحت تھے۔ جیسے کہ ایک مؤرخ تحریر کرتا ہے کہ:

''اول ملک..........کچھی.......... پر باروزئی افغان قابض ہوئے' بلوچ ان کے ماتحت ہوگئے۔ بعدان کے کلہوڑہ والئی سندھ کچھی پر قابض ہوا تب بلوچ ان کے ماتحت ہوئے......'' (۲۲)

ان حکومتوں کے دور میں بلوچ قوم کا براہوئی حکمرانوں سے کوئی سروکار نہ تھا جب کچھی کا علاقہ میر محبت خان براہوئی کو ملا تو تب سے پہلی مرتبہ اس علاقے کے اقوام مع بلوچ' براہوئی حکومت کے زیر سایہ آ گئیں اوران کی رعایا اور راج بن گئے۔ جیسے کہ ہتورام تحریر کرتا ہے کہ:

''جب کچھی کلہوڑہ سے خان براہوئی کو ملی تب بلوچ لوگ بھی ان کے ماتحت ہوگئے......۔(۲۳)

وہ آگے لکھتا ہے کہ:

''جب کچھی محبت خان کو مل گئی تھی تب سرداران بلوچ چنانچہ رند ومگسی ولاشاری و دیناری وڈومکی وغیرہ جو زیر تحت میاں صاحب کلہوڑہ کے رہتے تھے خان صاحب والئے قلات کے ماتحت ہوگئے......'' (۲۴)

اب بھی براہوئی سردار اورنواب اچھی طرح جانتے ہیں کہ بلوچ ان کی رعایا رہی ہے اور براہوئی ان کے حاکم تھے۔اس حوالے سے ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ جناب ذوالفقار علی بھٹو' سابق وزیراعظم پاکستان' ۷۰ کلفٹن کراچی کے اپنے بنگلے میں بلوچستان کے قبائلی عمائدین سے ملاقات کرر ہے تھے۔اس ملاقات میں چیف آف سراوان نواب غوث بخش رئیسانڑی شہید بھی تشریف فرما تھے۔

بھٹو صاحب' نسلاً ایک بلوچ سردار سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ آج کل براہوئی قوم کی اصل نسل کے متعلق بڑی بڑی باتیں ہو رہی ہیں۔اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟''

تو نسلاً بلوچ سردار نے بھٹو صاحب کے جواب میں کہا کہ ''جناب اس بات کا رئیسانڑی صاحب سے پوچھیں کہ جو سب سے بڑا براہوئی ہے''۔

بھٹو صاحب نے رئیسانڑی صاحب سے پوچھا کہ:

''آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

تو نواب رئیسانڑی صاحب یوں گویا ہوئے:

''بھٹو صاحب آپ خوامخواہ کج بحثی سے کام لے رہے ہیں میں اس بارے میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ براہوئی بلوچستان کے حاکم رہے ہیں اور دوسرے (یعنی بلوچ) اس کی رعایا تھیں......'' (۲۵)

اے ڈبلیو ہیوگز مریوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''مری' براہوئی خان قلات کی رعایا ہیں۔'' (۲۶)

یکم جنوری ۱۸۷۶ء کے دن قلات کے شاہی دربار میں ایک بڑی ''مُچی'' یعنی دربار لگا۔ جس میں نسلاً بلوچ اور براہوئی سرداروں کا براہوئی حاکم کے ساتھ تصفیہ کرنا مقصود تھا۔اس اہم دربار میں براہوئی حاکم میر خداداد خان براہوئی' انگریزوں کی طرف سے سر رابرٹ سنڈیمن' براہوئی قوم کے سرداروں کی طرف سے چیف آف سراوان ملا محمد خان رئیسانڑی' سردار نورالدین خان مینگل' سردار اللہ ڈنہ کرد' شادی خان بنگلزئی' سردار محمد سید خان محمد شہی' جندہ خان شاہواڑی' وغیرہ اور بلوچ تمنداروں میں سے امام بخش تمندار مزاری' جمال خان تمندار لغاری' سکندر خان تمندار کھوسہ' غلام حیدر خان تمندار لنڈ' میزن خان تمندار دریشک' محمد میسو خان ہتکانی' گامن خان سوتو تمندار مری' گھور خان سر تمندار بگٹی' نہال خان مقدم لوہارانی مری اور دوسرے شریک ہوئے۔اس دوران براہوئی حاکم نے فرمایا کہ:

''بجق سردار' مقدمان مری' سرداران ومقدمان مری قدیم سے تم ہمارا اولس اور راج ہو......(۲۷)

براہوئی حاکم کے جواب میں نہال خان مقدمان مری نے کہا کہ:

''تم ہمارے حاکم ہو' ہم تمہارے راج ہیں'' (۲۸)

اسی طرح بگٹی کو بھی براہوئی حاکم اپنی رعایا قرار دیا ہے۔ہیوگز لکھتا ہے:

''بگٹی......کو خان قلات......اپنی رعایا سمجھتا تھا......'' (۲۹)

براہوئی قومی حکومت کا معراج

۲۰ اگست ۱۷۴۹ء کو نصیر خان براہوئی قلات میں براہوئی حاکم بنا جو براہوئی قوم اور تاریخ میں ''خان اعظم خان نصیر خان نوری براہوئی'' کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ براہوئی انھیں اپنا ''عظیم خان''، ''عظیم ہیرو'' اور ''عظیم حاکم'' قرار دیتے ہیں۔ اس نے براہوئی حکومت کو نہ صرف مضبوط کیا بلکہ کئی علاقے فتح کر کے اپنی حکومت وسیع کی۔ جس کی وجہ سے اس کی حکمرانی کی طاقت افغانستان، ایران، ہندوستان، پنجاب، سندھ اور پشاور تک تسلیم کی جانے لگی۔

بہت سے اصلاً بلوچ مؤرخ خان نصیر خان اور اس کی حکومت کو براہوئی قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ ایک بلوچ قلمکار تحریر کرتا ہے کہ:

''نصیر نے براہوئی ریاست کو مستحکم بنیاد مہیا کی............اس کا دور خانی کا دور زریں اور براہوئی تاریخ کا نقطہ معراج تھا......۔'' (۳۰)

خان اعظم خان نصیر خان نوری براہوئی، خان بننے سے پہلے اس کے بھائی ایلتاز خان (جو ایک ماں سے تھے) کا میر محبت خان براہوئی (جو سوتیلی جتنی ماں سے تھا) سے حکومتی مسائل پر نزاع پیدا ہو گیا تو میر محبت خان نے ۱۷۳۳ء کے اواخر میں ان دونوں بھائیوں کو قلات سے مستونگ منتقل کیا۔ اس طرح نصیر خان اور ایلتاز خان اپنی ماں کے ساتھ مستونگ میں رہنے لگے۔ اس دوران میر نصیر خان نے ایک بندوق اپنے بڑے بھائی ایلتاز خان کو تحفے میں پیش کی۔ جس پر حسب ذیل الفاظ سونے کی سیاہی سے تحریر تھی۔

''تحفہ برائے برادرم میر ایلتاز خان براہوئی۔'' (۳۱)

خان اعظم نصیر خان نوری براہوئی جب حاکم بنے تو براہوئی قوم میں اسلامی شرعی نظام نافذ کرنے کا اقدام کیا۔ کیونکہ قلات کے اردگرد جھلاوان اور آس پاس کے براہوئیوں میں غیر اسلامی روایات اور رسوم رواج پا گئی تھیں۔ اس لیے انھوں نے ''**ہدایت نامہ براہوئی**'' کے نام سے ایک فرمان جاری کیا۔ جس کے شروعاتی جملے حسب ذیل ہیں۔

''حکم عالی شد آنکہ سرکردگاں و سائر مرد ماں ایلات **براہوئی** جھلاوان و مردم

سکنائے رودین جو و سوراب و گدر مشکے و نال وڈھ و خضدار و زیدی و کرخ و چکو باغبانہ و زہری و پندران وغیرہ......۔'' (۳۲)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خان نصیر خان ''ہدایت نامہ براہوئی'' میں درج شدہ علاقوں کے لوگوں کو براہوئی کہا اور لکھا ہے۔ اگر وہ بلوچ ہوتے تو انھیں براہوئی کے بدلے بلوچ لکھواتا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بلوچ پرست لکھاری مذکورہ بالا ہدایت نامہ براہوئی کے شروعاتی جملوں کو جن میں لفظ براہوئی درج ہے ضبطِ تحریر میں نہیں لاتے یا براہوئی کے بدلے بلوچ لفظ تحریر کر کے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ جو ایک بہت بڑی تاریخی خیانت ہے۔

براہوئی فوج کا ذکر تو میر قمبر، میر میرو اور میر عمر شہید کے دور میں ملتا ہے لیکن باقاعدہ ''براہوئی فوج'' کو میر بجار خان براہوئی نے ترتیب دی جس کو جدگالوں کے خلاف استعمال کیا اور فتح یابی کے بعد سارے علاقے کو براہوئی قوم کے قبیلوں میں تقسیم کیا۔ جنھوں نے جنگ میں اہم قربانیاں دی تھیں اس کے بعد میر احمد خان سوئم جسے براہوئی ''بھلا احمد خان'' یا ''پیرہ احمد خان'' بھی کہتے ہیں نے ''براہوئی فوج'' کی بنیاد رکھی۔ اس نے براہوئی فوج کو سبی کے باروزئیوں کے خلاف سترہ بار استعمال کیا اور فتح یاب ہوا۔ اس طرز پر پھر میر محراب خان اول براہوئی اور سمندر خان براہوئی نے بھی ''براہوئی فوج'' کو اپنے طرز پر بنا کر استعمال کرتے تھے۔ جب ۱۷۱۶ء میں عبداللہ خان براہوئی حاکم بنے تو انہوں نے خاص طور پر ''براہوئی فوج'' کو منظم کیا جس کو انہوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک دستہ امن جو قلات میں رہ کر ملک میں امن و امان کی صورت حال پر کنٹرول اور انتظامی صورت حال کی نگرانی کرنے پر معمور تھا۔ دوسرا دستہ ''ہلبو خلبو'' یعنی ''پکڑو اور مارو'' جسے عرف عام میں ''دستہ چھپاؤ'' (چھاپہ مار / گوریلا دستہ) بھی کہتے تھے۔ محمد سردار بلوچ، عبداللہ خان براہوئی کے ''ہلبو خلبو'' دستہ کو ''براہوئی فوج'' قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''۱۷۳۰ء میں............کلہوڑہ جرنیل نے عبداللہ خان سے جنگ و جدل شروع کی۔ اس نے کوچ کیا اور قلعہ کرتہ (کرتہ) مبارک خان سے قبضہ لیا جہاں اسماعیل براہوئی کو شکست ہوئی اور کاکڑ براہوئی مارا گیا۔ براہوئی فوج کا کچھ حصہ پسپا ہوا......۔'' (۳۳)

خان اعظم خان نصیر خان نوری اپنی فوج کو ''براہوئی فوج'' کے نام سے پکارتے تھے۔اس حوالے سے کئی دستاویزی اور تاریخی شواہد موجود ہیں۔اس حاکم نے پہلی بار افغانستان اور ایرانی حکومتوں کی فوج کی طرح براہوئی فوج کی بنیاد رکھی۔۱۷۸۳ء میں سید سلطان والی مسقط اپنے بھائی سے شکست کھا کر خان اعظم کے ہاں بھاگ آیا۔ان دنوں میں گوادر کا علاقہ ''براہوئی حکومت'' کے جغرافیائی حدود میں تھا اور اس پر میر داد کریم میرواڑی براہوئی گورنر مقرر تھا۔میر داد کریم براہوئی نے ایک خط اپنے بیٹے کو لکھا۔جس میں خان اعظم نصیر خان نوری براہوئی نے ایک جگہ اپنی فوج کو ''براہوئی فوج'' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ملاحظہ ہو اس خط سے کچھ اقتباس:

''سید سلطان جو بوسعیدیوں کا دادا تھا۔مسقط سے اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں فرار ہو کر بمقام زیک آیا۔یہاں سے میر داد کریم میرواڑی اس کے ساتھ ہو کر اسے میر جہانگیر خان نوشیروانی کے پاس خاران لے گیا۔میر جہانگیر خان بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔پھر تینوں شاہ نصیر خان والی قلات کی خدمت میں گئے۔میر نصیر خان نے کہا کہ براہوئیوں کی فوج سید سلطان کی امداد کے لیے مسقط نہیں جا سکتی۔البتہ میر نصیر خان نے اسے بندرگاہ گوادر کفایت اخراجات کے لیے بطور قرض دیا اور میر نصیر خان نے اس سے کہا کہ جب آپ مسقط واپس فتح کریں تو گوادر مجھے واپس کر دینا......'' (۳۴)

براہوئی فوج کی تقسیم دستہ سراوان اور دستہ جھلاوان کے نام سے رکھی۔دستہ سراوان کو تین حصوں، ایک دستہ رئیساڑی، دوسرا دستہ شاہواڑی اور تیسرا دستہ بنگلزئی میں تقسیم کیا۔اس میں پہلی بار ''رند بلوچ'' قبیلہ کو دستہ بنگلزئی میں شمار کیا گیا ہے۔دوسرا دستہ جھلاوان کو بھی تین حصوں میں ایک دستہ زہری، دوسرا دستہ مینگل اور تیسرا دستہ مگسی پر تقسیم کیا۔اس دستہ میں بلوچ قوم کے دو قبیلوں مگسی و لاشاری کو علیحدہ دستہ کے طور پر رکھا گیا۔اس طرح ان دونوں براہوئی فوج کے حصوں کی کل فوجیوں کی تعداد بارہ ہزار چھ سو پچاس تھی۔جس میں رند، مگسی اور لاشاری قبیلوں کے فوجیوں کی تعداد اکیس سو تھی جو براہوئی فوج کے چھٹے حصے سے بھی کم تھی۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سراوان اور جھلاوان کے دونوں دستوں کے بڑے فوجی کمانڈر یا رہنما رئیساڑی اور زہری جو بلوچ کے برعکس براہوئی تھے۔اس

کے علاوہ اس فوج سے ایک مقررہ تعداد ساڑھے سترہ سو ''دستہ خاص'' کے نام سے تھا جو ہمہ وقت دارالخلافہ میں براہوئی حاکم کی حفاظت اور بدامنی کو فرو کرنے کے لیے مقرر تھی۔اس میں ایک بھی بلوچ نہ تھا بلکہ سب کے سب براہوئی تھے۔جن میں میرواڑی تین سو، قمبراڑی پچاس، ذگر مینگل آٹھ سو، گرگناڑی ایک سو، قلندراڑی ایک سو، سمالاڑی دو سو اور رودینی کے دو سو فوجی شامل تھے۔(۳۵) براہوئی فوج کے سارے بڑے عہدوں پر براہوئی مقرر تھے۔جیسے کہ ہتورام تحریر کرتا ہے کہ:

''ملازماں عملہ خان صاحب جو اکثر اقوام براہوئی سے ہوتا ہے غم لشکر میں اپنی اپنی قوم (یعنی براہوئی قوم کے سردار) کے ساتھ حصہ دیا کرتے تھے۔دوم ایک ہزار نفری ہمیشہ بخدمت بادشاہ حاضر رہا کرتے تھے۔جس کو سان کہتے تھے۔اس ایک ہزار نفری کو بھی سرداران براہوئی بموجب پیمانہ بالا آپس میں تفریق کرتے تھے......'' (۳۶)

خان اعظم نوری نصیر خان نے بلوچوں کو ہمیشہ براہوئی سرداروں اور فوج کے ماتحت رکھا اور ان کے لیے علیحدہ ''بلوچی فوجی دستہ'' قائم نہیں کیا جیسے کہ اس سلسلے میں ہتورام لکھتے ہیں:

''بلوچوں کا خاص علیحدہ دستہ نہ رکھا۔'' (۳۷)

بلوچ فوجیوں سے براہوئی فوجیوں کو یہاں تک ممیّز رکھا جاتا تھا کہ براہوئی فوجیوں کو گندم کا آٹا ملتا تھا اور بلوچوں کو صرف جوار کا۔(۳۸)

نصیر خان نوری کے دور میں دو براہوئی فوجی نوجوان کچھ بلوچ اسکاؤٹس کے ہاتھوں شہید ہوئے۔براہوئی حاکم نے ایک براہوئی کے بدلے چار بلوچ اسکاؤٹس، دو براہوئیوں کے بدلے آٹھ بلوچ قتل کروائے کیونکہ ایک براہوئی کی قدر چار بلوچوں کے برابر تھی۔

براہوئی حکومت کے دوران جب قلات محل میں دربار لگتا تھا تو براہوئی حاکم کے ساتھ دائیں، بائیں اور سامنے جو سردار، وزیر، امراء اور قبائلی معتبر اور حکومت کے منصب داران بیٹھتے تھے ان کے لیے علیحدہ علیحدہ نشستیں مخصوص تھیں۔یہ رواج میر احمد خان سوئم (۱۶۶۶ء تا ۱۶۹۵ء) کے دور سے با قاعدہ چلا آ رہا تھا۔جب براہوئی قوم کا نامور حاکم خان اعظم نصیر خان نوری براہوئی، براہوئی حاکم بنا تو اس کے دور میں سلطنت کے حدود وسیع تر ہو گئیں۔اس طرح غیر براہوئی قبائل بھی براہوئی قوم کی

رعایا بن گئیں۔ان کے سرداروں اور قبائلی زعما کے لیے بھی نشستیں مختص کی گئیں۔لیکن براہوئی قبائلی سرداروں کی نشستوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔براہوئی حکومت کے دربار میں بیٹھنے کا یہ طریقہ آج تک اسی طرح چلا آرہا ہے۔مولوی دین محمد نے ۲۶' اپریل ۱۹۳۲ء کے دن براہوئی حکومت کے دربار کا نقشہ یا خاکہ یوں پیش کیا ہے۔(۳۹) دربار کا خاکہ (از مولوی دین محمد) ملاحظہ ہو:

لیکن گل خان نصیر نے براہوئی حکومت میں بلوچوں کو ناجائز طور پر تاریخی حیثیت دینے کے لیے براہوئی تاریخ کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔انھوں نے تاج پوشی خان قلات کے خاکہ کے برعکس براہوئی حکومت کے دربار کا ایک نقلی خاکہ پیش کیا۔(خاکہ نمبر۲ ملاحظہ ہو)۔اور لکھتا ہے کہ:۔

''خان میر خداداد خان کے دربار میں قبائلی سرداروں کی نشستیں جس انداز سے مقرر و متعین تھیں اس میں براہوئی سرداروں کا ایک مخصوص مقام تھا۔ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا خوانین سلف کے درباروں میں بھی نشستوں کی یہی صورت تھی یا نہیں۔لیکن انگریزوں کی آمد کے بعد سے طریقہ رائج رہا۔اس میں قبائل سردار،خان کے دربار میں ایک مستطیل کی صورت میں بیٹھا کرتے تھے۔ایک قطار میں خان اور ان کے پیچھے ان کے وزیر، مصاحبین، خان کے دائیں طرف سردار ان سراوان بشمول رند، ڈومبکی، مری، بگٹی اور خاران اور بائیں طرف سردارن جھالاوان بشمول مگسی، مکران اور لسبیلہ، خان کے سامنے مگر کچھ مفاصلہ پر سرداران دستہ خاص جن کو بعد میں انگریزوں نے سرداران براہوئی کے نام سے مشہور کیا۔سرداران براہوئی کے سامنے احمد زئی شہزادے بیٹھتے اور پیچھے خان کے چوبدار اور ملازمین خاص کھڑے رہتے تھے......''(۴۰)

بابائے براہوئی، گل خان نصیر کے برعکس اصل براہوئی حکومت میں دربار عالیہ میں نشستوں، عہدوں اور امراء کی حیثیت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے کہ براہوئی حکومت میں اعلیٰ مشاورتی کونسل جسے ''مجلس شوریٰ'' بھی کہتے ہیں میں ایک بھی نسلاً بلوچی سردار نہیں تھا۔اس بارے میں وہ تحریر کرتا ہے کہ:۔

''الف: براہوئی کانفیڈریسی: یہ وہ تنظیم ہے جو قلات کی حکومت کو شخصی وذاتی بادشاہی کے برعکس عوامی حکومت کی حیثیت دی تھی، وہ ایک کام کرنے والی کمیٹی

پر مشتمل تھی۔جس کو ''براہوئی کانفیڈریسی'' بھی کہا جاسکتا ہے۔اس کی تشکیل یوں تھی۔

۱۔چیئرمین، بڑا معتبر، حال احوال لینے والا، اقتدار کی نشانی خان آف قلات۔
۲۔آخوند صالح محمد و فتح محمد۔وزیر وکیل۔
۳۔آغا و پسرش نائب عبدالرحمٰن۔نائب کچھی
۴۔ملا مہر علی و پسرس صالح محمد و فتح محمد۔داروغہ ہائے محال قلات وخراسان۔
۵۔ملا برفی پسرش شہ غاسی
۶۔میر چھپر خان ایلتازئی مصاحب۔
۷۔میر مراد علی خان ایلتازئی مصاحب۔
۸۔میر سعید خان ایلتازئی مصاحب۔
۹۔سردار ملا محمد خان رئیسانی سردار سراوان مصاحب۔
۱۰۔میر زرک و پسرش میر یوسف خان سردار جھالاوان مصاحب۔

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شخص خود خان کا ہے۔دوسرے چار، خان صاحب کے وزیر اور وکیل ہیں یا حکومت کے ملازم، جن کو ان کی معاملہ فہمی کی بنیاد پر براہوئی کانفیڈریسی یا براہوئی مجلس شوریٰ'' میں شامل کیا گیا تھا۔اس طرح تین شخصیات چھ تا آٹھ نمبروں تک، وہ ہیں جو خان خیل ہیں یا میرواڑی ہیں یا خان کے قریبی رشتہ دار ہیں۔دوسرے دو شخصیات (آخری) سراوان اور جھلاوان کے سردار ہیں۔مطلب کہ ان دس شخصیات میں سے ایک بھی بلوچ نہیں ہے۔اگر براہوئی اور بلوچ ایک ہوتے، تو بلوچوں کو بھی خان صاحب اپنے مشاورتی کونسل میں شامل کر لیتے مگر معروف بلوچوں میں سے ایک بھی نام اس فہرست میں درج نہیں ہے......''(۴۱)

بابائے براہوئی، گل خان نصیر اور بعض دیگر لکھاریوں (جو براہوئیوں کو بلوچ بنانے میں مصروف عمل ہیں) کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''وہ گروہ (یعنی بلوچ) جو بردار کشی (بلوچوں کی تیس سالہ جنگ کی طرف اشارہ) کے علاوہ اور کوئی خاص روایت' ثقافت اور تواریخ کا مالک نہیں ہے۔ محسوس کیا کہ اگر اسی طرح براہوئی قوم کے روشن ضمیر' دانشور و محققوں نے اپنے احساس کے جذبہ سے اپنی لسانی' ثقافتی' روایتی تاریخی اور دوسری اقدار کو جانا' اور بالخصوص اپنے لیے مخصوص کیا اور خود کو ہم (یعنی بلوچوں) سے علیحدہ کیا قرار دیا۔ تو ہمارے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ کیونکہ ہمیں قوم ان (براہوئیوں نے) لوگوں نے کیا اور کہا۔ ہمارے قومی اقدار، ان کے کارناموں کی بہ دولت چکا ہے۔ اب ضروری ہے کہ ان (براہوئیوں) کا مقابلہ کریں تا کہ ہم صرف قومی اقدار کے طور پر سلامت رہیں......''۔ (۴۲)

بابائے براہوئی آگے رقمطراز ہیں:

''ایک ناترس ایسا ٹولہ موجود ہے جس نے ہر وقت اور ہر کام میں براہوئی دشمنی کو اپنے ایمان کا حصہ بنایا ہے اور ہر جگہ اپنے اس اقدام سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ اس لیے وہ بہت جھوٹ بولتا ہے......۔

وہ نہ خدا کے سامنے اور نہ ہی لوگوں کے سامنے ڈرتا ہے اور شرم وحیا محسوس کرتا ہے۔ یقیناً ایسے بہادروں کے لیے فارسی میں کہا گیا ہے کہ:۔

''چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد''

مگر ہٹلر کے جھوٹے پروپیگنڈہ باز اور گوبلز کے یہ نفسانی اولاد جو۔

۱۔ اس طرح کے اور دوسرے ہزاروں جھوٹ بولنے کی عبادت میں مصروف معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ جھوٹ کی ٹانگیں اور ہاتھ نہیں ہوتے۔ یہ جھوٹ بولنے اور حرام کا لقمہ لینے میں اپنی صحت اور سلامتی تصور کر کے مصروف ہیں......''۔ (۴۳)

سندھ اور بلوچستان کے نامور مؤرخ اور محقق میر رحیم داد خان مولائی شیدائی بھی ایسے مؤرخوں کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

''سابق بلوچستان میں براہوئی کی تعداد زیادہ ہے اور حکومت بھی خوانین

قلات (یعنی براہوئیوں) کی تھی مگر حریفوں (یعنی بلوچ ذہنیت کے مؤرخین) نے اس خطہ پر نام 'بلوچستان'' رکھا۔ اس طرح براہوئی مشاہیرُ جنھوں نے تاریخ میں سنہرے کام انجام دیئے، ان ستم ظرف مؤرخین نے اُن کو براہوئی کے بجائے ''بلوچ'' لکھا ہے۔ جس طرح افغانوں'' کو روھیلہ کے نام سے لکھا ہے......۔

اگر تاریخ کا یہ حال ہے تو ایک ادیب یا مؤرخ براہوئیوں کو ڈھونڈے تو کہاں ڈھونڈے؟......'' (۴۴)

براہوئی زبان کے نامور قادر الکلام اور انقلابی شاعر جو ہر براہوئی' ایسے مؤرخوں کی تاریخ نویسی کے متعلق ایک شعر میں کہتا ہے کہ:

درو ہوغا تاریخ نا ہر ورق
کہ تاریخ آ تالان تہارس برو (۴۵)

ترجمہ: کل تاریخ کا ہر ورق رویا
کہ تاریخ پر تاریکی طاری ہوگی۔

دُروغاتے چُج کیسہ تاریخ ٹی
شہیداتا دِترے گُلم کیسہ نی (۴۶)

ترجمہ: تاریخ میں جھوٹے شواہد کو اکٹھا کر کے شہداء کا خوں پیتے ہو۔

احمد شاہ ابدالی نے ۶۴-۱۷۶۳ء میں ہندوستان میں مرہٹوں اور سکھوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تو اس نے قلات کے براہوئی حاکم کو بھی مدد کی اپیل کی۔ براہوئی حاکم براہوئی فوج کے بیس ہزار سپاہ کے ساتھ ہندوستان گیا جس میں صرف دو ہزار بلوچ سپاہ شامل تھے۔ براہوئی فوج نے وہاں پر کئی ایک فتوحات حاصل کیں۔ اس جنگی مہم کی تفصیل علامہ قاضی نور محمد گنجابوی نے ۱۷۶۴ء میں ''جنگ نامہ تحفۃ النصیر'' (منظوم) کے نام سے ایک کتاب میں لکھی۔ نور محمد گنجابوی خود اس جنگی مہم میں براہوئی حاکم کے ساتھ تھے۔

علامہ گنجابوی نے اپنی اس کتاب میں براہوئی اور بلوچوں کو الگ اپنے اپنے ناموں سے لکھ کر انھیں علیحدہ اور مختلف قوم قرار دیا ہے۔ مثلاً:

''براہوئیاں وبلوچان تمام'' (۴۷)

جہاں براہوئی قوم کے قبیلوں اور لوگوں کا ذکر مقصود تھا وہاں شاعر نے باقاعدہ ان کو ''براہوئی'' کہا ہے۔ مثلاً:

''ا۔ زسر کردہائی براہوئیاں سرابانیاں ودگر جہلباں

۲۔ ہمہ سروران براہوئیاں سرابانیاں ودگر جہلبان

۳۔ مع القصہ ہر یک زخدمت گراد براہوئیاں ودگر سروران

۴۔ جو انے بلند از ہمان براہوئیاں ۔ در آندم توفنگے زد شد آنچنان......'' (۴۸)

علامہ گنجابوی نے واضح طور پر خان اعظم نصیر خان نوری کو ''براہوئی خان'' اور افغانستان کے حاکم احمد شاہ ابدالی کو ''خان افغان'' لکھا ہے۔ مثلاً:

''خوانین افغان وبراہوئیان'' (۴۹)

اگر خان نصیر براہوئی اپنے آپ کو براہوئی کے برعکس بلوچ کہلواتا تو علامہ گنجابوی ان کو ''خان بلوچ'' یا ''خوانین افغان وبلوچان'' لکھتا۔ چونکہ اس حوالے سے انھیں بخوبی علم تھا اس لیے انھوں نے ان دونوں ملکوں کے حاکموں کو ان کے قومی ناموں سے ''خوانین افغان وبراہوئیان'' لکھا۔ علامہ گنجابوی نے بہت سی جگہوں پر خان اعظم نصیر خان نوری کو ''خان بلوچ'' (۵۰) بھی لکھا ہے۔ لیکن علامہ گنجابوی کا مقصد ''براہوئی حاکم'' کو ''بلوچ حاکم'' قرار دینا مقصود نہ تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ خان نصیر خان نوری ''بلوچوں کا بھی حاکم'' ہے کیونکہ نادر شاہ نے کچھی کا علاقہ میر محبت خان کو دیا۔ تو وہاں بسنے والے تمام اقوام بمعہ بلوچ' براہوئی حکومت کی رعایا ہوگئیں۔ خان نصیر خان نے پہلی بار براہوئی فوج کی بنیاد رکھی تو انھوں نے کچھی کے علاقہ میں بسنے والے بلوچ قبائل سے بھی بارہ سو جوان بطور سکاؤٹ براہوئی فوج میں ان کے سرداروں کی کمان میں بھرتی کی۔ جس سے ایک طرف براہوئی فوج کی طاقت میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف اسی فوج کے توسط سے کئی علاقے فتح ہوکر براہوئی حکومت کے جغرافیائی حدود میں شامل ہوئے۔ جس سے براہوئی حاکم' براہوئی قوم اور براہوئی حکومت کی شان' مان' طاقت اور عزت میں اضافہ ہوا۔ جیسے کہ ایک بلوچ مؤرخ تحریر کرتا ہے:

''بلوچوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا۔ وہ اس کے گرد جمع ہوگئے (یعنی فوج میں شامل ہوگئے) اور شورش یا سازش (یعنی بغاوت) نے جہاں سر اٹھایا وہیں کچل دیا گیا......'' (۵۱)

خان نصیر خان براہوئی اپنی زندگی میں بہت سے محافل میں اپنا ایک مشہور ومعروف براہوئی مقولہ دہراتے تھے۔ آج بھی ان کا یہ مقولہ براہوئیوں میں ایک ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے:

''براہوئی کنا جون جانے

بلوچ کنا شون شانے'' (۵۲)

یعنی براہوئی میرا جسم وجان ہیں اور بلوچ میری شان ہیں'

اس مقولہ کا مطلب اور معنی واضح ہے کہ وہ براہوئیوں کو اپنا جسم وجان اور بلوچوں کو صرف اور صرف اپنی عسکری قوت میں شریک شان سمجھتا تھا۔ کیونکہ بلوچ ان کی براہوئی فوج میں شامل تھے۔ جن کی وجہ سے براہوئی عسکری قوت بڑھ گئی اور فتوحات حاصل کرنے میں آسانی ہوئی اور براہوئی حاکم کی شان ومان میں اضافہ ہوا۔

خان اعظم خان نصیر خان نوری براہوئی ۱۸ مارچ ۱۷۹۴ء کو وفات پا گئے تو ایران کے حاکم نے ان کے بیٹے کو ایک تعزیت نامہ بھیجا۔ جس میں نصیر خان نوری کو ایک ساتھ ''خان بلوچ وبراہوئی'' کہا ہے یعنی ایرانی حاکم نے براہوئی اور بلوچ قوموں میں تمیز رکھا ہے۔ تعزیت نامہ کے الفاظ یوں ہیں۔

''امیر بے نظیر عالم عدل امیر محمد نصیر خان علیہ الرحمتہ والغفر ان جمیع سرداران امرایان وسرکردگان قوم بلوچ وبراہوئی ہا از سر صدق واخلاص جملہ خورد وبزرگ قریب وبعید صغیر وکبیر حلقہ بندگی واطاعت......'' (۵۳)

حاکم ایران اپنے اس تعزیت نامہ میں نصیر خان نوری کے بیٹے میر محمود خان کو:

''امیر میر محمود خان بادشاہ قلات بلوچی کچھی' کوہستان ومکران......'' (۵۴)

لکھا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ قلات' کچھی کوہستان ومکران کا حاکم تھا لیکن اس تعزیت نامہ میں ''قلات بلوچی'' لفظ بعد کے براہوئی مخالفین کا اختراع ہے۔ اس لفظ کے لکھنے سے براہوئی مخالف مؤرخین دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہیں کہ قلات کے براہوئی حاکم خود اور اپنی

ریاست کو''بلوچ'' کہلواتے تھے۔ حالانکہ براہوئی حاکموں کے کسی بھی فرمان' سند یا احکام میں ''قلات بلوچی'' کے الفاظ تحریر نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس حاکموں کے لیے حاکم قلات' بادشاہ قلات' خان قلات' والیءِ قلات اور ملک کے لیے حکومت قلات ''ریاست قلات'' کے الفاظ تحریر ملتے ہیں۔

تاریخی حقائق کے مطابق ریاست قلات کے دستاویزات پر ''ریاست قلات'' کے الفاظ درج ہیں۔ ''ضابطہ حسابات ۱۹۴۲ء'' کے رجسٹر پر ''دستور العمل ضابطہ حسابات ریاست قلات'' درج ہے۔

یکم اگست ۱۹۴۷ء کو قلات ریاست کا آئین شائع ہوا۔ جس میں براہوئی سلطنت یا حکومت کا نام ''قلات اسٹیٹ گورنمنٹ آف قلات'' تحریر ہے۔(۵۵)

اسی طرح براہوئی حکومت کے سرکاری دستاویزات میں کہیں بھی ''قلات بلوچی''، ''بلوچی حکومت'' کے الفاظ درج نہیں ہیں۔ اسطرح کے الفاظ کی ابتداء ۱۹۳۱ء کے بعد بلوچ پرست لکھاریوں نے کی۔

داد محمد خادم براہوئی' ایسی تاریخ نویسی کے بارے میں براہوئیوں کو خبردار کرتا ہے کہ:۔

> ''ای تینا ہمے سادہ ئنگا براہوئی تے دابنفنگ نا کوشش کیوہ کہ نن براہوئیک اَسہ مکمل ءُقوم ئس ارین۔ ننا اصلیت ءِ ڈھکنگ نا سازش کننگانے۔ ننا تاریخ ءِ بلوچ قوم نا تاریخ جوڑ کننگانے' تاکہ نن تینے براہوئی پاپن و بلوچ پارفنگ آ مجبور مرین و تینا قوم براہوئی تا پن ءِ گم کین......''۔(۵۶)

> ترجمہ:۔''میں اپنے اُن سادہ لوح براہوئیوں کو یہ بتاتا ہوں کہ ہم براہوئی ایک مکمل قوم ہیں۔ ہماری اصلیت کو چھپانے کی سازش کی گئی ہے۔ ہماری تاریخ کو بلوچ قوم کی تاریخ بنائی گئی ہے تاکہ ہم خود کو براہوئی نہ کہیں اور بلوچ کہلوانے پر مجبور ہوں۔ اپنی قوم براہوئی کا نام گنوائیں''۔

۱۷۹۴ء میں خان اعظم نصیر خان نوری کی وفات کے بعد میر محمود خان اول (۱۷۹۴ء تا ۱۸۱۷ء)' میر محراب خان شہید دوم (۱۸۱۷ء تا ۱۸۳۹ء)' میر شاہنواز خان (۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۰ء)' میر نصیر خان غازی دوم (۱۸۴۰ء تا ۱۸۵۷ء)' خان میر خداداد خان (۱۸۵۷ء تا ۱۸۹۳ء) اور میر محمود خان

دوئم (۱۸۹۳ء تا ۱۹۳۱ء) یکے بعد دیگرے براہوئی حاکم مقرر ہوتے رہے۔ یہ ۱۳۸ سال براہوئی تاریخ کا سیاہ ترین دور ہے۔ جس سے انگریزوں نے فائدہ اٹھا کر براہوئی ریاست پر حملہ کیا' میر محراب خان براہوئی کو ۱۸۳۹ء میں شہید کر دیا اور مکمل طور پر اپنے پیر جما لئے۔ اس دور میں براہوئی حکومت میں کوئی عوامی اور فلاحی کام نہیں ہوا بلکہ کئی علاقے کھو دیئے گئے اور کچھ پر انگریزوں نے چالبازی سے پٹہ اور اجارہ کے نام پر قبضہ جما لیا۔ اس طرح عوام کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ ملک کی سیاسی' سماجی' معاشی اور تعلیمی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ کئی براہوئی قبائل اور گھرانے خانہ جنگی اور بدحالی کی وجہ سے نقل مکانی کر کے سندھ' ایران اور افغانستان کے مختلف شہروں میں جا بسے۔

میر محبت خان براہوئی کو جب ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کی طرف سے کچھی کا علاقہ اور خان اعظم خان نصیر خان نوری کو ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی کی طرف سے ہڑندو داجل کے علاقے ملے تب سے وہاں کے مختلف قبائل مع بلوچ' براہوئی حکومت کی رعایا بنے۔ اُسی وقت سے براہوئی حکومت سازشوں' بغاوتوں اور اندرونی خلفشار کا اکھاڑہ بن کر غیر مستحکم ہوگئی کیونکہ ان کے آئے دن لوٹ مار اور مار دھاڑ کے واقعات سے براہوئی حکومت تنزلی کا شکار ہوتی گئی اور انگریزوں کے پیر جمانے کے لیے حالات سازگار بنا دیئے گئے۔ مشت از خروار درج ذیل میں ملاحظہ ہوں:

۱۔ خان اعظم خان نصیر خان نوری براہوئی کے دور حکومت میں مری بلوچوں کا حسنی طائفہ جس کا سردار میر صادق حسنی تھا سبی اور دوسرے براہوئی حکومت کے علاقوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا جو بغاوت کے برابر تھی۔ خان اعظم براہوئی نے ان پر حملہ کیا اور ان کے قریبی ساتھیوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتار کر بغاوت کو ہمیشہ کے لیے کچل دیا۔ پھر سارے علاقے کا کنٹرول اپنے حمایتی مری قبیلہ کے حوالے کر کے واپس ہوا۔(۵۷)

۲۔ خان اعظم ۱۷۹۴ء میں وفات پا گیا تو اس کا بیٹا میر محمود خان براہوئی حاکم بنا۔ جب نصیر خان نوری فوت ہوا تو اس وقت میر محبت خان کا نواسہ میر حاجی خان کا بیٹا میر بہرام خان کچھی میں مقیم تھا۔ خان اعظم کی وفات کی خبر سنتے ہی براہوئی حکومت حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگ گیا۔ کچھی کے سارے بلوچ سرداروں نے اُن کا ساتھ دیا۔ سبی کے کھجک' مرغزانی اور دھپال قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ مگر سردار ملا محمد رئیسانی کی مخالفت اور ایک دو لڑائیوں کے بعد میر بہرام خان بھاگ کر سندھ

کے ٹالپور حکمرانوں کے ہاں گیا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سندھ کے ٹالپور حکمران کچھی کے بلوچ سرداروں کو براہوئی حکومت کمزور کرنے کے لیے مالی امداد مہیا کرتے تھے۔ (۵۸)

۳۔ میر محمود خان کے دور میں علی شیر کلپر بگٹی نے لہڑی علاقہ پر حملہ کیا اور پھلیجی میں دو مینگلوں کو قتل کر کے لوٹ مار کی۔ میر محمود خان جو اس وقت ملتان میں مقیم تھے، شکار پور پہنچا اور وہیں سے اپنا سارا لشکر اپنے بھائی میر مصطفیٰ خان کی سرکردگی میں بگٹی بغاوت کو کچلنے کے لیے بھیجا۔ بگٹیوں نے میر مصطفیٰ کو سنگک کے مقام پر مقابلہ کرنے کی دعوت دی، لڑائی ہوئی۔ بگٹی اپنی سینکڑوں لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ پھر بگٹیوں نے کوئی اور راستہ نہ دیکھ کر سردار ملا محمد رئیسانڑی کو میڑ کر کے جان بخشی کی اپیل کی جو منظور ہوگئی۔ بگٹیوں نے براہوئی حکومت کی طاقت تسلیم کی۔ (۵۹)

۴۔ میر محمود خان ۱۸۱۷ء میں وفات پاگئے تو اس کی جگہ میر محراب خان، براہوئی حاکم بنا۔ اس کے حاکم بنتے ہی کچھی کے مگسی، رند، بلیدی اور دوسرے بلوچ سرداروں نے میر بہرام کے بیٹے میر احمد یار خان کو براہوئی حاکم مقرر کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کر کے کچھی کی اراضیات پر تنازعہ کھڑا کیا۔ مگر ان کے اپنے درمیان بھی تنازعہ پیدا ہوا۔ جس کی وجہ سے رند اور بلیدی، مگسیوں کی بغاوت سے لاتعلقی ظاہر کر کے کھلم کھلا براہوئی حاکم کے طرفدار بن گئے۔ ان ہی رند اور بلیدی سرداروں نے براہوئی سرداروں کی کمان میں مگسیوں پر حملہ کیا۔ مگسی مقابلے کی ہمت گنوا بیٹھے قرآن میڑ کر کے براہوئی حکومت کے طرفدار بن گئے۔ (۶۰)

۵۔ میر محراب خان، میر احمد خان اور مگسیوں کی بغاوت کو کچلنے سے فارغ ہوئے تو پتہ چلا کہ مکران کے گچکی سردار نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ میر محراب خان سیدھا مکران پہنچے مگر گچکیوں نے مقابلہ کی ہمت نہ دیکھ کر اطاعت قبول کی اور براہوئی حاکم نے مکران میں براہوئی نائب مقرر کر کے واپس ہوا۔ (۶۱)

۶۔ بلوچ تمنداروں نے دیکھا کہ ہم باقاعدہ براہوئی حاکم کا مقابلہ نہیں کرسکتے اس لیے ان تمنداروں نے ایک سازش کے تحت براہوئی حکومت کے غیر براہوئی منصب داروں کو سندھ کے ٹالپروں کی ایماء پر لالچ دے کر براہوئی سرداروں اور براہوئی حاکم کے مابین تنازعات کو تقویت دی جس کے نتیجے میں سردار قادر بخش زرکزئی نے ملا مبارک کو قتل کیا۔ جس پر براہوئی حاکم میر محراب خان

نے برہم ہو کر سردار قادر بخش کو قتل کیا۔ ان کے نتیجے میں سردار قادر بخش زہری کے بیٹا میر رشید خان زہری نے علم بغاوت بلند کیا تو مگسی، رند، بلیدی، جمالی اور جتوئی نے ان کا بھرپور ساتھ دینے کا وعدہ کیا مگر براہوئی حاکم نے انجیرہ کے مقام پر رشید خان زہری پر حملہ کیا۔ کئی دنوں تک لڑائی جاری رہی۔ کیونکہ رشید خان زہری کو یہ انتظار تھا کہ رند، بلیدی، مگسی اور دوسرے بلوچ تمنداروں نے مدد کی یقین دہانی کرائی ہے اور وہ لوگ مدد کو پہنچ جائیں گے تب وہ باقاعدہ میر محراب خان کے فوج کا مقابلہ کر سکے گا لیکن ان میں سے کوئی بھی مدد کے لیے نہیں پہنچا۔ مجبوراً سادات کرام کو بیچ میں لا کر براہوئی حکومت کی اطاعت قبول کی۔ براہوئی حاکم نے باپ کی جگہ اس کو زہری قبیلہ کا سردار مقرر کیا اور خلعت سے بھی نوازا۔ بلوچ تمنداروں نے دیکھا یہ بغاوت یہیں ختم ہوئی تو انھوں نے ملا مبارک کے باپ آخوند فتح کو لالچ دے کر ملا عبدالرحمٰن اور عبدالقادر جو ایرانی النسل تھے (ان کے خاندان کو آغا علی زئی کہتے ہیں) کو قتل کروانے کا مشورہ دیا۔ اس طرح آخوند فتح محمد نے ان کے داؤ پیچ میں آ کر براہوئی حاکم میر محراب خان کو اپنے بیٹے کے قصاص میں ان دونوں کو قتل کرنے کا کہا مگر براہوئی حاکم نے جواب دیا تو آخوند فتح محمد نے قندہار جا کر سردار پڑدل خان سے شکایت کی۔ وہ گنداواہ پہنچا اور براہوئی حاکم سے ملا عبدالقادر اور عبدالرحمٰن کے بازو مانگے مگر براہوئی حاکم نے جواب دیا۔ آخوند فتح محمد بے بس ہو کر چپ ہوگیا۔ ان بلوچ تمنداروں نے داؤ محمد نامی شخص کے ہاتھوں آخوند فتح محمد کو قتل کروا کے دوبارہ براہوئی حاکم اور براہوئی سرداروں کے مابین بغاوت بلند کرنے کے لیے راستہ تیار کیا۔ اس کے قتل کے بعد جھلاوان اور سراوان کے سردار مہر اللہ خان رئیسانڑی نے علم بغاوت بلند کیا۔ جب یہ بغاوت جڑ پکڑ گئی تو بلوچ تمنداروں نے دوبارہ میر احمد خان کو بغاوت کا علم بلند کرنے کی صلاح دی۔ جس نے سندھ کے ٹالپر حاکموں اور کچھی کے بلوچ تمنداروں کے اشارے پر علم بغاوت بلند کیا۔ میر احمد خان نے میر مصطفیٰ خان کے بیٹے میر سرفراز خان کو اپنے ساتھ ملا کر دوبارہ براہوئی حاکم بننے کے لیے بغاوت کی۔ میر احمد خان کی اس بغاوت میں کچھی کے کئی بلوچ تمندار ساتھ تھے۔ بھاگ شہر کے باہر مقابلہ ہوا۔ جس میں میر محراب خان کا چھوٹا بھائی میر اعظم خان فتح یاب ہوا اور میر سرفراز خان اور میر احمد خان شکست کھا کر سندھ کے ٹالپر حکمرانوں کی طرف بھاگ گئے۔

۷۔ میر محراب خان ان بغاوتوں کو کچلنے میں مصروف تھے۔ براہوئی سرداروں نے جو اندرونی

بغاوت کی تھی وہ اس کے لیے خطرناک تھی کیونکہ اس بغاوت کو کچلنے کے لیے فوج کی ضرورت تھی جو ایسے اوقات میں سردار مہیا کرتے تھے مگر وہ اس وقت خود ہی بغاوت میں مصروف تھے۔ جس کی وجہ سے براہوئی حاکم کی فوجی طاقت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر بلوچ تمنداروں نے ۱۸۳۱ء میں مکران کے شہ قاسم کچکی کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس نے بغاوت کر کے براہوئی حاکم کے نائب الحکومت کو قتل کر دیا جو میر محراب خان کے لیے پریشانی کا باعث بنا۔ اس نے داروغہ گل محمد کو سراوان کے براہوئی سرداروں کے پاس بھیجا تاکہ بڑا لشکر تیار کر کے مکران کی بغاوت کو ختم کیا جا سکے مگر سراوان کے سرداروں نے لشکر دینے سے انکار کیا۔ جس سے میر محراب خان کو بڑا دھچکا لگا۔ میر محراب خان نے مجبور ہو کر سردار فقیر محمد بزنجو کو مکران کی نیابت پر مامور کیا۔ جس نے اچانک حملہ کر کے شہ قاسم کچکی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا۔ (۶۲)

۸۔ میر محراب خان کچھی میں براہوئی سرداروں سے جوڑ توڑ میں لگے ہوئے تھے کہ بلوچ تمنداروں نے پھر علی شیر بگٹی کو بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ میر محراب خان نے داؤد نامی وزیر کو بڑے لشکر کے ساتھ ڈیرہ بگٹی بھیجا جس نے ڈیرہ بگٹی جا کر علی شیر بگٹی کو گرفتار کر کے میر محراب خان کے حضور پیش کیا۔ میر محراب خان نے وقت کی نزاکت کو بھانپ کر اسے معاف کر دیا۔

اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں جن کی مکران، کچھی اور سلیمانی بلوچ تمنداروں نے باقاعدہ یا پس پردہ حمایت کی اور براہوئی حکومت میں نفاق ڈالتے رہے۔ نتیجتاً انگریزوں نے براہوئی حکومت پر حملہ کیا جس میں میر محراب خان شہید ہو گئے اور پھر انگریزی حکومت شروع ہوئی۔ اس طرح ایک مؤرخ نے بلوچوں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''تاریخی طور پر بلوچوں کی اکثریت کبھی بھی براہوئی ریاست کے ساتھ مطابقت پیدا نہ کر سکی اور انہوں نے براہوئی حلقہ سے علیحدہ آزاد ریاستوں کے قیام کو ترجیح دی......'' (۶۳)

براہوئی تاریخ کے اس پر آشوب دور میں جو دستاویزات رقم ہوئی ہیں وہ تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان میں مختلف خطوں، انگریزوں اور براہوئی حاکموں کے خاندانی اور تاریخی دستاویزات شامل ہیں۔ جن میں براہوئی قبائل کو ''براہوئی'' اور بلوچ قبائل کو ''بلوچ'' نام سے ظاہر کیا گیا ہے۔

حسب ذیل میں مذکورہ بالا ایک سو اٹھتیس سالہ دور کے ایک کتاب سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں جن میں براہوئی اور بلوچ قوموں کو الگ الگ شمار کیا گیا ہے مثلاً:

۱۔ میاں روح اللہ را جناب صاحبی ام میر مصطفیٰ خان بصلاح علیا جناب مائی صاحبہ مائی زینب و بمشورت نفر از معتبرین براہوئی در شہر گنجابہ شبِ حج بشہادت رسانید بے گناہ و بے تقصیر......'' (۶۴)

ترجمہ: میاں روح اللہ صاحب کو بی بی مائی زینب صاحبہ اور بعض براہوئی معتبرین کے مشورے پر حج کی رات کو گنجابہ شہر میں بے گناہ و بے تقصیر شہید کر دیا۔

۲۔ ''اقوام براہوئی از سب گزند فردا کہ بنظر اوشاں مے آمد بدل سنجید ندکہ ایں چنیں شخص مخلص یک رنگ باوجود بجا آوری خدمات سابقہ کہ از شمار بیرون اند ملک خدمتے فی الحال کہ کردہ۔'' (۶۵)

ترجمہ: براہوئی قبائل نے کل کے نقصان کو بھانپ لیا۔ اس آنے والے نقصان کے خوف سے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ جب ایک ایسا مخلص شخص جس نے دیانتداری سے اپنے آقا کے لیے بے شمار خدمات سرانجام دی ہیں۔

۳۔ ''بہرام خان در جوش و خروش اعانت اہل بلوچ و براہوئی مستعد محکم بود اظہر من الشمس بہ کہ دمہ ہویدا۔'' (۶۶)

ترجمہ: بہرام خان جوش و خروش میں تھا۔ بلوچوں اور براہوئیوں کی حمایت بھی اسے حاصل تھی۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے۔

۴۔ ''علیٰ ہذا القیاس پیوستہ در ما بین محراب خان و مردم الوسی براہوئی ہمیں معاملہ مے بود۔'' (۶۷)

ترجمہ: محراب خان اور ان کے براہوئی اس کے درمیان دار و گیر کا سلسلہ جاری تھا۔

۵۔ ''از سرداران براہوئی بغیر از ولی محمد مینگل شاہی زئی و چند نفر معتبرین دیگر ہیچ کس ہمراہ او بہ محاربہ کمر نہ بست۔'' (۶۸)

ترجمہ: براہوئی سرداروں میں ولی محمد مینگل شاہی زئی اور چند دوسرے معتبرین کے علاوہ اور کسی

دوسرے کوان کے ساتھ شامل ہو کر لڑنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

۶۔ ''نصیر خان بلوچان کچھی و براہوئیاں افراہم نمود با ستقبالش بہ تمبو......۔''(۶۹)

ترجمہ: نصیر خان نے کچھی کے براہوئیوں اور بلوچوں کا لشکر جمع کیا اور اس کے استقبال کو جلد تمبو پہنچ گئے۔

۷۔ ''بموسم خزاں ۱۲۷۵ھ بفرمودۂ جیکب صاحب خداداد خان لشکرات تمام تمامی بلوچ و براہوئی و جام صاحب را کلھم در کچھی فراہم نمودہ......۔''(۷۰)

ترجمہ: ۱۲۷۵ھ کے موسم خزاں میں جیکب صاحب کے کہنے پر میر خداداد خان نے تمام بلوچ اور براہوئی کا لشکر کچھی میں جمع کیا۔

۸۔ ''چند نفر براہوئیان کہ معتمد علیہ بودند چنانچہ باران زئی و نیچاری و پندرانی و شہوانی و لانگو جمع نمودہ نزد خود داشتند ......۔''(۷۱)

ترجمہ: کچھ براہوئی جن پر اعتماد کیا جاسکتا تھا مثلاً بارانزئی' نیچاری' پندرانی اور شاہوانی و لانگوان کو بھی اپنے پاس جمع کیا۔

۹۔ ''کمشنر سندھ نے ایک خط ۵ فروری ۱۸۷۲ء کو بنام پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ اپر سندھ فرنٹیئر کو لکھا جس میں وہ سردار ملا محمد رئیسانی' اللہ دینار کرد' سمندر خان لہڑی' شادی خان بنگلزئی' قبیلوں کے لوگوں کو ''براہوئی سردار'' کہتا ہے اور خود سرداروں نے بھی اپنے آپ کو ''براہوئی'' کہا ہے(۷۲)

اس طرح کے اور بھی ہزاروں شواہد اور دستاویزی ثبوت موجود ہیں جن کی بناء پر براہوئی اور بلوچ علیحدہ اور مختلف قومیں ہیں۔ ریاست قلات (موجودہ بلوچستان) کے حاکموں' براہوئی سرداروں اور عوام نے خود کو براہوئی کہا ہے۔

عظیم تر بلوچستان کے مفروضے کی ابتداء

خان محمود خان براہوئی (۱۹۱۸ء تا ۱۹۳۱ء)' ۱۹۲۵ء میں طبعی طور پر بصارت اور سماعت کھو بیٹھنے کی وجہ سے صرف محل تک محدود رہا۔ حکومت کی ساری ذمہ داریاں وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ نے سنبھالیں۔

میر محمود خان نے محل میں محدود ہونے کے باوجود بھی بڑے انتظامی اور نظم و نسق کے معاملات اپنے ہاتھ میں رکھے تھے۔ بقایا اندرونی ملکی معاملات سر شمس شاہ کے حوالے کی تھی۔ سر شمس شاہ' کو مقامی مؤرخوں نے جس طرح بُرا شخص اور اُن کے مخالفوں کو جتنا بڑا ہیرو اور اچھا پیش کیا ہے۔ صحیح نہیں ۔دراصل سر شمس شاہ پر براہوئی حاکم اور سرداروں کو مکمل اعتماد اور بھروسہ تھا۔ وہ ایک اچھا منتظم تھا۔ سیاست اور انتظامی امور میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ اُنہوں نے وقت کی نزاکت' عوامی دلچسپی کے امور کو مدنظر رکھ کر براہوئی حاکم' براہوئی سردار' انگریز حکمرانوں اور عوام کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن مؤرخین نے سر شمس شاہ کو عیار اور فریبی جیسے القابات سے بدنام کیا۔

۱۹۲۱ء میں جھل مگسی کے نواب قیصر خان مگسی اور اس کے بڑے بیٹے نواب زادہ گل محمد زیب کے مابین کسی مسئلے پر اختلافات پیدا ہوئے جو جلد ٹکراؤ کا شکل اختیار کر گئے چونکہ میر قیصر خان مگسی کی حیثیت باپ کے ساتھ نواب کی بھی تھی۔ اس لیے اُس کا پلہ بھاری رہا۔ گل محمد زیب اپنا حق حاصل کرنے کے لیے براہوئی حاکم محمود خان اور انگریزوں کے پاس چلا گیا۔

خان محمود خان نے سر شمس شاہ کو ہدایت دے کر اس مسئلے کو حل کرنے کو کہا۔ سر شمس شاہ' نے نواب قیصر خان مگسی سے روابط قائم کر کے اس مسئلے کو کسی طور سلجھانے اور ختم کرانے کا مشورہ دیا لیکن میر قیصر خان مگسی کسی طور اپنے مدعا سے ذرہ برابر بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہوا۔ اس نے گل محمد زیب مگسی کو ان کے برخوردارانہ حقوق دینے سے صاف انکار کیا۔ تب سر شمس شاہ کے فیصلے کے مطابق قیصر خان کو ملک بدر کیا گیا اور جھل مگسی کی جاگیر اور نوابی گل محمد زیب مگسی کے حوالے کیے گئے۔

میر قیصر خان مگسی کی کچھ اراضیات شاہ رکن علم کے درگاہ کے قریب بھی واقع تھیں۔ وہ ملک بدر ہو کر وہاں جا کر بس گیا۔ جہاں انھیں سخت مشکلات اور تکالیف کے ساتھ کٹھن زندگی گزارنا پڑی۔ اس طرح وہ ۱۹۲۷ء میں شاہ رکن عالم کے روضہ کے قریب (ملتان) میں فوت ہوا اور وہیں مدفن ہے۔

بعض بلوچ مؤرخین مگسی کو بلوچ قوم کا ایک قبیلہ قرار دیتے ہیں جبکہ سندھ کی تاریخ، اور لوک ادب میں انھیں سندھی قرار دیا گیا ہے اور ان کی قبر پر ''نواب قیصر خان مگسی ابڑو'' لکھا ہوا ہے۔

اچانک باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد گھر بار، اہل و عیال اور دیگر تمام بوجھ نوابزادہ یوسف عزیز مگسی کے کندھوں پر آیا۔ اس وقت ماسوائے اپنے قبیلہ کے چند لوگوں کے وہ تن تنہا تھے۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھنا، جائیداد سے محرومی، اپنے عزیز و اقارب سے دور دیس میں رہنا ان تمام محرومیوں کا احساس یوسف عزیز مگسی میں انتقامی سوچ پیدا کرنے کا موجب بنا۔ وہ اپنے بھائی سے تمام جائیدادیں بشمول نوابی واپس لینے کا تہیہ کیا جو براہوئی اور انگریز حکومتوں کو ناگوار تھا۔ خصوصاً سر شمس شاہ اس راستے میں سب سے بڑا رکاوٹ تھا۔ اسی لیے یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ لہٰذا انھوں نے اس کے لیے ایک متبادل راستہ ڈھونڈنے کا سوچا۔ کافی مشاہدہ اور تجزیہ کے بعد اسے سیاست اور صحافت کا راستہ مناسب لگا۔ چونکہ ان دنوں یہ دونوں ہتھیار بڑے موثر اور کارآمد تھے۔ یوسف عزیز مگسی ان کا سہارا لے کر اس منصوبے پر عمل کرنا شروع کیا۔ پہلی بار ۱۹۲۹ء میں ''مساوات'' اخبار میں ''فریاد بلوچستان'' کے نام سے ایک تحریر لکھی۔ بعد میں دوسرے جرائد اور اخبارات میں سر شمس شاہ، براہوئی حکومت اور انگریزوں کے خلاف لکھا۔ جب یہ اخبارات بلوچستان میں پہنچے تو انگریز، براہوئی حکومت اور عوام میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ ۱۹۳۰ء کے اواخر میں چھپ کے سبی پہنچا تا کہ وہ اپنے حمایتوں سے مل کر کچھ کر سکے۔ مگر انگریز سرکار نے ان کی ہر حرکت پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔ اسے اپریل ۱۹۳۱ء میں گرفتار کیا گیا۔ ایک جرگے کے فیصلے کے مطابق اس پر بارہ ہزار نو سو روپے جرمانہ، دس ہزار کی ضمانت اور ایک سال کے لیے نظر بند کرنے کی سزا سنائی گئی اور مستونگ جیل میں بند کر دیا گیا۔ (۷۳)

اس دوران مستونگ اور مچھ کے کچھ براہوئی اور بلوچ نوجوان (جو ادبی اور سیاسی شوق رکھتے تھے) نے جیل میں مگسی سے ملاقات کی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس کو سیاسی حمایت اور طاقت حاصل کرنے کا ایک سنہری موقع مل گیا۔ جیسے کہ ایک مگسی سوانح نگار رقمطراز ہے کہ:۔

''اس رابطے نے مگسی صاحب کے لیے وہ حالات اور اسباب پیدا کر لیے کہ وہ عمال سیاست میں قدم رکھیں........... یوسف فوراً ہی ان سے متفق ہو گئے...........(۷۴)

اس نے براہوئی اور بلوچ نوجوانوں کو اپنے سیاسی مقاصد اور جدوجہد کی طرف راغب کیا اور کہا کہ ہم سب براہوئی، دہوار، پشتون اور سندھی کی جھنجٹ سے آزاد ہو کر صرف ''بلوچ'' بن کر سر شمس شاہ اور انگریزوں کے خلاف جدوجہد کریں۔ اپنی حمایت و مدد کی خاطر مگسی نے دورانِ جیل ۱۹۳۱ء میں ایک سیاسی تنظیم بنام ''انجمن اتحاد بلوچاں'' کی بنیاد ڈالی۔ درج بالا دیگر اقوام (پشتون اور سندھی وغیرہ) نے اپنا نسلی قومی اور لسانی شناخت اور حیثیت برقرار رکھنے کی خاطر اس میں شمولیت نہیں کی لیکن براہوئی نوجوانوں نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اور غیر فطری طور پر بلوچ بن کر اس میں شامل ہو گئے۔ (۷۵)

یوسف عزیز مگسی اس دوران تنہائی کا شکار تھے اسلیئے بہت محتاط رہتے تھے اور کسی پر بھروسہ نہیں کرتے تھے جب انھوں نے ''انجمن اتحاد بلوچاں'' کو فعال کرنے کی ابتداء کی تو عبدالعزیز کرد اور ان کے ساتھیوں کو قرآن شریف پر دستخط کرنے کو کہا تا کہ ہمارے بیچ میں شاہد رہے۔ اس طرح وہ نوجوان (جو سیاست کے شائق تھے) نے قرآن شریف پر دستخط کر کے ان کو دھوکہ نہ دینے کی قسم اُٹھائی۔ اس کے بارے میں ایک لکھاری لکھتا ہے کہ:

''انجمن اتحاد بلوچاں میں..........شمولیت کا عمل بھی دلچسپ ہے۔ انجمن کے لوگ یاسین شریف پر دستخط کیا کرتے تھے۔ ایک علیحدہ عہد نامہ ہوا کرتا تھا۔ اس پر بھی دستخط کرنے ہوتے تھے اور یاسین شریف پر بھی۔ یہ بہت خفیہ عمل ہوتا تھا..........(۷۶)

اگر یہ تحریک واقعی رواداری، وسیع النظری اور اقوامی اتحاد کا مظاہرہ کرتا تو اس تنظیم کا نام ''انجمن اتحاد بلوچاں'' کے برعکس ''انجمن اتحاد بلوچستان'' یا ''انجمن اتحاد براہوئی و بلوچ'' ہوتا تو آج بلوچستان کی موجودہ سیاسی سوچ اور منظر نامہ کچھ اور ہوتا۔ موجودہ بلوچستان کی سرزمین پر یہ پہلی تنظیم تھی جس میں پہلی بار براہوئی نوجوانوں نے سیاست کرنے کے شوق میں اپنے قومی تشخص کو ختم کرنے کی رسم ڈالی۔ اس کے بعد جتنے بھی سیاسی اور تنظیمی تحریکیں چلیں ان سب میں براہوئی کو بلوچ بنا کر سیاست کرنے کی رسم دہرائی گئی۔ اس غلط رسم کا بلوچستان آج تک خمیازہ بھگت رہا ہے۔

انجمن اتحاد بلوچاں کے اہم اراکین میں عبدالعزیز کرد، براہوئی، محمد حسین عنقا، بلوچ اور ملک فیض محمد یوسفزئی، دھوار شامل تھے۔ ان نوجوانوں نے تنظیم بنانے کے بعد اسے خفیہ رکھا اور مگسی کی رہائی

کا انتظار کرنے لگے۔ جب مگسی جیل سے رہا ہوئے تو انجمن کے کارکنان نے ان کا استقبال کر کے انھیں کوئٹہ لے آئے اور ان کو ''انجمن اتحاد بلوچاں'' کا پہلا صدر مقرر کیا۔

انھوں نے پہلی فرصت میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے ریاست قلات کے وزیراعظم سرشمس شاہ کو ہٹانے کا پروگرام بنایا لیکن اس کے برعکس ایک مگسی سوانح نگار نے ان کا انجمن اتحاد بلوچاں کے پلیٹ فارم سے درج ذیل تین سیاسی نکات پر جدوجہد کرنے کی نشاندہی کی ہے:

۱۔ ملک میں اصلاحات نافذ کرنا۔

۲۔ روایتی بلوچ سرزمین کو متحد کرنا۔

۳۔ ایک آزاد، خودمختار اور متحدہ بلوچستان قائم کرنا۔(۷۷)

یہ تینوں سیاسی نکات مگسی کے صدر مقرر ہونے سے لیکر اعظم جان براہوئی کے برسراقتدار آنے تک وجود ہی نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ان کے لیے سیسی جدوجہد کرتے نظر آئے۔

مگسی کے مقصد کی تکمیل انجمن کے نوجوانوں سے نہیں ہو پارہی تھی۔ اس لیے انھوں نے ''مگسی ایجی ٹیشن'' کی بنیاد بھی رکھی۔ ایجی ٹیشن کے چند حمایتیوں کو جھل مگسی سے سندھ منتقل کروایا تا کہ ان کا مطالبہ عام ہو اور ان میں سے کچھ کو سرشمس شاہ کے خلاف وائسرائے ہند کی حمایت حاصل کرنے کے لیے دہلی بھیجا۔ مگسی کے اس اقدام کی سرشمس شاہ، انگریز اور براہوئی حکومت کو خبر ہوئی۔ انھوں نے اس سے قبل کہ وائسرائے ہند کچھ کرتے گل محمد زیب سے نوابی اور ساری جائیداد کے اختیارات واپس لے لیے۔

مھان سنگھ تحصیلدار کو بطور انچارج مقرر کیا جنھوں نے ساری جائیداد کو خوش اسلوبی کے ساتھ سنبھالا۔(۷۸) براہوئی حکومت کے اس اقدام سے مگسی پھر پریشان ہوا۔ انھوں نے اپنی سیاسی جدوجہد تیز کرنے پر زور دیا۔

انہی دنوں براہوئی حاکم میر محمود خان براہوئی بستر مرگ پر تھے۔ ان کو اپنی براہوئی بیوی سے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، جب کہ کنیزاؤں سے کئی نرینہ اولادیں تھیں لیکن براہوئی رسم و رواج کے مطابق کنیزاؤں کی نرینہ اولاد ''براہوئی قوم'' کے حاکم نہیں بن سکتے تھے۔ اس لیے وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے ہی ہاتھ سے اپنے بھائی محمد اعظم کو تاج اور تخت کی ذمہ داری سونپنا چاہتے تھے۔ جس کے لیے انھوں نے براہوئی سرداروں سے کہا کہ وہ اسے بُلا لائیں لیکن درپردہ محمود خان کی خواہش

انھیں ناگوار تھی۔ انھوں نے لیت و لعل سے کام لیا۔ اتنے میں محمود خان اللہ کو پیارے ہوئے اور وہ اپنا جانشین مقرر نہ کر سکے۔(۷۹) محمود خان کا بھائی محمد اعظم تخت کا واحد اور اصل حقدار تھا، انھوں نے تخت حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ شروع کی۔ سرشمس شاہ بھی اعظم جان کا حمایتی تھا لیکن امراء اور سرداروں نے اس سے انکار کیا۔ اس کے بدلے وہ انور خان کو جو ایک کنیز سے تھا، قلات کی تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ دوسری جانب محمد اعظم جان براہوئی اور اس کا بیٹا احمد یار خان دونوں اپنے حمایتی سرداروں اور امراء سے مل کر تخت و تاج حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ادھر انجمن اتحاد بلوچاں اور مگسی ایجی ٹیشن بھی زوروں پر تھی۔ محمد اعظم جان اور میر احمد یار خان نے ڈاکٹر فیض محمد شاہوانی اور دیگر کے ذریعے یوسف عزیز مگسی اور عبدالعزیز کرد سے تعلقات جوڑ کر ان کی حمایت حاصل کی۔ جس کا سرشمس شاہ کو پتہ چلا انھوں نے اعظم جان کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیے۔ محمد اعظم جان مجبوری میں اپنے ہر حمایتی کا جائز و ناجائز مطالبہ ماننے کے لیے تیار تھا۔ مگسی نے حمایت کرنے کے عیوض محمد اعظم جان اور اس کے بیٹے احمد یار خان سے ایک خفیہ معاہدہ کیا۔ جیسے کہ میر گل خان نصیر تحریر کرتا ہے:

> ''آخر کار ان کے ساتھ ریاست قلات میں ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی شرط پر سمجھوتہ کر کے انجمن اتحاد بلوچاں نے جہاں میر محمود خان کی جانشینی کے لیے شہزادہ میر محمد اعظم جان کی حمایت کا اعلان کر دیا......۔''(۸۰)

ایک اور بلوچ تجزیہ نگار محمد اعظم جان اور انجمن اتحاد بلوچاں کے مابین خفیہ معاہدہ اور باتوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ:

> ''اس تحریک سے شہزادہ محمد اعظم جان کے بھی خفیہ روابط تھے تا کہ وہ اس کو تخت قلات تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کے طور پر استعمال کر سکے۔ کسی سیاسی بلوچ تنظیم کا ظہور اور اس طرح سے خان قلات کے منصب کے حصول کی کوششوں میں ہاتھ بٹانے کا عمل، ایک بالکل نیا سیاسی عنصر تھا جو کہ انگریز اور سردار کے علاوہ خان کی خانیت کے تعین میں نمودار ہو رہا تھا۔ اس انجمن نے شہزادہ اعظم جان کی اس یقین دہانی کے بعد ان کی جانشینی کی عملی جہد میں حصہ لیا کہ وہ خان بننے کے بعد ریاست قلات میں ذمہ دار حکومت قائم کریں گے............۔''(۸۱)

یوسف عزیز مگسی اور عبدالعزیز کرد نے محمد اعظم اور اس کے بیٹے میر احمد یار خان سے جو خفیہ معاہدہ کیا وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہونے کے بعد یوسف عزیز مگسی کی سرداری اور ساری جائیداد واپس کردے گا۔

۲۔ محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہونے کے بعد ان مگسیوں کو جو سندھ کے طرف چلے گئے ہیں واپس جھل مگسی میں بسنے کی اجازت دے گا۔

۳۔ محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہونے کے بعد وزیر اعظم سر شمس شاہ کو وزیر اعظم کے عہدے سے ہٹا کر اس کے جگہ انجمن اتحاد بلوچاں، مگسی ایجی ٹیشن اور ان کے حمایتی سرداروں کی رضامندی اور اتفاق سے نیا وزیر اعظم مقرر کرے گا۔

۴۔ محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہونے کے بعد انجمن اتحاد بلوچاں اور مگسی ایجی ٹیشن کے اہم رہنماؤں اور اراکین کو ریاست قلات کی حکومت میں اہم منصب اور ملازمتیں دینے کا پابند ہوگا۔

۵۔ محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہونے کے بعد ریاست قلات کا نام تبدیل کر کے ''قلات بلوچی'' یا ''بلوچستان'' رکھے گا۔

۶۔ محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہونے کے بعد ریاست قلات (یا جو نیا نام رکھا جائے گا) میں سرکاری اور دفتری زبان فارسی کو ختم کر کے اس کی جگہ ''بلوچی زبان'' کو مذہبی، سرکاری اور دفتری زبان کے طور پر اپنانے کی منظوری دے گا۔

۷۔ ریاست کی ترقی و ترویج اور عوامی فلاح و بہبود کے لیے جو تجاویز انجمن اتحاد بلوچاں اور مگسی ایجی ٹیشن پیش کرے گی ان کو اولیت کی بنیاد پر منظور کر کے ان پر جلد از جلد قدم اٹھائے گا۔☆

درج بالا معاہدہ کے پس منظر میں ''گریٹر بلوچستان'' یا ''عظیم تر بلوچستان'' خیالی ریاست کی سوچ ضمناً سامنے آئی۔

اسی معاہدہ کے بعد براہوئی قوم کی تاریخ، زبان، ثقافت، تہذیب، علاقہ اور قومی تشخص کو بلوچ قوم کے نام قربان کر کے بلوچ کہلوانے اور پکارنے کی رسم شروع ہوئی۔

شہزادہ محمد اعظم جان اور احمد یار خان کا مگسی اور عبدالعزیز کرد سے معاہدہ طے پانے کے بعد مگسی اور عبدالعزیز کرد نے صحافتی اور ادبی ہتھیار کے طور پر پہلا وار سر شمس شاہ کے خلاف ایک کتاب ''شمس گردی'' سے کیا۔ جسے عبدالعزیز کرد نے لکھ کر محمد اعظم جان کے بیٹے سے شائع کروایا۔ جس میں انھوں نے ریاست قلات میں اصلاحات اور الیکشن کروانے کا خیال پیش کیا تا کہ دنیا کو باور کرایا جا سکے کہ ان کی سیاست اپنی سرزمین اور عوام کے حقوق کے حصول کے لیے ہے۔(۸۲)

''شمس گردی'' کتاب کی طباعت اور محمد اعظم جان کے حمایتی سرداروں کی تحریک نے انگریزوں کو قلات ریاست میں حاکم کی تبدیلی پر مجبور کیا۔ اور انگریز حکومت نے ریاست قلات پر محمد اعظم جان کو براہوئی حاکم مقرر کرنے کی حامی بھر لی۔ اس طرح وائسرائے ہند لارڈ ولنگٹن اور گورنر جنرل ہند نے ۲۸ اپریل ۱۹۳۲ء کو بمقام کوئٹہ، محمد اعظم جان کو ریاست قلات کا براہوئی حاکم مقرر کیا۔(۸۳)

خان اعظم جان براہوئی کی براہوئی قوم پرستی

محمد اعظم جان کے تخت نشینی کے دوران وائسرائے ہند لارڈ ولنگٹن نے جو تقریر کی، اس میں انھوں نے قلات کی حکومت کو حسب روایت اور حقیقتاً ''براہوئی کانفیڈریسی'' قرار دیا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

> ''یور ہائینس ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ آپ کو قلات کا والی اور بروہی کانفیڈریسی کا خان منتخب کرنے میں سرداروں نے دانشمندی سے کام لیا ہے۔..........اس لیے یہ امر حقیقی امتنان کا موجب ہے کہ آپ کی مسند نشینی کے لیے سرداران بلوچ و نیز سرداران بروہی کانفیڈریسی ہر دو نے متفقہ طور پر ایک آئین کے تحت اور قدیمی دستور کے مطابق رائے دی ہے..........۔''(۸۴)

رسم تاج پوشی کی اختتام پر براہوئی رسم کے مطابق وہاں پر موجود براہوئی نواب صاحبان، سرداران اور معتبرین بہ آواز بلند براہوئی زبان میں خان صاحب کو مبارک باد دی۔ ''خان صاحب مبارک مرے نُمے، خواجہ مبارک مرے نُمے'' وغیرہ یعنی خان صاحب آپ کو مبارک ہو وغیرہ۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ گل خان نصیر نے اپنی تاریخ میں لارڈ ولنگٹن کی مندرجہ بالا تقریر کے ''سرداران بروہی'' اور ''بروہی کانفیڈریسی'' کے الفاظ (بروہی) کاٹ کر اس کو یوں پیش کیا ہے:

''اس لیے یہ امر یقینی امتنان کا موجب ہے کہ آپ کی مسند نشینی کے لیے سرداران کانفیڈریسی نے متفقہ طور پر ایک آئین کے تحت اور قدیمی دستور کے مطابق رائے دی ہے.............'' (۸۵)

میر گل خان نصیر کی محولہ بالا تحریر میں ''بروہی'' لفظ کو جان بوجھ کر حذف کرنا ایک اخلاقی، علمی، تاریخی اور قومی خیانت ہے۔ بابائے براہوئی نے ایسے قلمکاروں کے بارے میں کہا ہے کہ:

''ہمیں یہاں انکار نہیں کہ براہوئی قوم کی بے تعصبی اور رواداری نے انھیں نقصان پہنچایا ہے جس کی وجہ سے ان کی تاریخ تو اپنی جگہ، نام تک ختم ہو جانے تک کا خطرہ تھا۔ لیکن اس کی حق پرستی کی وجہ سے کامل قدرت خود اس کی حفاظت کا سامان مہیا کر رہا ہے.............'' (۸۶)

آگے کہتا ہے کہ:

''چونکہ یہاں ہم اپنے بساط کے مطابق کوشش کریں کہ براہوئی قوم کی تاریخ سے وہ پردے ہٹائیں جنھیں وقت کے سیاسی مصلحت اور خود غرضوں نے گم کرنے کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں.............'' (۸۷)

محمد اعظم جان براہوئی، جیسے ہی براہوئی حاکم مقرر ہوئے تو سب سے پہلے یوسف عزیز مگسی نے اپنے خفیہ معاہدہ پر عمل کرنے کا وعدہ یاد دلا کر اپنی نوابی اور جائیداد کا مطالبہ کیا۔ براہوئی حاکم نے اس کے اس مطالبہ کو اسی وقت منظور کیا۔ جیسے کہ ایک بلوچ مؤرخ لکھتا ہے:

''اس نے ان کے بڑے بھائی سردار گل محمد مگسی کو جو خود بھی بڑے عالم اور نامور شاعر تھے، سرداری سے معزول کر کے اس کی جگہ نوابزادہ یوسف علی خان مگسی کو قبیلہ کا سردار بنایا.............'' (۸۸)

یوسف عزیز مگسی جس نوابی اور جاگیر کے حصول کے لیے سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے۔ اس کے بارے میں خان عبدالصمد خان اچکزئی لکھتا ہے کہ:۔

''مگسی سردار کی ساری جائیداد اور چالیس پچاس ہزار تپہ ان کے حوالے ہوا جو کہ وسیع زمیں اور اچھی خاصی ریاست تھی۔ زمینوں سے سالانہ لاکھوں روپوں کی پیداوار ہوتی تھی۔ اور قبیلہ بھی سردار کے کہنے پر جو کچھ مانگتا، دے دیتا۔ اس

جاگیر کا نام ''جھل مگسی'' ہے جس کی اپنی عدالت اور جیل ہے۔ یہ علاقہ منافع بخش دیگر اشیاء کے ساتھ قلات کے کچھ سرداروں کی طرح شراب کی اپنی بھٹی رکھتا تھا۔ جہاں ہندو ٹھیکیدار کے ہاتھوں شراب بنتی تھی اور چوری چھپے سندھ بھیجی جاتی تھی۔ منافع سردار کا.............'' (۸۹)

براہوئی حاکم نے اس کے بعد ان کا دوسرا مطالبہ سر شمس شاہ کو ہٹا کر پورا کیا۔

یوسف عزیز مگسی کا ایک سوانح نگار، براہوئی حاکم اور مگسی کے درمیان صرف ایک ایجنڈائی معاہدہ کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''تخت پر بیٹھتے ہی اعظم جان نے جو پہلا نیک اور اچھا کام کیا وہ سر شمس شاہ کی برطرفی تھی۔ خان نے اس کی جگہ خان بہادر گل خان کو نواب کا خطاب دے کر وزیر اعظم قلات مقرر کر دیا.............'' (۹۰)

یہ صحیح نہیں۔ دراصل خان براہوئی اور مگسی کے درمیان جو خفیہ سیاسی معاہدہ ہوا۔ اس کے سات اہم نکات تھے۔ ان میں سے براہوئی حاکم نے تین جلد ہی منظور کر لیے۔ جن میں ایک مگسی کو نوابی اور جاگیر واپس دی۔ دوسرا وزیر اعظم کی برطرفی تھی۔ تیسرا سندھ میں بسے ہوئے مگسیوں کو دوبارہ جھل مگسی میں بسانا تھا۔ جس طرح مگسی کا سوانح نگار خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ:

''قبائلی مسائل کی گرہ کشائی کے لیے نیا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اور ہجرت کردہ مگسیوں کو واپس بلایا گیا.............''۔ (۹۱)

نامور محققہ پروفیسر ڈاکٹر سیمی نغمانہ طاہر بھی، براہوئی حاکم کی طرف سے تین مطالبات پورا کرنے کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''دسمبر ۱۹۳۱ء میں خان قلات میر محمود خان دوم کی وفات کے بعد میر اعظم خان قلات کے خان مقرر ہوئے۔ جنھوں نے سر شمس شاہ کو معطل کر کے انجمن اتحاد بلوچستان (اصل میں بلوچاں ہے) کا دیرینہ مطالبہ پورا کیا اور خان بہادر گل محمد خان کو قلات کا وزیر اعظم مقرر کیا۔ قبائلی مسائل کے حل کے لیے نئے طریقے کار وضع کیے گئے اور ہجرت کردہ مگسیوں کو واپس بلایا گیا.............''۔ (۹۲)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ خان قلات نے مگسی کے سات میں سے تین اہم مطالبات کو من وعن پورا کر دیا۔ اب بقایا معاہدہ کے چار مطالبات کو براہوئی خان نے پورا کرنے سے انکار کیا۔ جن میں سے دو مطالبات معاہدہ کے مطابق نمبر ۵ اور ۶ درج ذیل تھے۔

۵۔ محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہونے کے بعد ریاست قلات کا نام تبدیل کر کے ''قلات بلوچی'' یا ''بلوچستان'' رکھے گا۔

۶۔ محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہونے کے بعد ریاست قلات میں (جو نیا نام رکھا جائیگا) سرکاری اور دفتری زبان فارسی کو ختم کر کے اس کی جگہ ''بلوچی زبان'' کو مذہبی، سرکاری اور دفتری زبان کے طور پر منظور کر دے گا۔

یہ دونوں نکات براہوئی قوم، براہوئی حکومت، براہوئی زبان کے لیے موت کے برابر تھیں۔ اس لیے براہوئی حاکم نے انھیں رد کیا۔

میر احمد یار خان جو اس خفیہ معاہدے کا ذمہ دار تھا اپنے باپ کے سامنے بے بس و بے دست و پا بن گیا اور چپ رہنے میں عافیت سمجھی۔ اس نے مگسی اور انجمن اتحاد بلوچاں کے اراکین کو حالات کی نزاکت کو سمجھنے اور حالات کے تقاضہ کے مطابق چپ رہنے اور مناسب وقت کا انتظار کرنے کو کہا اور انھیں یقین دلایا کہ وقت آنے پر وہ اپنا کیا ہوا وعدہ ضرور نبھائے گا۔ سارے بلوچ مؤرخین یہاں مگسی کے برعکس براہوئی حاکم کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور انھیں عہد شکن قرار دیتے ہیں لیکن وہ نہیں بتاتے کہ براہوئی حاکم نے اچانک منہ کیوں موڑا؟ اور بقایا معاہدہ کے نکات کو تسلیم کرنے سے کیوں انکار کیا؟ اور وہ کیا تھے؟۔ اس بارے میں ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ:

''میر محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہوئے لیکن اراکین انجمن کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب خان قلات منتخب ہوتے ہی میر محمد اعظم نے صرف ریاست قلات میں ذمہ دار حکومت قائم کرنے کے اپنے وعدے سے پھر گئے بلکہ انجمن مذکور کے وجود کو بھی ریاست قلات میں برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوئے..........۔''(۹۳)

مگسی کا ایک سوانح نگار لکھتا ہے کہ:۔

''گو کہ میر اعظم جان کی تخت نشینی میر یوسف علی خان اور اُن کے رفقاء کی بڑی

کامیابی تھی۔ یہ الگ بات ہے قانون اور اٹل حقیقت کی پیروی میں اعظم جان نے خان بن جانے کے بعد انجمن کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا..........(۹۴)

مگسی کو میر احمد یار خان کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ پھر بھی وہ خود اور عبدالعزیز کرد، ان براہوئی سرداروں سے ملے جو میر محمد اعظم جان کو خان قلات مقرر کروانے کی جدوجہد میں پیش پیش تھے۔ انھوں نے بھی خفیہ معاہدہ کے بقیہ نکات کو براہوئی قوم اور قومی تشخص کے خلاف قرار دے کر رد کیا۔ جیسے کہ ایک مؤرخ تحریر کرتا ہے:

''سر شمس شاہ وزیر اعظم قلات کی مخالفت کی وجہ سے جن قبائلی سرداروں نے انجمن کا ساتھ دیا تھا سر شمس شاہ کے رخصت ہو جانے کے بعد نہ صرف انجمن کے ساتھ قطع تعلق کیا بلکہ اس کی مخالفت پر بھی کمر بستہ ہو گئے..........۔''(۹۵)

یوسف عزیز مگسی کو جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو وہ عبدالعزیز کرد اور انجمن کے دوسرے ارکان کے ساتھ براہوئی حاکم کے خلاف کمر بستہ ہو گئے۔ انھوں نے اس کے خلاف سیاسی تحریک کی شروعات کی۔ تب براہوئی حاکم محمد اعظم جان براہوئی نے یوسف عزیز مگسی اور عبدالعزیز کرد کو قلات بلوا کر تنبیہ کی کہ وہ حکومت کی مخالفت سے باز آئیں اور لوگوں کو بغاوت پر نہ اُکسائیں۔ جیسے کہ ایک مؤرخ رقمطراز ہے:

''خان میر محمد اعظم جان نے میر عبدالعزیز کرد کو جو انجمن کے جنرل سیکرٹری تھے ازاں بعد میر محمد یوسف علی خان مگسی کو قلات طلب کر کے تنبیہ کی کہ وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں سے باز آئیں ورنہ ان کے خلاف سخت تادیبی کاروائی کی جائے گی۔''(۹۶)

مگسی کا ایک اور سوانح نگار بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ:۔

''نئے خان قلات میر اعظم جان سے انجمن کو جو توقعات تھیں وہ پوری نہ ہوئیں ان کے اور انجمن کے بیچ فاصلے بڑھتے گئے۔ خان نے اپنے مددگار انجمنی دوستوں کی آدرشوں کو صرف ترک ہی نہ کیا بلکہ وہ اُن کو سزا کی دھمکیاں بھی دینے لگے..........''(۹۷)

اعظم جان' کا خود کو براہوئی قرار دینے کا اہم ثبوت یہ ہے کہ ان کا، اراکین انجمن اتحاد بلوچاں اور یوسف عزیز مگسی کے مابین براہوئی اور بلوچ قومیت کے مسئلے پر نزاع چل رہا تھا کہ انہوں نے لاہور سے نامور صحافی اور کئی کتابوں کے مصنف مولوی دین محمد کو اپنے دور حکومت کے نظریات' قبائلی حیثیت اور خاندانی تاریخ پر ایک اچھی سی کتاب لکھنے کے لیے بلایا۔ جب مولوی دین محمد' محمد اعظم جان پر کتاب مرتب کرنے میں مصروف تھے تو ایک دفعہ براہوئی حاکم نے اسے بلا کر اپنے ساتھ کھانا کھلانے کا شرف بخشا۔ جیسے کہ خود مولوی صاحب رقمطراز ہے کہ:

''دوران قیام قلات میں وزیر اعظم صاحب کا مہمان رہا اور ایک شب ہز ہائینس نے بھی از راہ الطاف خسروانہ مجھے اپنے ساتھ کھانا کھانے کا شرف بخشا:

کلاہ گوشہ دہقان بآ فتاب رسید کے درجے پر پہنچا............'' (۹۸)

براہوئی حاکم نے مولوی دین محمد کے ساتھ اس ملاقات میں اپنے متعلق لکھی جانے والی کتاب کے مختلف پہلوؤں' اپنی نسل' زبان' قوم' خاندانی پس منظر پر سیر حاصل بحث کی اور اہم تجاویز دیں۔ جس میں انھوں نے خود' اپنے آباؤ و اجداد اور قوم کو ''براہوئی'' تحریر کروایا۔ مولوی دین محمد نے جب کتاب لکھی تو اس نے دوسرا باب ''شجرہ نسب خاندان بروہی'' کے نام سے لکھا اور اسے بلوچ سے علیحدہ قوم قرار دیا۔ مولوی دین محمد لکھتا ہے کہ:

''بروہی اپنے آپ کو غالباً براہیم کی اولاد سے منسوب کرتے ہیں یا بروھ کی وجہ سے بروہی ہو سکتے ہیں۔ بروہی عادات و خصائل کے لحاظ سے تو بلوچوں سے بالکل مختلف ہیں لیکن بادیہ نشینوں کی صفت ان میں بلوچوں کی سی ہے۔............ قوم بروہی کے اصل............ فرقے مشہور ہیں۔ ۱۔قنبرانی، ۲۔احمدزئی، ۳۔میروانی، ۴۔قلندرانی، ۵۔سالانی، ۶۔گرگناڑی، ۷۔ذگر مینگل۔ اگرچہ احمدزئی' قنبرانی سے نکلی ہے مگر اب علیحدہ نام ہے............ میروانی بروہی نے قلات پر قبضہ کیا تھا...... میر احمد خان اول بروہی نے قبضہ کیا۔......'' (۹۹)

مولوی دین محمد کی یہ کتاب جب ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو چھپی تو اس کو خان محمد اعظم خان براہوئی کی خدمت میں پیش کی گئی۔ جس نے نہ صرف اسے پسند کیا بلکہ اس کی بہت تعریف کی۔ اس طرح محمد اعظم جان نے سخت رویہ کے تحت بلوچ کے برعکس خود کو ''براہوئی'' قرار دیکر انجمن اتحاد بلوچاں کو مایوس کیا۔

میر احمد یار خان کا براہوئی قوم کو بلوچ میں انضمام کے اقدامات

محمد اعظم جان براہوئی ۹ دسمبر ۱۹۳۳ء کو وفات پائے تو میر احمد یار خان براہوئی ۲۰ ستمبر ۱۹۳۳ء کے دن قلات میں براہوئی ریاست کے حاکم مقرر ہوئے۔

جیسے ایک محقق رقمطراز ہے کہ:۔

"The khan of qalat late Mir Ahmed yar Khan was a Brahvi......(100)

میر احمد یار خان براہوئی پہلے سے انجمن اتحاد بلوچاں اور یوسف عزیز مگسی کے سیاسی نظریات کے حامی تھے۔ انہوں خان قلات مقرر ہوتے ہی مگسی کے ساتھ خفیہ معاہدہ پر عمل درآمد شروع کیا۔ جیسے میر گل خان نصیر تحریر کرتا ہے کہ:

''۱۹۳۳ء میں میر محمد اعظم جان' خان قلات نے وفات پائی۔ ان کے فرزند میر احمد یار خان' خان قلات مقرر ہوئے۔ انجمن اتحاد بلوچاں کے ساتھ مل کر میر احمد یار خان نے سر شمس شاہ کے خلاف اور اپنے والد بزرگوار کو خان قلات مقرر کرنے کے حق میں کام کیا تھا۔ اس لیے انجمن کو ان سے بڑی توقعات وابستہ تھیں............۔(۱۰۱)

مگسی کا ایک اور سوانح نگار بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ:

''میر محمد اعظم جان کی موت کے بعد ان کا بیٹا میر احمد یار خان ۲۰ دسمبر ۱۹۳۳ء کو قلات کے تخت پر بیٹھا۔ یہ خان بھی اپنے والد کی طرح انجمن کے آدھے پروگرام کا حامی تھا۔ لہٰذا اُس کی بادشاہی کے اولین دنوں میں انجمن کے کام میں کافی آسانیاں پیدا ہو گئیں''۔(۱۰۲)

مگسی نے میر احمد یار خان کے دور کو سنہری سمجھ کر حسبِ وعدہ' معاہدہ کے بقایا چار نکات پورا کرنے کی یاد دہانی کرائی جن میں سے درج ذیل ایک کو پورا کرنے پر زیادہ زور دیا:

''محمد اعظم جان' خان قلات مقرر ہونے کے بعد انجمن اتحاد بلوچاں اور مگسی ایجی ٹیشن کے اہم رہنماؤں اور اراکین کو ریاست قلات کی حکومت میں اہم منصب اور ملازمتیں دینے کا پابند ہوگا۔''

اور کہا کہ اس سے ایک طرف ہم آپ کے قریب آئیں گے اور آپ کے ہاتھ مضبوط کریں گے تو دوسری طرف براہوئی قبائلی سرداروں کی طاقت کمزور ہو جائیگی۔ حسبِ وعدہ میر احمد یار خان نے ریاست قلات میں انجمن اتحاد بلوچاں اور مگسی ایجی ٹیشن کے سینکڑوں نوجوانوں کو ملازمت دی۔ جیسے کہ ایک مؤرخ لکھتا ہے:

''چنانچہ میر احمد یار خان نے جہاں تعلیم یافتہ ملکی نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ملازمتوں میں لینے کے اقدامات کرائے وہاں درپردہ انھوں نے میر یوسف علی خان مگسی اور میر عبدالعزیز کرد کی قائم کردہ سیاسی ''انجمن اتحاد بلوچاں'' کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی بھی جاری رکھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام سیاسی کارکن جو شمس شاہی دور سے خفیہ طور پر سیاسی کام کر رہے تھے اب ایک ایک کر کے سیاست کے میدان میں ظاہر ہونا شروع ہوئے......۔'' (۱۰۳)

اس کے بعد مگسی نے خفیہ معاہدے کے نکتہ پانچ کو پورا کروانے کے لیے براہوئی خان کو کہا جو اس کا حمایتی تھا لیکن سارے براہوئی سردار اور معتبرین اس کے مخالف تھے۔ لہٰذا مگسی اس کی برآوری کے لیے سیاسی اقدامات کرنے لگ گئے۔ اس نے زندگی کے ہر شعبہ سے وابستہ مکتبہ فکر کے لوگوں میں راہ ہموار کرنا اور ملکی سطح پر بلوچ قومی سیاست منوانے کے لیے ''بلوچ'' کانفرنسوں کا انعقاد شروع کیا۔ جس سے ان کو درج ذیل سیاسی فائدے حاصل ہونے کی توقع تھی۔

۱۔ ''بلوچ قومی کانفرنسوں'' کے انعقاد سے ''بلوچ قومی سیاست'' کی سوچ جنم لے گی اور ''براہوئی قومی سیاست'' ختم ہو جائیگی اور براہوئی قبائلی سرداروں کو بلوچی قومی سیاست کے دھارے میں شامل کیا جا سکے گا۔

۲۔ ان کانفرنسوں میں بلوچستان کے پشتون، سندھی اور براہوئی قوم کے لوگوں و معتبرین کو مدعو کر کے انہیں بلوچ سیاسی فائدوں کے حصول کے لیے استعمال کیا جا سکے گا۔

۳۔ ان کانفرنسوں کے انعقاد سے نہ صرف براہوئی حاکم اور سردار بلکہ انگریز بھی ان کی بات ماننے پر مجبور ہوں گے اور اس کے سیاسی قد و کاٹھ میں اضافہ ہوگا۔

۴۔ ان کانفرنسوں کے انعقاد سے ''ریاست قلات'' کا نام ''ریاست قلات بلوچی'' یا ''بلوچستان'' میں تبدیل کرنے میں عوامی، سیاسی، اخلاقی مدد ملے گی۔

مگسی نے دن رات ایک کر کے ایک بڑی رقم سے ''پہلی کل ہند بلوچ کانفرنس'' جیکب آباد میں ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء کو منعقد کی۔ جس میں بلوچوں کے علاوہ پشتون، سندھی اور براہوئی قوم کے لوگوں نے ''بلوچ قوم'' کے نام پر یکجا ہو کر بلوچی قومی سیاست کی بنیاد رکھی۔

مگسی اور اس کے ساتھی اس کانفرنس کے بعد پہلی بار قومی سیاسی کارکن کے طور پر ابھرے۔

انہوں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محمد اعظم جان کے ساتھ کئے جانے والے خفیہ معاہدہ کے پانچویں نکتہ:

''محمد اعظم جان، خان قلات مقرر ہونے کے بعد ''ریاست قلات'' کا نام تبدیل کر کے ''ریاست قلات بلوچی'' یا ''بلوچستان'' رکھے گا۔''

کو پورا کروانے کے لیے اقدامات شروع کیے۔ مگسی نے اس سلسلے میں ایک تین رکنی سیاسی، تاریخی اور صحافتی کمیٹی تشکیل دی۔ جس میں سیاست کے حوالے سے وہ خود مقرر ہوئے۔ تاریخی اور تحریری مواد تیار و مشتہر کرنے کے لیے عبدالعزیز کرد، صحافتی دنیا میں راہ ہموار کرنے اور سیاسی خیالات کی تشہیر کے لیے محمد حسین عنقا کو مقرر کیا گیا۔ اس کمیٹی کے ارکان ''ریاست قلات'' کا نام تبدیل کرنے کے لیے کام انجام دینا شروع کیا۔ عبدالعزیز کرد نے یکے بعد دیگرے برٹش بلوچستان و ریاست قلات سے باہر کے اخبارات و جرائد میں کئی مضامین شائع کروائے۔ انھوں نے اپنے ان مضامین میں انگریزوں پر دباؤ ڈالا کہ:

۱۔ ریاست قلات میں عوام کے نمائندوں پر مشتمل اسمبلی قائم کی جائے۔

۲۔ بولان، شال (کوئٹہ)، نوشکی اور نصیر آباد کے مستجار علاقوں پر برطانوی اجارہ داری منسوخ کر کے ان علاقوں کو ریاست قلات میں شامل کر دیا جائے۔

۳۔ لسبیلہ، خاران، مری، بگٹی اور چاغی کے بلوچ قبائلی علاقے قلات کی قومی حکومت سے وابستہ کیے جائیں۔ (۱۰۴)

دراصل عبدالعزیز کرد، یوسف مگسی اور میر احمد یار خان یہ چاہتے تھے کہ درج بالا سارے علاقے دوبارہ ریاست قلات میں شامل کیے جائیں تا کہ خان اعظم نصیر خان نوری براہوئی دور کی جغرافیائی حدود میں ریاست قلات کے بدلے ''عظیم تر بلوچستان، قلات بلوچی'' یا ''بلوچستان'' کے نام سے نئی ریاست وجود میں لائی جائے۔ ۱۹۳۳ میں عبدالعزیز کرد نے ''عظیم تر بلوچستان'' کا ایک فرضی نقشہ تیار کر کے اسے اخبار ''البلوچ'' میں شائع کروایا۔ عظیم تر بلوچستان کا نقشہ ملاحظہ ہو:

اس نقشہ اور اس میں شامل علاقوں کے بارے میں سلیگ ہیریسن رقمطراز ہے کہ:

"عبدالعزیز کرد کی انجمن اتحاد بلوچاں کی جانب سے ۱۹۳۳ء میں کراچی سے نکلنے والے اس گروپ کے اخبار "البلوچ" نے ایک نقشہ شائع کیا جس میں عظیم تر بلوچستان کے طول و عرض اور سرحدوں کی نشاندہی کی گئی تھی......" (۱۰۵)

عبدالعزیز کرد نے اس نقشے میں خان اعظم خان نصیر خان نوری براہوئی کے دور کے جغرافیائی حدود والی ریاست قلات کے برعکس اس میں افغانستانی بلوچستان، ایرانی بلوچستان، قلات سے متصل سندھ کے بلوچ اکثریتی علاقے (جن میں خیر پور، کراچی، نوشہرو فیروز، پنو عاقل کے علاقے) پنجاب کے ڈیرہ غازی خان کے علاقے شامل کر کے ان سب کا نام "عظیم تر بلوچستان" رکھا۔ ایک بلوچ لکھاری عبدالعزیز کرد کے "عظیم تر بلوچستان" کے مفروضے کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ:

"میر عبدالعزیز کرد......موجودہ بلوچستان کو انگریزوں سے آزادی کے علاوہ "عظیم تر بلوچستان" کے قیام کے لیے بھی تحریک کا آغاز کیا جائے۔ جو ساحل سونمیانی سے مغرب میں آبنائے ہرمز (ایران) تک تقریباً نو سو میل طویل اور شمال میں دریائے ہلمند سے بحیرہ عرب کے ساحل سمندر تک بارہ سو میل تک پھیلا ہوا تھا۔ رقبہ کے اعتبار سے ان (میر عزیز کرد) کا بلوچستان موجودہ افغانستان سے بڑا تھا اور اس کا حدود اربعہ یہ تھا کہ شمال میں افغانستان، جنوب میں بحیرہ عرب، مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں ایرانی سرحدیں تھیں۔ میر نصیر خان کا یہ مقولہ ان کے پیش نظر رہا تھا کہ جہاں تک بلوچی زبان بولی جاتی ہے وہاں تک بلوچستان کی سرحدیں قائم ہیں۔ میر عبدالعزیز کرد کی تحریک کے حوالے سے میر عبدالرحمٰن کرد کہہ رہے تھے کہ خلیج فارس کے تقریباً سارے علاقے ایران کا چوتھائی جنوبی حصہ (جو آج کل ایرانی بلوچستان کہلاتا ہے) اور افغانستان کے صوبہ نیمروز، واھا اور چکنسور وغیرہ میر صاحب کے "عظیم تر بلوچستان" کی حدود میں شامل تھے......ایک مقصد "عظیم تر بلوچستان" کے لیے میر عبدالعزیز کرد میدان سیاست میں وارد ہوئے اور زندگی بھر اس کی حصول کے لیے کوشاں رہے......" (۱۰۶)

نصیر خان نوری کے مقولہ کی جہاں تک بات ہے کہ "جہاں تک بلوچی زبان بولی جاتی ہے وہاں تک میری حکومت کی سرحدیں ہیں" غلط بیانی پر مبنی ہے۔ خان نصیر خان نوری نے بلوچی زبان کے برعکس "براہوئی زبان" کے الفاظ استعمال کئے تھے۔ کیونکہ ریاست قلات کے جتنے بھی دور دراز کے علاقے تھے جن کو انھوں نے فتح کیا تھا وہاں پر انھوں نے براہوئی نائب اور نگران مقرر کیے تھے۔ مثلاً پنجگور پر قبضہ کیا تو وہاں میر بوہیر خان موسیانی براہوئی کو تین سو آدمیوں کے ساتھ نائب مقرر کیا۔ مکران پر حملہ کر کے فتح حاصل کی تو وہاں میر زرک زہری براہوئی کو سات سو براہوئی فوجیوں کے ساتھ اپنا نائب مقرر کیا۔ کشمیر کو قبضہ میں لانے کے بعد وہاں میر عبدالکریم رئیسانی براہوئی کو ایک ہزار براہوئیوں کے ساتھ اپنا نائب مقرر کیا۔ اسی طرح ہڑند و داجل اور دوسرے علاقوں پر بھی انھوں نے براہوئی مقرر کئے تھے۔ ایک دن مذاقاً افغانستان کے حاکم احمد شاہ ابدالی نے خان اعظم نصیر سے کہا کہ "اب آپ کی حکومت کی سرحدیں کہاں تک ہیں؟" تو انھوں نے جواب میں کہا تھا کہ "جہاں تک براہوئی زبان بولی جاتی ہے، وہاں تک ہیں" کیونکہ دور دراز کے علاقوں تک براہوئی بولنے والے براہوئی قوم کے لوگ نوری نصیر خان کی طرف سے حکومت کر رہے تھے۔ لیکن بعد کے "گریٹر بلوچستان" کے مفروضہ پر یقین رکھنے والے قلمکاروں نے "براہوئی" کے بدلے "بلوچ" استعمال کرنا شروع کیا۔

عبدالعزیز کرد نے جب "عظیم تر بلوچستان" کے حوالے سے مضامین شائع کروائے تو انگریزوں کو ریاست قلات اور برٹش بلوچستان میں سیاسی خطرے لاحق ہوئے۔ اس لیے انھوں نے جنوری ۱۹۳۴ء میں کرد کو زندان میں ڈال دیا۔ یوسف عزیز مگسی خوف سے فروری ۱۹۳۴ء کو انگلستان چلے گئے اور ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو واپس آئے اور ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کی رات کو کوئٹہ کے خوفناک زلزلے کا شکار ہو گئے۔ (۱۰۷)

میر احمد یار خان کو عبدالعزیز کرد کی گرفتاری اور یوسف عزیز مگسی کی موت نے اکیلا کر دیا اب وہ براہوئی سرداروں کے رحم و کرم پر تھا۔ اس لیے وہ حالات کو بھانپ کر دوبارہ ایک محتاط انداز میں "براہوئی قوم" کی بات کرنے لگا۔ میر احمد یار خان نے بحیثیت خان قلات ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۷ء کے اواخر تک جتنے بھی احکامات اور ہدایت نامے جاری کئے۔ ان احکامات میں "اقوام براہوئی" یعنی براہوئی قوم کے قبیلے کے الفاظ تحریر کروائے۔ خود کو براہوئی سرداروں اور دنیا کے سامنے براہوئی قوم کا ایک فرد اور حکمران تصور کرایا لیکن براہوئی کے ساتھ جان بوجھ کر بلوچ لفظ کو جوڑتا رہا۔ اس کے ایک

ہدایت نامہ پر جو انھوں نے ۶ نومبر ۱۹۳۷ء کو جاری کیا تھا' سے چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

''دربار عالیہ قلات

رسوم و رواجات غیر شرعی کہ در اقوام بلوچ و براہوئی از ایام قدیم بہ باعث کم علمی مروج شدہ باعث بربادی منزل باشندگان ریاست محسوس میشوند۔ متعلق اصلاح آن ہا در چند سال گذشتہ مابین سرداران بلوچ و براہوئی و حضور عالیجاہ پیوستہ تبادلہ خیالات جاری بود حسب درخواست ہائے وارئے متفقہ سرداران حکومت

حکم عالی شد آنکہ

از ایام قدیم در ریاست حکومت قلات مروجہ عمل عیوضانہ خون انسان لحاظ نسب و قومیت بر خلاف شعائر الاسلام رائج است کہ مطابق ان عیوضانہ خون مقتول اقوام معتبر و معزز بلوچ و براہوئی بمقابلہ عیوضانہ خون مقتول اقوام کمین' جٹ' جت' نقیب' مطرب' درزادہ و ہندو وغیرہ۔ بررائے جرگہ ہائے مختلف کم وبیش میباشند بروئے عدل وانصاف وشرعاً این رواج قابل تنسیخ وطریق مساوات را در ہر حال مرعی داشتن و رائج نمودن از روی احکام اسلام و شرع انور از لازمات است۔

بکند مجریہ ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

امضائے حضور اعلیٰ حضرت ہز ہائی نس بیگلر بیگی

خانصاحب بہادر والی ریاست قلات''

کرد کی گرفتاری اور مگسی کی موت کے بعد انجمن اتحاد بلوچاں کے سیاسی نظریاتی کارکن تین چار سال کی خاموشی کے بعد آہستہ آہستہ منظر عام پر آنے لگے۔ جو ۵ فروری ۱۹۳۷ء کو ''قلات نیشنل پارٹی'' کے نام سے ایک نئی سیاسی تنظیم بنا کر جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔ اس تنظیم کے اہم رکن اور باڈی میں صدر عبدالعزیز کرد' نائب صدر میر گل خان نصیر' جنرل سیکرٹری ملک فیض محمد یوسفزئی شامل تھے۔ جن کی اکثریت براہوئی تھی۔ اس تنظیم کی ساری کاغذی کاروائی ''براہوئی زبان'' میں ہوتی تھی۔ اس تنظیم کے وجود سے دوبارہ ''براہوئی قومی سیاست'' کو بلوچ قومی سیاست پر قربان کیا جانے لگا۔ میر احمد یار خان جو پہلے اکیلے رہ گئے تھے اب اس کی خیرخواہیاں اس تنظیم سے وابستہ ہوگئیں۔

ریاست قلات میں سرکاری اور تعلیمی زبان براہوئی کے برعکس بلوچی رائج کرنے کی کوشش۔

۱۹۳۶ء میں جب برصغیر میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد نمائندہ صوبائی وزارتوں کی تشکیل ہوگئی' تو سارے ہندوستان کی چھوٹی بڑی ریاستوں میں اسمبلیوں کی بنیاد پڑی۔ میر احمد یار خان نے بھی ریاست قلات میں ایک نیا آئین بنا کر نافذ کیا۔ جس کے تحت انھوں نے دو مقننہ ایوانوں دارالعوام (دیوان عام) اور دارالامراء (دیوان خاص) کی تشکیل کی۔ ان دونوں ایوانوں کے ۱۹۳۹ء تک کئی اجلاس منعقد ہوئے۔ جن میں سے ایک اجلاس میں میر احمد یار خان نے ''عظیم تر بلوچستان'' کے قیام کے سلسلے میں ''براہوئی زبان'' کے بجائے ''بلوچی زبان'' کو ریاست قلات میں قومی و سرکاری زبان قرار دیا۔ اس کی ترقی اور ترویج کے لیے ''بلوچی چھاپے خانہ'' کا قیام بھی عمل میں لایا۔ (۱۰۸)

اس کے ساتھ ۱۹۴۰ء میں انگریزوں سے بھی ریاست قلات کے سرکاری دستاویزات شائع کروانے کے لیے ایک جدید لیتھو پرنٹنگ مشین حاصل کی اور اسے مستونگ میں لگوایا۔ لیکن انھوں نے اس سے غیر فطری بنیادوں پر براہوئی علاقے میں بلوچی نظریات کی تشہیر کی۔ اسی سال انھوں نے براہوئی حکومت کی طرف سے اخبار ''کوہستان'' جاری کروایا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر محی الدین تھے۔ اخبار میں جب بلوچیت کے حوالے سے کام شروع ہوا تو براہوئی سردار' میر احمد یار خان سے ناراض ہوئے۔ اصل میں زمینی حقائق یہ تھے کہ اس علاقے میں دور دور تک براہوئی بولی جاتی تھی۔ اس لیے براہوئی علاقے میں فطرت کے خلاف بلوچیت کے حوالے سے کام شروع ہوا تو چند ہی پرچوں کے بعد یہ اخبار دم توڑ کر بند ہوگیا۔ اخبار تو بند ہوگیا مگر پریس میں محمد حسین عنقا' حسن نظامی پریس منیجر کے طور پر کام کرتے رہے۔ آزادی کے بعد پریس کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور آج بھی اس کی مشین گورنمنٹ پرنٹنگ پریس میں موجود ہے۔ (۱۰۹)

براہوئی نوابوں کا بلوچی زبان کی مخالفت

میر احمد یار خان نے جس اجلاس میں ''بلوچی زبان'' کو قومی اور سرکاری زبان قرار دیا اس میں براہوئی قوم کے اہم سرداروں اور معتبرین میں سے چیف آف سراوان میر اسداللہ خان رئیسانی براہوئی' چیف آف جھلاوان سردار میر نوروز خان زہری براہوئی اور مولانا محمد عمر پڑنگ آبادی نے بلوچی زبان کے برعکس براہوئی زبان کی حمایت کی اور سخت احتجاج کیا لیکن میر احمد یار خان نے سب سنی ان سنی کر کے حکم جاری کر دیا۔ حالانکہ ریاست قلات کی سرکاری زبان فارسی تھی اور عوامی زبان براہوئی جبکہ بلوچی زبان ریاست قلات کے اُن علاقوں میں بولی جاتی تھی جہاں بلوچ قبائل رہتے تھے۔ براہوئیوں میں سے ۹۰ فیصد لوگ اس زبان کو نہیں جانتے تھے۔ جیسے کہ ایک محققہ لکھتی ہیں کہ:

> ''ریاست قلات کی سرکاری زبان فارسی رہی اور اسی زبان میں اس کا تمام سرکاری اور دفتری کاروبار چلتا رہا۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۰ء تک رہا............ ریاست قلات میں ویسے عوامی زبان براہوئی تھی............'' (۱۱۰)

یہی محققہ آگے لکھتی ہیں کہ:

> ''۱۶۶۶ء سے ۱۶۹۵ء تک ریاست قلات کی شیرازہ بندی کا عہد ہے۔ ۱۹۳۰ء تک جس کی سرکاری زبان فارسی اور عوامی زبان براہوئی رہی......'' (۱۱۱)

یہاں اس محققہ کی بات قابل غور ہے کہ ۱۹۳۰ء تک براہوئی حکومت کی سرکاری اور عوامی زبانیں فارسی اور براہوئی تھیں تو پھر اس کے بعد بلوچی زبان کو ریاست قلات کی سرکاری اور تعلیمی زبان قرار دینے کی آواز کیوں زور پکڑ گئی؟

دراصل میر احمد یار خان نے یوسف عزیز مگسی اور عبدالعزیز کرد کے ساتھ ''انجمن اتحاد بلوچاں'' کے پلیٹ فارم سے جو خفیہ معاہدہ کیا تھا اس کا نکتہ نمبر چھ یہ تھا کہ:

> محمد اعظم جان' خان قلات مقرر ہونے کے بعد ریاست قلات یا جو نیا نام رکھا جائیگا' میں سرکاری اور دفتری زبان فارسی کو ختم کر کے اس کی جگہ ''بلوچی زبان'' '' کو مذہبی' سرکاری اور دفتری زبان کے طور پر منظور کر دے گا۔''

میر احمد یار خان جو خود یوسف عزیز مگسی کے نظریات کا حامی تھا اور سارے بلوچستان پر

مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے حکومت کرنے کا خواب دیکھنے کے چکر میں ''ریاست قلات'' کے نام کو ''عظیم تر بلوچستان'' اور براہوئی قومی تشخص کو ''بلوچ قوم'' میں تبدیل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا لیکن عبدالعزیز کرد کی گرفتاری اور مگسی کے موت کے بعد ریاست کا نام تبدیل کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

۱۹۳۵ء میں جب انڈیا ایکٹ منظور ہو گیا تو اس کے سر پر پھر عظیم تر بلوچستان بنانے اور مطلق العنان حکومت کرنے کا جنون سوار ہو گیا۔ قلات نیشنل پارٹی اس کی سیاسی حمایتی تنظیم تھی جس کی وجہ سے انھوں نے براہوئی سرداروں کو دوسرے نمبر پر رکھا۔ قلات نیشنل پارٹی کے اراکین مگسی کے مفروضات کے پیروکار تھے اور عزیز کرد اب تک زندہ تھا۔ اس نے عزیز کرد اور دوسرے پارٹی کارکنوں کے اصرار پر دوبارہ ریاست قلات کا نام تبدیل کرنے اور براہوئی زبان کے برعکس بلوچی زبان کو ریاست قلات کی سرکاری اور تعلیمی زبان قرار دینے کی کوشش کی تو اس وقت کے براہوئی سرداروں نے احتجاج کیا اس سلسلے میں بابائے براہوئی حضرت نور محمد پروانہ اصل حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> ''وہ اتنا بے نیاز (اللہ پاک) ہے کہ انھوں نے علامہ پڑنگ آبادی (مولانا محمد عمر صاحب) جیسے بے مثال بزرگ کو براہوئیوں کے لیے مستونگ میں پیدا کیا۔ مولانا پڑنگ آبادی صاحب اس وقت سے میرے کرم فرماؤں میں سے ایک ہے۔ جب اپنے سیاسی مقاصد کے لیے انگریزوں کے اشارہ پر بلوچستان کے موجودہ گورنر (احمد یار خان) اور اس وقت کے قلات ریاست کے خان' نے اس کو بہت سے رفیقوں کے ساتھ قلات بدر کیا۔ یہ ۳۹-۱۸۳۸ء کی بات ہے کہ ان کی ایمانداری کا تھوڑا سا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب قلات میں دیوان خاص اور دیوان عام بنانے کی بات اٹھائی گئی تو اس کو بھی عام دیوان میں ممبر مقرر کیا گیا۔ یاروں نے ''بلوچ ایمپائر'' کے خواب کو پورا کرنے کے لیے یہ تحریک چلائی کہ گورنمنٹ قلات کی سرکاری زبان ''بلوچی'' مقرر ہو۔ لیکن یہ حق پرست عالم ان دو تین ممبروں (یہاں چیف آف سراوان اور چیف آف جھلاوان کے سربراہوں کی طرف اشارہ ہے) میں سے ایک تھا' جنھوں نے

اس ذہنیت اور بات کو غیر حقیقی قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ ''**براہوئی زبان بھی ایک زبان ہے**'' ان کا یہ منصفانہ رول' تجویز اور تقریر دیوان عام کے کاروائی میں آج بھی محفوظ ہے۔ بشرطیکہ بعد کے آنے والے (بلوچ ذہنیت) اس کو اوپر نیچے یا ادھر اُدھر (یعنی گم) نہ کریں............''(۱۱۲)

۱۹۳۷ء میں جب قلات اسٹیٹ نیشنل پارٹی بنی تو عبدالعزیز کرد اس کے صدر اور میر گل خان نصیر جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے دونوں اور تنظیم کے ممبران براہوئی تھے۔ اس لیے قلات اسٹیٹ نیشنل پارٹی کی کاغذی کاروائی اور تقاریر براہوئی میں کی جاتی تھیں۔ جیسے کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی لکھتا ہے کہ:

''قلات نیشنل پارٹی کی ساری کاروائی براہوئی میں ہوتی تھی۔ اردو رسم الخط کے طرز پر لکھی جاتی تھی............''(۱۱۳)

لیکن جلد ہی براہوئی' اردو بولنے والے اور انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے میر احمد یار خان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا اور بلوچی زبان کے برعکس ''اردو زبان'' کو قلات ریاست کی سرکاری زبان کے طور پر مروج کرنے پر مجبور ہوگیا۔

''محمد علی جناح نے ۱۷جون ۱۹۴۷ء کو بیان جاری کیا کہ ''آئینی اور قانونی طور پر ہندوستان کی ریاستیں برطانوی اقتدار اعلیٰ کے ختم ہوتے ہی آزاد اور خودمختیار ریاستیں ہونگی اور اپنے لیے اپنی پسند کے مطابق لائحہ عمل اختیار کرنے میں آزاد ہونگی۔ ان کے لیے کھلی اجازت ہے......''(۱۱۴)

میر احمد یار خان نے جلدی سے براہوئی کانفیڈریسی میں شامل براہوئی اور بلوچ سرداروں اور تمنداروں کو متفق کرکے یکم اگست ۱۹۴۷ء کو ریاست قلات میں نیا آئین "Constitution of Kalat, Goverment of Kalat Act, 1947 Quetta" کے نام سے نافذ کیا۔ اس میں انھوں نے براہوئی زبان کے برعکس بلوچی زبان کو اہمیت دی۔ اس آئین کے شق نمبر ۷۴ میں ریاست قلات کی سرکاری اور قومی زبان کے متعلق تحریر ہے کہ:

"74: Language:-
The business of both houses shall be transacted in Urdu; provided that His

Highness may in his discretion direct that the text of all bills and the amendments thereto moved, and of all the acts passed by either house, which shall be treated as authoritative shall be in English or Persian or Baluchi, or in any one or more of these languages, and effect shall be given to such direction accordingly"(115)

میر احمد یار خان کا براہوئی زبان کے خلاف یہ دوسرا اقدام تھا۔ اس سلسلے میں وہ براہوئی زبان بولنا بند کرکے بلوچی زبان میں بات کرنے لگے۔ ایک دن چیف آف جھلاوان نواب رسول بخش خان زہری' میر احمد یار خان سے ملنے آئے تو انھوں نے اس سے براہوئی میں گفتگو کی مگر میر احمد یار خان نہیں بولے۔ بابائے براہوئی حضرت نور محمد پروانہؒ اس واقعہ کو یوں پیش کرتے ہیں کہ:

''نواب دودا خان مرحوم ناباوہ بزرگوار نواب رسول بخش خان مرحوم ہم نواب حاجی محمد خان شاہوانی مرحوم آن بار اعلیٰ حضرت خان احمد یار خان مرحوم نا مونان سخت احتجاج کرے کہ ''خواجہ نی نن تو براہوئی ٹی انتئے ہیت کپسہ وغیرہ وغیرہ............''(۱۱۶)

ترجمہ: نواب دودا خان مرحوم کے والد بزرگوار نواب رسول بخش خان مرحوم بھی حاجی محمد خان شاہوانی مرحوم کی طرح اعلیٰ حضرت خان احمد یار خان مرحوم کے سامنے سخت احتجاج کیا کہ ''جناب آپ ہم سے براہوئی میں کیوں نہیں بولتے وغیرہ وغیرہ''۔

میر احمد یار خان نے نہ صرف براہوئی زبان میں بات کرنا بند کی بلکہ فطرت کے برعکس شاہی محل میں براہوئی زبان کے بولنے پر پابندی لگادی اور براہوئی زبان کے بجائے بلوچی زبان بولنے کا نادر شاہی حکم صادر کیا چونکہ شاہی محل کے سارے ملازمین براہوئی' سندھی اور اردو بولتے تھے اور ان میں سے کسی کو بلوچی زبان نہیں آتی تھی اس لیے براہوئی' سندھی' فارسی بان اور اردو زبان بولنے والے ہمیشہ چپ رہتے تھے جس کی وجہ سے کچھ دنوں تک شاہی محل ''**گنگ محل**'' کے نام سے مشہور ہوا۔ خان صاحب نے براہوئی بولنے پر مبلغ پچاس روپے نقد جرمانہ مقرر کیا تھا۔ جس کی وجہ سے سارے براہوئی

نواب، سرداراور امراء احتجاجاً شاہی محل کا رخ نہیں کرتے تھے۔ جب یہ صورت حال پیدا ہوئی تو بلوچ پرست براہوئی خان نے مجبور ہو کر شاہی محل میں براہوئی بولنے کی اجازت دے دی۔

وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن، محمد علی جناح، لیاقت علی خان اور میر احمد یار خان (خان قلات) کے مابین ۴، اگست ۱۹۴۷ء کو گول میز کانفرنس کے فیصلوں کے تحت ایک تاریخی معاہدہ طے ہوا۔ جس کے اہم نکات ۱۱، اگست ۱۹۴۷ء کو ایک اعلامیہ کی صورت میں آل انڈیا ریڈیو سے نشر کیے گئے۔ جس میں ایک نکتہ یہ تھا کہ:

''حکومت پاکستان، قلات کو ایک آزاد اور خود مختار ریاست کی حیثیت سے جو ہندوستان کی ریاستوں سے مختلف ہے تسلیم کرتی ہے......۔''(۱۱۷)

میر احمد یار خان نے خوشی سے دوسرے صبح ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء بروز جمعہ ریاست قلات کی آزادی کا اعلان کیا اور جمعہ کے خطبہ میں بار بار ''عظیم تر بلوچستان'' کے قیام کا دعویٰ کیا۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں دوبارہ دو ایوانوں کے قیام کے سلسلے میں الیکشن کرائے۔ جس میں ''قلات نیشنل پارٹی'' جو اس کی حمایت دار تھی، بڑی اکثریت سے جیتی۔ جس کی وجہ سے میر احمد یار خان کو براہوئی سرداروں کی طاقت کے مقابلے میں زیادہ طاقت اور حمایت حاصل ہوئی۔ جیسے کہ ایک بلوچ تجزیہ نگار لکھتا ہے:

"Soon after the promulgation of the constitution, election were held in Kalat state for the first time in the history of Balochistan. The Kalat state National Party won 39 out of a total 51 seats in the house.........."(118)

ان دونوں ایوانوں کے کئی اجلاس ڈھاڈر میں منعقد ہوئے۔ جن میں سے ایک میں میر احمد یار خان نے تیسری بار براہوئی زبان کے برعکس بلوچی زبان کو ریاست قلات میں قومی اور سرکاری زبان کے طور پر منظور کیا۔ اس سلسلے میں ایک مؤرخ تحریر کرتا ہے کہ:

''دیوان عام نے اپنے سہ روزہ اجلاس میں.......... بلوچی حکومت (بلوچی زبان کو) قلات کی سرکاری اور قومی زبان تسلیم کر کے اسکولوں میں رائج کرنے کی سفارش قابل ذکر ہیں..........۔''(۱۱۹)

براہوئی حاکم نے بلوچی زبان کو نہ صرف ریاست قلات میں سرکاری اور تعلیمی زبان کے طور پر منظور کیا بلکہ ایک کمیٹی بھی تشکیل دی۔ جیسے کہ ایک بلوچ لکھاری لکھتا ہے:

''دو دن بعد یعنی ۱۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ڈھاڈر میں دیوان عام کا اجلاس ہوا۔ اس میں ایوان نے بلوچی زبان کو بلوچستان کی قومی اور سرکاری زبان قرار دے دیا اور بلوچی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔''(۱۲۰)

اس اجلاس میں کئی براہوئی سرداروں نے دوبارہ بلوچی زبان کو قومی و سرکاری زبان کے طور پر منظور کرنے کی سخت مخالفت کی لیکن میر احمد یار خان کو قلات نیشنل پارٹی کی حمایت اور اکثریت حاصل تھی، اس لیے سرداروں کی آواز اور احتجاج اکثریت کی آواز میں دب گئی۔ میر احمد یار خان کی بلوچی سیاست اور بلوچ شاؤنزم کے بارے میں ایک نامور نقاد اور مؤرخ رقمطراز ہے کہ:

اس نے (میر احمد یار خان) بلوچ شاؤنزم کو بہت اُبھارا، لیکن اس کی یہ تدبیر خود اس کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس طرح بلوچستان کے غیر بلوچ عوام کی بھی قبائلی اور نسلی عصبیت کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی اور اس پسماندہ صوبے کے مختلف نسلی، لسانی اور ثقافتی گروہوں کے درمیان سیاسی، معاشرتی اور معاشی تضادات کی شدت میں اضافہ ہوا.................۔''(۱۲۱)

بابائے براہوئی گریٹر بلوچستان کے سیاسی مفروضہ کے بارے میں کہتا ہے کہ:

''بلوچستان میں صرف دو قوموں بلوچ و پختون تسلیم کرنا ایک سیاسی خوش فہمی ہے۔ اب ''گریٹر'' سے بعید از قیاس ہوش و خرد، تواریخی اور ثقافتی حقیقتوں سے بہت دور مفروضہ ہے۔ جس کا نہ پہلے تاریخ سے قبل کے دور میں وجود تھا اور نہ ہی آج ہے اور نہ ہی اس کے بعد ہو سکتا......۔''(۱۲۲)

میر احمد یار خان نے اس سلسلے میں دو کتابیں ''Inside Balochistan'' اور ''مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین'' اور تین چار کتابچے اپنے نام لکھوائے، جن میں جان بوجھ کر ''ریاست قلات، حکومت قلات، والی قلات، بادشاہ قلات، خان قلات'' کے ناموں کو ''ریاست قلات بلوچی، قلات بلوچی، حکومت بلوچ اور بلوچ حاکم'' کے الفاظ لکھوائے۔ (ملاحظہ ہو میر احمد یار خان کا ذاتی کھتونی) یہی طریقہ انھوں نے ریاست قلات کے قدیم دستاویزات میں بھی استعمال کیا اور ان میں بھی یہی تبدیلیاں لائیں۔

کچھ عرصہ بعد خفیہ طور پر حکومت پاکستان نے ۷ (سات) اور ۱۷ مارچ ۱۹۴۸ء کو بالترتیب لسبیلہ اور مکران کی ریاستوں کا پاکستان کے ساتھ الحاق کروایا اور بعد میں میر احمد یار خان جو ''عظیم تر بلوچستان'' اور بلوچوں کے خان اعظم بننے کا خواب دیکھ رہا تھا نے ۲۷ مارچ ۱۹۴۸ء کو ریاست قلات کا الحاق پاکستان سے کیا۔ اسی اقدام سے یوسف عزیز مگسی، عبدالعزیز کرد اور میر احمد یار خان کا ''عظیم تر بلوچستان'' اور ایک قوم اور ایک زبان کا سیاسی خواب اور سیاسی سوچ شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ دوسرے غیر بلوچ اقوام کو قدرتی طور پر ان کے حقوق کے حصول کے لیے راہیں ہموار ہوئیں۔

براہوئی قومی سیاست کی ابتداء

بابائے براہوئی حضرت علامہ نور محمد پروانہؒ ۱۹۳۵ء کے بعد عبدالصمد اچکزئی کے ''انجمن وطن بلوچستان''، حیدر بخش جتوئی کی ''سندھ ہاری کمیٹی'' اور کانگریس میں اپنی سیاسی سرگرمیاں انجام دے رہے تھے۔ وہ میر احمد یار خان کے براہوئی قوم سے متعصّبانہ اقدامات اور مخالفانہ رویوں سے سخت نالاں تھے۔ اس لیے انھوں نے براہوئی قومی تشخص اور زبان کو بچانے کے لیے ۱۱ مئی ۱۹۵۲ء کو جیکب آباد میں ''آل پاکستان براہوئی جماعت'' کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد تھا کہ:

> ''براہوئی نسل، قوم، ثقافت، زبان اور تاریخ کے لحاظ سے اپنی قسمت (یعنی شناخت) کے مالک ہیں اور علیحدہ قوم ہیں۔ ان کی خصوصیت ہر جگہ یہاں وہاں ظاہر ہے...............'' (۱۲۳)

بابائے براہوئی، براہوئی قوم کو بیدار کرنے اور ان میں احساس محرومی ختم کرنے کے لیے مخاطب ہو کر کہا کہ:

> ''او براہوئی!
>
> آپ اس پاک سرزمین کے سب سے قدیم ترین باشندوں میں سے ہیں۔ نو وارد نہیں ہو............ آپ کی موجودگی کے قدیم مثالیں مہرگڑھ اور موہنجودڑو میں دکھائی دیتے ہیں اور کہلواتے ہیں (یعنی ان تہذیبوں کی تحریر اور نسل کو براہوئی سے منسوب کیا گیا ہے) جب ان ٹیلوں سے دریافت شدہ تحریر پڑھی جانے لگی اور آپ کی زبان ''براہوئی'' قرار دی گئی تو پھر نہیں جانتا کہ آپ کے

> مخالف (جو براہوئیوں کو بلوچ قرار دیتے ہیں) یہ بدباطن کہاں غرق ہوں گے...........'' (۱۲۴)

بابائے براہوئی نے نہ صرف اپنے قوم میں حقوق کے حصول کے لیے بیداری کی کوشش کی بلکہ ان کو اپنے مخالفین کی حرکات و مخالفت کے طور طریقوں اور کئے جانے والے ظلم و استبداد سے بھی آگاہ کیا تاکہ وہ اپنے مخالفوں کی مخالفانہ حرکات کو سمجھ اور جان کر اپنے سیاسی قبلہ کو درست کریں کیونکہ انجمن اتحاد بلوچاں سے لے کر قلات نیشنل پارٹی اور میر احمد یار خان کی حکومت کے دم توڑنے تک ہمیشہ براہوئی مخالفوں نے براہوئی لوگوں کے ذریعے براہوئی مخالفانہ سیاست کی داغ بیل ڈالی۔ تاکہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ آج بھی اسی طریقہ کار کے مطابق براہوئی قوم کے بعض افراد براہوئی مخالفت میں پیش پیش ہیں۔ اس مخالفت میں وہ تمام قبائلی رسم و روایات اور اخلاقی اقدار کی بھی پرواہ نہیں کرتے بلکہ کسی کی عزت اور احترام کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ لڑنے جھگڑنے پر بھی اُتر آتے ہیں۔ بابائے براہوئی ان جیسے آستین کے سانپوں کی اصلیت ظاہر کرتے ہوئے ان سے ہوشیار رہنے کے لیے کہتا ہے کہ:

> ''ایک مخصوص سیاسی سوداگروں کا ٹولہ (جو براہوئی ہوتے ہوئے بھی براہوئی مخالفت پر کمربستہ ہیں) علم و ادب اور اخلاق کے سارے حدود پھلانگ کر وقتی طور پر غرض اور مصلحت کے بنا پر بے مہابہ اور بے خیر و حرکات سے اپنے ہزاروں خرابیوں/سازشوں کو اپنایا ہے......'' (۱۲۵)

بابائے براہوئی آگے واضح طور پر کہتا ہے کہ:

> ''جہاں تک اصل حقیقت کا تعلق ہے...... کون اس سے واقف نہیں کہ کون سا براہوئی......؟ کیسا براہوئی......؟ کیوں اپنی زبان سے نفرت کرتا ہے......؟ اگر ہمیں اجازت ہو تو ہم یہاں نہایت ادب اور دلسوزی سے صرف اتنا عرض کریں گے کہ یہ نفرت اپنے ضمیر کے مطابق نہیں، مگر پیٹ گذر، دوسروں کی خوشنودی کے لیے ہو رہا ہے۔ ویسا تو ہمارا شریف اور عزت دار بلوچ بھائی اور کچھ دوسرے وہ بھی زیادہ تر غیر بلوچستانیوں سے ہماری مخالفت نہیں ہو رہی

ہے وہ ہماری زبان اوران کے بولنے والوں کو اتنا خراب نہیں کہتے جتنا ہمارے اپنے براہوئی کہنے والے مخالفت کررہے ہیں..........۔'' (۱۲۶)

وہ آگے لکھتا ہے کہ:

''دلی افسوز کے ساتھ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ براہوئی دنیا کی واحد قوم ہے جس کے کچھ لوگ اپنے اصل نسل سے انکار اپنے آپ کو دوسروں کے علم وادب' ثقافت' تواریخ اور روایتوں کے پیچھے دوڑنے میں کوئی بھی عار اور گھٹیا پن محسوس نہیں کرتے..........۔'' (۱۲۷)

بابائے براہوئی نے اپنی سیاست اور نظریہ کو براہوئی قوم کی نسل' زبان' کلچر' زمین اور تاریخ پر منحصر رکھا۔ جن لوگوں اور تنظیموں نے براہوئی قوم کو بلوچ قوم کے نام پر قربان کرکے اس کی ہزاروں سالوں کی تاریخ' روایات' ثقافت' زبان اور قدامت کو ختم کرنے کی سازشیں کیں' کے خلاف سخت اور مستحکم آواز اٹھائی اور براہوئی قوم کو بلوچ قوم سے علیحدہ اور مختلف قوم قرار دیا۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی اسی سیاسی نظریہ کے تکمیل کے لیے وقف کی۔ انہوں نے اس سیاسی نظریے کو کن حالات میں کہاں تک پیش کیا' کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ:

''مجھے فخر ہے کہ اس پرفریب (بلوچ شاؤنزم مفروضہ کے زیر اثر) ماحول میں ہم نے ''براہوئیات'' (یعنی براہوئی' بلوچ نہیں ایک علیحدہ قوم ہے) کا نعرہ لگایا۔ براہوئی قومیت (قوم) کو مخالفوں کے مکر اور فریب سے بچایا۔ شہر تو شہر بیابان' میدانوں میں بھی براہوئی اور زبان کا مستانہ نعرہ لگایا..........۔'' (۱۲۸)

بابائے براہوئی کی دوستی چیف آف سراوان نواب غوث بخش رئیسانڑی شہید سے ہوئی' جس کی دوستی نے بابائے براہوئی کو کُندن بنادیا۔ نواب غوث بخش رئیسانڑی اس گھرانے کے چشم و چراغ تھے جن کے آباؤ واجداد نے ہمیشہ اپنا بے دریغ خون دے کر براہوئی قوم' زبان' تاریخ اور روایات کی آبیاری کی اور اسے ہمیشہ نئی زندگی بخشی ہے۔ چیف آف سراوان چونکہ خود بھی براہوئی قوم کو بلوچ سے علیحدہ تسلیم کرتے تھے۔ اس لیے بابائے براہوئی کو اس کی دوستی اور تجاویز نے بڑی سیاسی' قبائلی طاقت مہیا کی۔ نواب غوث بخش رئیسانڑی کے نظریات کے بارے میں ایک قلمکار تحریر کرتا ہے کہ:

''نواب میجر غوث بخش رئیسانی' بلوچ اور براہوئی کی تفریق پر پختہ یقین رکھتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ براہوئی قبائل اس خطہ کی اقوام کی باقیات ہیں اور قدیم دراوڑی کے زیادہ قریب ہیں..........۔'' (۱۲۹)

بابائے براہوئی کی جب نواب رئیسانڑی سے دوستی ہوئی تو اس نے اپنے سیاسی نظریات کی کھلم کھلا تشہیر اور تبلیغ شروع کی۔ وہ اس سلسلے میں قلات نیشنل پارٹی کے نائب صدر میر گل خان نصیر سے ملنے کے لیے گئے تاکہ وہ ایک براہوئی ہیں اور بلوچ قوم کی سیاست چھوڑ کر براہوئی قوم کی سیاست کرنے میں اس کے ساتھ شامل ہوجائے۔ اسی ملاقات کی روئداد بابائے براہوئی ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ:

''آج محترم میر گل خان نصیر صاحب ذگر مینگل سے اسٹینڈرڈ ہوٹل میں ملاقات کے لیے گیا...... براہوئی تنظیم کے حوالے سے اس اور دوسرے دوستوں سے ملاقات کی اور بحث ہوا لیکن وہ (یعنی میر گل خان نصیر) نے اس بات کو نقصان دہ خیال کیا اور بلوچ اور براہوئی کو ایک قرار دیا۔

براہوئیوں کا علیحدہ تنظیم قائم کرنے کو نقصان دہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اگر براہوئی جدا ہوئے تو بلوچ اس کے دشمن بنیں گے......وغیرہ......۔'' (۱۳۰)

بابائے براہوئی نے ان کی باتوں کا برا نہیں منایا' اپنا سیاسی مقصد جاری رکھا اور اپنے نظریے کا ہر جگہ پرچار کیا۔ اس طرح سندھ اور بلوچستان میں ہزاروں لوگ اس کے نظریاتی حامی اور کارکن بن گئے۔ جس سے براہوئی مخالف عناصر بہت نالاں رہے۔ قلیل عرصے میں بابائے براہوئی نے بڑی کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد دوبارہ میر گل خان نصیر کے پاس اپنے سیاسی نظریے کی تبلیغ کے لیے گئے' اس وقت میر گل خان نصیر نے بابائے براہوئی کو جو کہا وہ جملے حسب ذیل ہیں:

''او پروانہ!

آپ میں مجھے فرنگی کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ آپ ہمارے عظیم تر بلوچستان اور بلوچ قوم کے خلاف کام کررہے ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے رائفل کی گولی کو زیاں کرنا مناسب نہیں' بلکہ آپ کی سزا یہ ہے کہ آپ پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی جائے..........۔'' (۱۳۱)

بابائے براہوئی ایک غریب اور نچلے طبقے کا سیاستدان تھا۔ اس لیے انھیں نوابوں اور سرداروں کے بیچ مضبوط سیاسی اثر ورسوخ حاصل نہ ہوا۔اسی وجہ سے انھوں نے عملی سیاست کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا۔اس کے بعد نواب رئیساڑی اور اپنے ہم خیال دوستوں کے صلاح مشورہ سے۲۴فروری ۱۹۶۰ءکوایک پندرہ روزہ اخبار''ایلم'' مستونگ کا اجراء کیا۔ پھراپنی ساری زندگی اس اخبار کے اجراء،اپنے سیاسی نظریات اور براہوئی قوم میں سیاسی بیداری پیدا کرنے میں صرف کی۔ انھوں نے اس اخبار کے ذریعے سندھ،بلوچستان اور بیرون ملک' براہوئی تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک بڑی تعدادکواپنے سیاسی نظریات کا حامی بنا کراپنا بازو بنایا۔آج جہاں کہیں بھی براہوئی زبان کے قلمکار موجود ہیں وہ بابائے براہوئی کے محنتوں کا نتیجہ ہے۔

بابائے براہوئی نے جب''ایلم'' اخبار کا اجراء کیا تو انھوں نے اس میں اپنے نظریات کی تشریح اور تبلیغ شروع کی جو براہوئی مخالفوں کو ناگوار گزری۔ جنھوں نے اس پرگھٹیا اور غیر اخلاقی نام رکھ کراسے قومی نفاق ڈالنے والا قرار دیا۔ وہ خوداس کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ:

''جس دن سے''ایلم'' کا اجراء ہوا ہے۔اسی دن سے لے کر بلکہ اس سے بھی بہت پہلے اور اس وقت سے جب کہ میں براہوئی قوم (قبائل) اور براہوئی (زبان) کی خدمت کا کام اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھایا ہے' کمزور بازوؤں میں لیا ہے............ براہوئی بلوچ اور دوسرے ہم وطنوں میں سے تمام چھوٹے سے ایک گروہ نے جو زیادہ تر لادین خیالات کے افراد مجھے اور اپنے براہوئی اور بلوچوں کے درمیان نفاق ڈالنے والا اور بے اخوتی کا بیج بونے والا بلکہ دشمن اور نام نہاد''بلوچ ازم'' بلوچیت اور بلوچ قومیت کا ایک بدخواہ ظاہر اور ثابت کرنے کی ناکام کوشش' انھیں دنوں سے تاحال کر رہا ہے۔''(۱۳۲)

بابائے براہوئی نے اپنے مخالفوں کی کوئی بات نہ سنی اور اپنے نظریات کی تبلیغ اخبار کے توسط سے کرتے رہے۔ جو خود کو بلوچ کہلاتے تھے جن میں سردار عطاء اللہ مینگل' آغا عبدالکریم خان احمد زئی' میر گل خان نصیر اور دوسرے شامل تھے۔(دیکھیئے ضمیمہ نمبر ۱)

پاکستان کے صدر جنرل محمد یحییٰ نے ۲۸ مارچ ۱۹۷۰ءکو''ون یونٹ'' ختم کر کے ملک

میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا اور پہلی بار یکم اپریل ۱۹۷۰ءکو بلوچستان کو صوبائی حیثیت دی گئی۔ ۷ دسمبر کو قومی اسمبلی اور ۱۷ دسمبر ۱۹۷۰ءکو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ بلوچستان میں کل ۲۱ نشستیں تھیں۔جن میں آٹھ نشستیں نیپ ولی گروپ نے جیتی جن میں پہلی بار کچھ براہوئی بولنے والے سردار عطاءاللہ مینگل' غوث بخش بزنجو' میر گل خان نصیر اور دیگر کامیاب ہوئے۔ یکم مئی ۱۹۷۲ءکو صبح ۹ بجے اس وقت کے گورنر چیف آف سراوان نواب غوث بخش رئیساڑی نے اسمبلی کا اجلاس بلایا۔ بالآخر نیپ اور جمعیت علماء اسلام' ۲' مئی ۱۹۷۲ءکو بلوچستان میں مخلوط حکومت بنانے میں کامیاب ہوئے اور یوں گورنر غوث بخش بزنجو' وزیراعلیٰ سردار عطاءاللہ مینگل اور وزیر تعلیم میر گل خان نصیر مقرر ہوئے۔(۱۳۳) یہ تینوں شخصیات عبدالعزیز کرد' یوسف عزیز مگسی اور میر احمد یار خان کے سیاسی نظریات اور مفروضات کے حامی اور پیروکار تھے۔ جن کا مقصد بلوچستان کو''عظیم تر بلوچستان'' یا''گریٹر بلوچستان'' بنا کے''ایک قوم اور ایک زبان'' یعنی بلوچ قوم اور بلوچی زبان رائج کر کے آزاد حیثیت سے حکومت کرنا تھی۔اس دوران براہوئی قوم کی کوئی علیحدہ حمایتی سیاسی جماعت نہ تھی جو براہوئی قوم کے حقوق کے لیے جدوجہد کرتی۔ صرف بابائے براہوئی حضرت نور محمد پروانہ مذکورہ بالا اخبار کے ذریعے اپنے نظریات اور براہوئی حقوق کی بات کرتے تھے۔ نیپ کی حکومت برسراقتدار آئی تو اس میں شامل اراکین براہوئی قوم کے صف اول کے مخالف تھے اور بابائے براہوئی کے نظریات اور سیاسی خیالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اسی لیے انھوں نے اس کے ساتھ ریاستی دشمنی کا نہ صرف آغاز کیا بلکہ اس کے اخبار کے اشتہارات بند کر دیئے۔ اخبار کے بنڈلوں کو راستے سے گم کروایا اور ان کو ہراساں اور پریشان کرنا شروع کیا۔ لیکن بابائے براہوئی نے گھٹنے ٹیکنے کے بجائے ان کا نہ صرف دیدہ دلیری سے مقابلہ کیا بلکہ براہوئی قومی حقوق کی بات کو اور موثر طریقے سے پیش کیا۔

براہوئی لسانی تحریک کی ابتداء

نیپ کی حکومت بنتے ہی صوبے میں ''گریٹر بلوچستان'' بنانے کے لیے کئی ایک سیاسی اور حکومتی اقدامات اٹھائے گئے۔ جن میں ایک وزیر تعلیم میر گل خان نصیر نے یکم ستمبر ۱۹۷۲ء کے دن کوئٹہ میں واقع تعمیر نو ہائی سکول میں انعامات کی تقسیم کے ایک تقریب میں تقریر کے دوران علیٰ الاعلان یہ کہا کہ:

> ''صوبائی حکومت بلوچستان میں پرائمری سے لے کے میٹرک تک تعلیم بلوچی اور پشتو زبانوں میں دے گی............۔''(۱۳۴)

ایک اور تجزیہ نگار میر گل خان نصیر کے اس اعلان کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

> ''مشہور سیاستدان' ادیب' شاعر اور مؤرخ میر گل خان نصیر کا تعلق براہوئی بولنے والے قبیلہ مینگل اور علاقہ نوشکی سے تھا لیکن کالعدم نیپ اور جمعیت علماء اسلام کی مخلوط حکومت کے دوران (۷۳-۱۹۷۲ء) میں صوبائی وزیر تعلیم اور سینئر وزیر کی حیثیت سے انھوں نے صوبے میں ابتدائی تعلیم بلوچی میں دینے کی تجویز پیش کی تھی..................۔''(۱۳۵)

میر گل خان نصیر کے اس یک طرفہ اعلان سے جہاں بلوچ اور پشتونوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وہاں براہوئی احساس محرومی کا شکار ہوئے اور جذبہ قومیت کے تحت سرگرم ہوئے۔ براہوئی قوم کے کئی تعلیم یافتہ نوجوان (جو اس وقت بلوچستان کے مختلف سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم تھے اور بابائے براہوئی کے نظریہ سے متفق تھے) براہوئی قومی حقوق کی جنگ لڑنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہفتے کے دوران ڈگری کالج کوئٹہ کے براہوئی طالب علموں نے بھاگ دوڑ کر ۱۲ ستمبر ۱۹۷۲ء کو ''براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن'' بی ایس ایف (B.S.F) کی بنیاد رکھی۔ اس وقت بی ایس ایف کی جو باڈی وجود میں آئی۔ وہ حسب ذیل تھی۔

صدر: صلاح الدین مینگل

نائب صدر: صالح محمد شاد

جنرل سیکرٹری: محمد اقبال رئیسانڑی

جوائنٹ سیکرٹری: لال بخش لہڑی

خزانچی: عطاءاللہ لہڑی

ایک ورکنگ کمیٹی بھی تشکیل دی گئی جس کے اراکین حسب ذیل تھے۔

۱۔محمد اکبر ۲۔عبدالصمد ۳۔عبدالسلام ۴۔محمد ہاشم

۵۔فیض محمد ۶۔عبدالحمید خان ۷۔محمد عمر مینگل۔(۱۳۶)

بی ایس ایف نے حسب ذیل اہم نکات کو سامنے رکھ کر اپنی سیاسی جدوجہد کی ابتداء کی۔

۱۔ ملک کے تمام براہوئی بولنے والے طلبہ اور لوگوں کو متحد کر کے اپنے جدوجہد میں شامل کرنا۔

۲۔ براہوئی زبان و ادب کی ترقی و ترویج اور تحفظ کے لیے جدوجہد کرنا۔

۳۔ براہوئی زبان کو بلوچی اور پشتو زبانوں کی طرح پرائمری سے لے کر میٹرک تک تعلیم دلوانے کے لیے جدوجہد کرنا۔

۴۔ کوئٹہ' حیدر آباد اور دوسرے علاقوں میں قائم ریڈیو اسٹیشنوں سے براہوئی پروگرام نشر کروانا اور ان کے اوقات بڑھانا اور جہاں براہوئی قوم کے لوگ اکثریت میں ہیں وہاں نئے ریڈیو اسٹیشنوں کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا۔

۵۔ براہوئی اکیڈمی کی ترقی و ترویج اور سالانہ گرانٹ بڑھانے کے لیے جدوجہد کرنا۔

بی ایس ایف کے کارکنوں کو شروعاتی جدوجہد میں کئی مسئلے آڑے آئے۔ جن میں ایک حکومت کے خلاف جنگ اور دوسرا تنظیم سازی تاکہ اپنے لیے زیادہ سے زیادہ ممبر بنا کے اپنی آواز کو پُر زور اور مضبوط طور پر پیش کر سکیں۔ اس لیے یہ براہوئی نوجوان خالی ہاتھ دن رات محنت کر کے ان دونوں کاموں کو سرانجام دینے لگے۔

بی ایس ایف کے کارکنوں نے مسلسل جلسے' جلوس' کالجوں میں بائیکاٹ اور اخباری بیانات جاری کر کے مینگل حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ صلاح الدین مینگل کہتا ہے کہ:

''اسکول اور کالجوں میں شاخیں قائم کی گئیں' اخباری بیانات جاری کیے گئے۔ حکام بالا سے اور اخبار والوں سے مسلسل ملاقاتوں کا سلسلہ زور شور سے جاری رہا............۔''(۱۳۷)

میر گل خان نصیر کی بیٹی گوہر ملک' ایک دفعہ اپنے باپ کے ساتھ تھی۔ اس وقت براہوئی اسٹوڈنٹ فیڈریشن کا ایک جلوس روڈ سے گزر رہا تھا۔ گوہر ملک نے اپنے باپ سے کہا کہ ان کے مطالبات کو تسلیم کریں جس پر انھوں نے انکار کیا۔ اس کے بارے میں گوہر ملک لکھتی ہیں کہ:

''میر گل خان نصیر جب سردار مینگل کی کابینہ میں صوبائی وزیر تعلیم تھے تو ان کے خلاف بلوچ طلباء تنظیم کے نمائندے جلوس نکالتے' نعرہ بازی کرتے اور گالیاں دیتے تھے نہ جانے ان کے مطالبات کیا تھے؟ لیکن میں ان کو کہتی بابا! آپ انھیں منع کیوں نہیں کرتے تو میر نصیر فرماتے کہ یہ ان کا حق ہے۔ اپنا حق مانگنا کوئی جرم نہیں ہے تو میں نے کہا بابا وہ جو مانگتے ہیں انھیں دے دیں۔ فرمایا وہ جو مانگتے ہیں میں انھیں نہیں دے سکتا اور میں جھوٹی تسلیاں دینے کے خلاف ہوں............۔''(۱۳۸)

یہاں یہ گوش گزار رہے کہ میر گل خان نصیر کی بیٹی نے باپ کی طرح براہوئی کا نام لینا بھی گوارا نہیں کیا ہے۔ انہوں نے براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے طلباء کو بلوچ طلباء ظاہر کیا۔

اسی جدوجہد کے دوران بی ایس ایف کے کچھ کارکن صلاح الدین مینگل اور غلام حیدر حسرت کی سربراہی میں میر گل خان نصیر وزیر تعلیم سے ان کے آفس میں ملنے گئے جو کچھ وہاں ہوا اس کی تفصیل خود میر گل خان نصیر یوں بیان کرتا ہے کہ:

''بدقسمتی سے جب میں مینگل کی وزارت میں وزیر تعلیم تھا۔ ایک دفعہ تعمیر نو ہائی سکول کوئٹہ میں تقسیم اسناد کے موقع پر میں نے جو تقریر کی اس میں' میں نے بلوچی کو بلوچستان کی قومی زبان کہا تھا۔ اس پر محترم غلام حیدر حسرت اور صلاح الدین مینگل جو آج کل ایڈووکیٹ ہیں ایک وفد لے کر میرے پاس آئے اور گالی گلوچ کر کے تشریف لے گئے۔ میرے دلائل اور میری رائے ان کو پسند

نہیں آئی۔ مگر کیا کیا جائے میں اب تک اپنی اسی رائے پر قائم ہوں اور انشاء اللہ زندگی بھر قائم رہوں گا............۔''(۱۳۹)

اس واقعے سے بی ایس ایف اور براہوئی قوم میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ جس کی وجہ سے بی ایس ایف کی تحریک میں اور تیزی آئی۔ مینگل حکومت نے بی ایس ایف کے صدر میر صلاح الدین مینگل کو گرفتار کر کے ریاستی جبر کا نشانہ بنایا۔ مینگل صاحب خود اپنی گرفتاری کا قصہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ:

''حکومت سے ٹکر لینے کے جرم اور براہوئی زبان کے بارے میں نعرہ بازی کرنے کی وجہ سے مجھے دوبار عید الفطر اور عید الضحیٰ سے کچھ دن پہلے گرفتار کیا گیا۔ ان تکلیفوں کا بیان یہاں درست نہیں۔ میرے قید میں ہونے کی وجہ سے میرے ساتھیوں کے حوصلے پست ہوگئے۔ یہاں ایک بات مجھے افسوس کے ساتھ کہنی پڑ رہی ہے کہ میں کسی چوری اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے کسی جرم میں جیل نہیں گیا تھا............۔''(۱۴۰)

میر صلاح الدین مینگل سے جیل میں جن لوگوں نے مدد کی ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''جناب عبدالرحمٰن براہوئی اور غلام حیدر حسرت جیل میں مجھے کھانا اور سردی سے بچنے کے لیے اپنا کوٹ روانہ کیا۔ پروانہ صاحب اخبارات میں لکھتے اور مطالبہ کرتے تھے۔ جوہر براہوئی فرید آبادی نظم لکھ رہے تھے......۔''(۱۴۱)

براہوئی زبان کے نامور قلندر صفت اور قومی شاعر جوہر براہوئی نے میر محمد صلاح الدین مینگل کے گرفتاری پر جو شعر کہا' وہ آج بھی براہوئی مزاحمتی ادب کی دنیا میں ایک نادر شاہکار تخلیق ہے۔ جس میں ایک شاعر کے حساس جذبات برسات کی طرح بہہ پڑے۔ جس میں رنج و غم' مقابلہ اور دلوں میں ہیجان پیدا کرنے کی تڑپ ٹوٹ ٹوٹ کے بھری ہوئی ہے۔ جوہر براہوئی نے اشک بار قلم سے اپنے احساسات اور جذبات سے لکھا کہ:

چُنا قیدٹی

”وطن نا چنا قید ٹی بند مس
تو سکتہ ٹی بسر زمین آسمان
کرے چپ غمان وقت بالکل سلیس
پاریر خلنگار دافک تینافتیان
ثُریا ہم شولاکا زورا خڑینک
چمن چٹ مس پھل چھڑا دا غمان
عرش لڑزہ ٹی بس ڈغار جمبٹی
کرے کوک بلبل ہوغاک کشان
پاریک زبان کل کنے پُہہ مرک
مروف آہ مظلوم نا رائیگان
کرک بند جوہر قلم جیب ٹی
ہفک دُوٹی تینا نی بیرک بیان“

ترجمہ: **بچہ قید میں**

وطن کا بچہ قید میں بند ہوا
تو سکتہ میں آ گئے زمین و آسمان
ہو گئے چپ غموں کی وجہ سے وقت بھی تھم گیا
کہا زمانہ نے نشانہ ہوئے ظلم کا اپنوں کے ہاتھوں
ثریا بھی آنکھوں سے آنسو بہائے
چمن تباہ ہوا گل مرجھا گئے
عرش لرزہ میں آ گیا زمین زلزلہ سے کانپ اٹھا
بلبل نے آواز دی رو رہا ہے کشان
کہا ”زبان“ نے سب کو مجھے سمجھو

نہیں ہوگا آہ مظلوم کی رائیگان
بند کر جوہر قلم اور ڈال جیب میں
اُٹھا جھنڈا ہاتھوں میں بیان کا“

بی ایس ایف کی لسانی تحریک کی سرگرمیوں کے دوران بلوچستان کے کئی اخبارات نے اس کی حمایت کی۔ جن میں سے ایک روزنامہ ”مشرق“ بھی تھا۔ اس اخبار نے بی ایس ایف کا پہلے ہی دن سے نہ صرف حمایت کا اعلان کیا بلکہ اس کے سرگرمیوں کے بیانات کو بڑے آب وتاب سے شائع کر کے عوامی ماحول کو ان کے حق میں تبدیل کرنے کی پوری کوشش کی۔ جس کی وجہ سے مینگل حکومت کے غصہ کی زد میں آ گئی اور ریاستی غنڈوں کے توسط سے مشرق اخبار کے دفتر پر حملہ کر کے کئی ملازمین کو زدکوب اور زخمی کیا بلکہ اخبار کے اہم ریکارڈ کو جلایا گیا۔ اس اہم واقعے کے بعد بلوچستان کے اخبارات اور صحافتی دنیا نے مینگل حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور مختلف سیاسی تنظیموں اور ان کے رہنماؤں نے بھی اس عمل کو ریاستی غنڈہ گردی قرار دے کر اس کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔ جن میں سے ایک بابائے پشتون خان عبدالصمد خان اچکزئی بھی تھے۔ انھوں نے نومبر ۱۹۷۲ء کو اپنے ایک بیان میں مشرق کے دفتر پر حملہ اور بی ایس ایف کے کارکنوں کی گرفتاری کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ:

”نیشنل عوامی پارٹی پختون خواہ کے صدر خان عبدالصمد خان اچکزئی نے کوئٹہ مشرق کے دفتر پر حملہ کے واقعے پر تشویش کا اظہار کیا۔ گذشتہ روز ایک مشتعل ہجوم نے مشرق کے دفتر پر حملہ کر کے کارکنوں کو زخمی کر دیا تھا۔ ایک بیاں میں انھوں نے کہا کہ میں ہمیشہ آزادئ صحافت کا حامی رہا ہوں اور مجھے خوشی ہوگی کہ صحافیوں کو تحفظ مہیا کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ کوئٹہ میں جو واقعہ رونما ہوا ہے وہ غیر متوقع نہیں تھا۔ انھوں نے کہا کہ میں پہلے بھی ان معلاملات کے بارے میں خبردار کر چکا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ سردار عطاء اللہ مینگل کی موجودگی میں بھی اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں تھیں انھوں نے کہا کہ غنڈہ گردی کا جو واقعہ پیش آیا ہے اس بارے میں ان عناصر کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کی کاروائی کو حکومت کی نظر میں معیوب نہیں سمجھی جائیگی اور ان کی حوصلہ افزائی

کی جائے گی۔مسٹر اچکزئی نے کہا کہ جو واقعہ پیش آیا ہے وہ صرف اس لیے کہ
مشرق نے ہمیشہ پختون' بروہی اور بلوچ طلباء کی حمایت کی ہے۔جنھیں گرفتار
(بی ایس ایف کے صدر کی گرفتاری کے طرف اشارہ) کیا گیا تھا۔انھوں نے
کہا کہ طلباء کی اندھا دھند گرفتاریوں اور پریس کو دبانے کی کاروائی سے نیپ کی
حکومت کی جمہوریت پسندی کی قلعی کھل گئی ہے۔انھوں نے صدر مملکت کی توجہ
بلوچستان کی صورت حال کی طرف دلائی اور ان سے اپیل کی کہ بلوچستان کو
نیپ کی فاشسٹ حکمرانوں سے بچایا جائے..........۔''(۱۴۲)

بابائے پشتون خان عبدالصمد خان اچکزئی شہید نے اپنے ایک دوسرے بیان میں جو انھوں نے ۶ نومبر ۱۹۷۲ء کو جاری کیا تھا میں بھی میر محمد صلاح الدین مینگل کے رہائی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''بلوچستان کے وزیر اعلیٰ سردار عطاء اللہ مینگل سے مطالبہ کیا کہ وہ گرفتار کیے گئے طلباء کو رہا کریں اور تعلیمی اداروں کو اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف استعمال کرنے سے باز رہیں.......... انھوں نے کہا کہ نوجوان طلباء کی حالیہ گرفتاریاں اور اس کے ساتھ ساتھ وزیر اعلیٰ کے بعض بیانات افسوس ناک ہیں۔انھوں نے کہا کہ مسٹر مینگل کئی بار کہہ چکے ہیں کہ طلباء ملک کا قیمتی اور انمول اثاثہ ہیں لیکن اب انھیں طلباء کو گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونسا جارہا ہے اور یہ امر باعث تشویش ہے..........۔''(۱۴۳)

بابائے پشتون نے جہاں بی ایس ایف کے صدر کی گرفتاری کی مذمت کی۔اس کی آزادی کا مطالبہ کیا تو وہاں انھوں نے ''براہوئی زبان'' کو صوبے میں تعلیمی طور پر منظور کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔
انھوں نے ۲۵ نومبر ۱۹۷۲ء کو صحافیوں سے بات کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ:

''اپنے بچوں کو پشتو زبان میں تعلیم دلانا ہمارا حق ہے اور یہی حق میں بلوچوں' سندھیوں اور براہوئیوں کو بھی دیتا ہوں..........۔''(۱۴۴)

بابائے پشتون نے بی ایس ایف کی لسانی تحریک کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اس کا پورا ساتھ دیا۔بی ایس ایف کے رہنما صلاح الدین مینگل کی گرفتاری کے خلاف بلوچستان اسمبلی میں تحریک التوا پیش کی۔جسے اسمبلی کے اسپیکر سردار محمد خان باروزئی نے باضابطہ طور پر قابل قبول سمجھ کر منظور کیا۔مینگل

حکومت' بابائے پشتون کے اس اقدام سے گھبرائے اور اسے ناکام بنانے کے لیے اپنے ممبروں کو اسمبلی میں آنے سے روک دیا۔کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے تحریک التوا پر بحث نہ ہو سکی۔(۱۴۵)

سردار عطاء اللہ مینگل کی حکومت نے بی ایس ایف کی لسانی تحریک کی بدنامی سے بچنے کے لیے جلد ہی اندرونی طور میر صلاح الدین مینگل کے ماموں کو سامنے لاکر اس کے ذریعے جنوری ۱۹۷۳ء میں پانچ ہزار روپے کے ضمانت منظور کروا کے رہا کر دیا۔(۱۴۶)

صلاح الدین مینگل رہا ہوتے ہی براہوئی لسانی تحریک کو مضبوط اور وسیع کرنے کی خاطر سرگرم عمل ہو گئے۔اس سلسلے میں انھوں نے بی ایس ایف کا ایک وفد سندھ کے لیے تیار کیا۔تاکہ اپنی تحریک کی حمایت کے لیے سندھ کے براہوئیوں کو بھی متحد کرے۔جب سندھ کے براہوئی قوم میں یہ خبر پہنچی تو وہاں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہاں موجود سیاسی اور سماجی تنظیموں نے ان کے استقبال کے لیے تیاریاں شروع کیں۔سندھ کے براہوئی تنظیموں سے بیان جاری ہوا کہ:

''آل پاکستان براہوئی ایسوسی ایشن کے نامور نوجوان جوہر براہوئی نے آج یہاں اپنے ایک اخباری بیان میں کہا کہ ایسوسی ایشن کی ساری ہمدردیاں بی ایس ایف' براہوئی تحریک اور براہوئی نوجوان تنظیموں کے ساتھ ہے..............اس طرح یہ تینوں تنظیمیں ایک دوسرے کے ساتھ مدد کریں گے۔آل پاکستان براہوئی ایسوسی ایشن کے سارے دفاتر سے ایک بیان میں اپیل کی گئی کہ وہ براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اراکین جو سندھ کے دورہ پر نکلی ہیں۔اس کے دورہ کو نہایت کامیاب کر کے ان کا زبردست استقبال کریں۔''(۱۴۷)

بی ایس ایف کا ایک اہم وفد میر صلاح الدین مینگل کی قیادت میں پورے سندھ کے براہوئی قوم کے میر' معتبر اور تعلیمی درسگاہوں کا کامیاب دورہ کر کے وہاں سے اپنی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔عطاء اللہ مینگل کی براہوئی دشمنیوں کے خلاف اور مینگل کے دوسرے غیر قانونی اور غیر سیاسی اقدامات کی وجہ سے مرکزی حکومت پاکستان نے نیپ کے گورنر غوث بخش بزنجو کو ہٹا کر اس کے جگہ ۱۴ فروری ۱۹۷۳ء کو نواب اکبر بگٹی کو بلوچستان کا نیا گورنر مقرر کیا۔تو بی ایس ایف کے

اراکین نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ براہوئی زبان کو بطور مادری زبان تعلیم دینے کے لیے منظور کرے اور مینگل حکومت نے جو براہوئی زبان سے متعصّبانہ رویہ اختیار کیا اور حق تلفی کی ان کا ازالہ کرے۔اس طرح بی ایس ایف کے سارے یونٹوں سے مشترکہ طور پر یہ بیانات جاری ہوئے۔اس سلسلے میں نور محمد خان ہائی سکول یونٹ سے حسب ذیل بیان جاری کیا گیا کہ:

''نور محمد خان ہائی سکول کے براہوئی طلباء نے بلوچستان کے نئے گورنر نواب محمد اکبر بگٹی کے تقرر کا خیر مقدم کرتے ہوئے انھیں مبارک باد دی ہے۔انھوں نے امید ظاہر کی کہ نواب اکبر بگٹی سابق حکومت کی ناانصافیوں کا ازالہ کر دیں گے اور براہوئی زبان کو ذریعہ تعلیم بنائیں گے...........۔'' (۱۴۸)

بی ایس ایف کی تحریک نے پورے بلوچستان میں بڑی شہرت اور نام پایا۔ اس کے بلوچستان اور سندھ کے مختلف تعلیمی درسگاہوں میں یونٹ قائم ہوئے۔اس طرح خضدار کے کالج اور سکولوں میں بھی ان کے یونٹ قائم ہوئے۔ان دنوں وزیراعلیٰ بلوچستان سردار عطاءاللہ مینگل کا بڑا بیٹا منیر احمد مینگل بھی کالج خضدار میں زیر تعلیم تھا ان نے بھی اس تحریک سے اثر لے کر اس میں نہ صرف شمولیت اختیار کی۔

انہی دنوں بلوچستان کے گورنر نواب محمد اکبر خان بگٹی خضدار کالج میں طلباء سے خطاب کرنے کے لیے آئے۔ جب وہ اسٹیج پر آئے تو انھوں نے طلباء سے کہا کہ ''میں کس زبان میں تقریر کروں'' تو کچھ لڑکوں نے بلوچی اور کچھ نے اردو میں تقریر کرنے کو کہا لیکن سردار عطاءاللہ مینگل کے بیٹے منیر جان مینگل نے اٹھ کر نواب بگٹی کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ ''اگر براہوئی میں تقریر نہیں کی تو ہم سب احتجاجاً اٹھ کر چلے جائیں گے'' نواب نے اپنی تقریر بلوچی میں شروع کی' تو منیر جان مینگل اپنے بہت سے دوستوں کے ساتھ احتجاجاً اٹھ کر چلے گئے۔اس واقعہ کو اخبار والوں نے بڑا اُچھالا اور اس واقعہ پر ایک اخبار نے یہ تبصرہ کیا کہ:

''منیر مینگل صاحب اس سے پہلے اپنے والد سے براہوئی زبان کے مسئلے پر اختلاف کیا ہے یا نہیں یہ اطلاع اب تک نہیں ملی ہے۔
عطاءاللہ مینگل جھلاوان کے وہ نامی گرامی پہلے سردار ہیں۔جس کے وزیراعلیٰ

ہونے کے دنوں میں اس سے پہلے براہوئی اکیڈمی کے لیے پانچ ہزار روپیہ گرانٹ منظور تھی کو اس نے بند کیا جواب تک بند ہے۔مگر اب جیسا کہ براہوئی زبان دشمن سردار کا بیٹا اس وجہ سے ایک بڑے فنکشن سے اٹھ کے چلا جاتا ہے کہ وہاں براہوئی زبان میں تقریر نہیں کی جاتی ہے۔اس لیے اردو میں کہتے ہیں کہ:
پاسبان کو مل گئے صنم خانے سے۔'' (۱۴۹)

بی ایس ایف نے قلیل مدت میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔بی ایس ایف کے مرکز نے اپنے کامیابیوں کے حوالے سے ایک اعلامیہ کی صورت میں بیان جاری کیا جو حسب ذیل ہے:

۱۔ براہوئی قوم کے طالب علموں اور عوام میں براہوئی زبان کے لیے محبت پیدا کی گئی۔

۲۔ ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے براہوئی پروگراموں کا دورانیہ (وقت) ایک گھنٹے سے بڑھا کر پانچ گھنٹے کروایا گیا۔

۳۔ ان پروگراموں میں براہوئی زبان میں ڈرامے' بچوں کے پروگرام اور طالب علموں کے پروگرام مرتب کیے گئے۔

۴۔ ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے دوپہر میں پہلی مرتبہ قومی خبروں کے نیوز بلٹن کو براہوئی زبان میں نشر کروایا گیا۔

۵۔ بلوچستان یونیورسٹی میں پہلی بار براہوئی زبان کی کلاسوں کی شروعات ہوئی اور پہلے سال ساٹھ طلبہ نے داخلہ لیا جو ایک ریکارڈ ہے۔

۶۔ روزنامہ ''اعتماد'' اخبار کوئٹہ میں براہوئی زبان میں ایک کالم کا اجراء کیا گیا۔

۷۔ میٹرک تک تعلیم مفت کروائی گئی۔

۸۔ ٹیلی ویژن پر براہوئی زبان کی نشریات کو دوسری زبانوں کے دورانیہ کے برابر کروایا گیا

اس کے علاوہ بی ایس ایف نے حسب ذیل سیاسی پروگراموں پر جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان کیا:

۱۔ پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ سینٹر میں براہوئی زبان کے پروگراموں کے لیے تین پروڈیوسروں کی تعیناتی۔

۲۔ ریڈیو پاکستان کوئٹہ میں براہوئی پروگراموں کے لیے مزید وقت لینا۔

۳۔ ریڈیو پاکستان حیدرآباد سندھ سے براہوئی پروگرام نشر کروانا۔

۴۔ خضدار میں نئے ریڈیو اسٹیشن کا قیام۔

۵۔ براہوئی زبان کو بلوچستان میں بطور مادری زبان تعلیم دینے کے لیے رائج کروانا۔

۶۔ قرآن شریف کا براہوئی زبان میں پہلی مرتبہ ۱۹۱۶ء میں ترجمہ ہوا اس کو دوبارہ شائع کروانا۔

۷۔ براہوئی زبان کا پہلا ہفتہ روزہ ''ایلم'' اخبار کے لیے زیادہ سے زیادہ خریدار اور قارئین پیدا کرنا۔

۸۔ کوئٹہ سے براہوئی اور اردو زبانوں میں ایک ماہنامہ مجلّہ شائع کروانا۔

۹۔ سندھ سے براہوئی اور سندھی زبانوں میں مشترکہ ایک مجلّہ شائع کروانا۔

۱۰۔ براہوئی زبان کے قدیم کتب کو دوبارہ شائع کروانا۔

۱۱۔ مشرق وسطیٰ میں بود و باش رکھنے والے براہوئی قوم کے لوگوں میں اپنی زبان اور قوم کی خدمت کرنے کے لیے تبلیغ کرنا۔

۱۲۔ ایران اور افغانستان میں واقع ریڈیو اسٹیشنوں سے براہوئی زبان میں پروگراموں کے نشر کروانے کی جدوجہد شامل ہیں۔(۱۵۰)

مینگل حکومت اور اس کے طلباء ونگ بی ایس او (B.S.O) نے بی ایس ایف کو ریاستی اور قبائلی طاقت کے زور پر دبا نہ سکی بلکہ ان کے اس اقدامات سے بی ایس ایف اور مضبوط ہوتی گئی۔ اس لیے وہ کئی بی ایس او کے لڑکوں کو جو براہوئی زبان بولنے والے تھے سازش کے تحت بی ایس ایف میں ممبر شپ دلوا کے وہاں اندرونی تضاد، تعصب اور خلفشار پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ انھوں نے بی ایس ایف کے کچھ لڑکوں کو پیسے کا لالچ دے کر تنظیم کو چھوڑ دینے پر رضامند کیا۔ جس میں انھیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس طرح کے کئی واقعات رونما ہوئے اور بی ایس ایف کے کارکن اور مرکزی اراکین پریشان ہونا شروع ہوگئے۔ جب بی ایس ایف کے عہدیداران تنظیمی امور کو وسعت دینے کے خاطر ان سندھ کے دورے پر نکلے تو پیچھے سے سازشی ممبران نے جو بی ایس او کے لڑکے تھے بی ایس ایف کے بھیس میں چھپے تھے نے اصل بی ایس ایف کے لڑکوں کو تنظیم چھوڑنے پر رضامند کیا۔ ایک ایسا

ہی واقعہ بی ایس ایف کے رہنما میر محمد اسماعیل مینگل نے اپنے ایک بیان میں یوں بیان کیا ہے کہ:

''براہوئی طلباء کے رہنما میر محمد اسماعیل خان مینگل' نے بلوچ اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن کے بعض ارکان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اپنے ایک پریس بیان میں اظہار افسوس کیا ہے کہ یہ طلباء اپنے ذاتی مفاد کی خاطر براہوئی قوم کی زبان اور دیگر تہذیبی ورثوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ غلط انداز فکر کے طلباء کو براہوئی طلباء تنظیم میں شامل ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ قبل ازیں ایک ایسا ہی طالب علم ہماری براہوئی تنظیم میں شامل ہوکر اور بعد میں کسی کے ورغلانے پر علیحدگی اختیار کرکے تنظیم کے تمام فنڈز کو غائب کردیا۔ چنانچہ اس نازیبا حرکت کی بناء پر اس طالب علم کو براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے نکال باہر کیا گیا۔ اپنے بیان کے آخر میں انھوں نے تمام براہوئی طلباء سے اپیل کی کہ وہ مفاد پرستوں سے ہوشیار رہیں اور بلوچ طلباء تنظیم کے ورغلانے میں نہ آئیں۔''(۱۵۱)

پھر بھی بہت سے لڑکے بی ایس ایف چھوڑ کر بی ایس او میں شامل ہوگئے جس کی وجہ سے تنظیم میں اور زیادہ نفاق ظاہر ہونے لگا۔ جس کا اظہار صالح محمد شاد اِن الفاظ میں کرتا ہے کہ:

''براہوئی طلباء تنظیم کا کوئی بھی عہدیدار کسی دوسری جماعت میں شامل نہیں ہوا ہے۔ البتہ کچھ غیر معروف لڑکے اپنی تنظیم سے اس وجہ سے چلے گئے ہیں ان کو ہمارے مخالفین نے لالچ دی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ایسے لڑکوں کی علیحدگی سے ہماری تنظیم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ ہم اپنی خدمتوں کا سلسلہ اور تیزی سے جاری رکھنے میں مصروف ہیں............۔''(۱۵۲)

اس طرح بی ایس ایف کے بہت سے لڑکے ۱۹۷۵ء تک دوسری تنظیموں میں شمولیت اختیار کرکے اس کے غیر فعال ہونے کا سبب بن گئے۔ بی ایس ایف کے جن کارکنوں نے تنظیم چھوڑا اور غداری کی ان میں سے ایک سرفہرست تھا۔ جس کا نام صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے۔ مناسب وقت پر اس کا نام عیاں کیا جائے گا۔ جو بی ایس ایف کے کارکنوں کا سارا چندہ مخالفین کے کہنے پر غائب کرکے ان سے

مل گیا اور جس نے دوسرے کارکنوں کو بھی بی ایس ایف سے بدظن کر کے تنظیم کو کمزور کیا۔ بی ایس ایف کے مخالفوں نے انھیں بی ایس ایف سے غداری کے عوض بلوچستان یونیورسٹی میں لیکچرار مقرر کروایا لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ بی ایس ایف کی تحریک اور لسانی ایجی ٹیشن نے نیپ اور مینگل حکومت کو صوبے میں صرف بلوچی اور پشتو زبانوں میں تعلیم دینے کے اقدام کو نہ صرف ناکام بنایا بلکہ براہوئی زبان کی حیثیت کو تسلیم کروایا۔ مینگل حکومت نے براہوئی لسانی تحریک کی وجہ سے بلوچی اور پشتو زبانوں کے برعکس صرف اردو ہی کو ذریعہ تعلیم بنانے پر مجبور ہوگئی۔ جیسے کہ سلیگ ہیریسن لکھتا ہے کہ:

''بلوچستان میں نیپ کی حکومت کے دوران لسانی مسئلے نے ایک مختصر المعیاد اختلاف کو بھی جنم دیا تھا یہ براہوئی دباؤ ہی تھا کہ بزنجو اور مینگل پاکستان کی قومی زبان اردو کو ہی صوبے کی سرکاری زبان قرار دینے پر رضامند ہوئے۔ جس سے انھیں عارضی طور پر بلوچی، براہوئی اور پشتو کے درمیان بچاؤ سے گریز کا عذر ہاتھ آ گیا تھا............۔'' (۱۵۳)

کچھ بلوچ پرست تجزیہ نگار اس وجہ کو تسلیم نہیں کرتے لیکن ان کے تجزیئے اور دلائل بچگانہ اور غیر معقول ہیں۔ (۱۵۴)

مینگل حکومت ختم ہونے کے بعد بھی براہوئی قوم مخالفوں نے براہوئی قوم اور زبان کے ساتھ ہر سطح پر متعصّبانہ رویہ روا رکھا۔ ۱۹۷۳ء کے بعد اب تک براہوئی مخالفوں نے قبائلی اور ریاستی سطح پر براہوئی قوم اور زبان کے خلاف حسب ذیل اہم قدم اٹھائے۔

۱۔ ریڈیو تربت سے براہوئی پروگراموں کو نہ صرف بند کیا گیا بلکہ براہوئی مخالف تنظیم نے بڑے مظاہرے کر کے یہ مطالبہ کیا کہ اگر براہوئی پروگرام شروع کیے گئے تو ریڈیو تربت کو جلا دیا جائیگا۔ سرکار نے بہانہ بنا کر پروگراموں کو بند کر دیا۔

بابائے براہوئی، تربت ریڈیو اسٹیشن سے براہوئی زبان میں نشر ہونے والے پروگراموں کے بند کروانے کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''بلوچستان کے ایک ریڈیو اسٹیشن سے اس صوبے کی ایک بڑی زبان کے نشریات کو وہاں کے ایک چھوٹے سے گروہ کی متعصبانہ ریشہ دوانیوں کی وجہ سے شجر ممنوعہ بنا رکھا ہے............۔'' (۱۵۵)

بابائے براہوئی مزید تفصیلات دیتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ:

''تربت نا ریڈیو اسٹیشن آ ہم براہوئی زبان ءِ شجر ممنوع قرار تننگا نے۔ حالانکہ اونا علاقہ ٹی براہوئی ہیت کروکا بندغا تا ہچو کمی ئس اف۔ بیرہ دا آ ہا بلکہ دا بندش براہوئی، بلوچ، ایلمی آ ہم اثر شاغنگ کیک۔ انتئے کہ عام احساس ارے کہ ہمیڑے نا گڑائس براہوئی بدخواہ آک براہوئی زبان نا مخالفت ءِ کریر۔ جلوس کشار او کان گڈ براہوئی زبان نا نشر مننگ بند کننگا............۔'' (۱۵۶)

ترجمہ: تربت کے ریڈیو اسٹیشن سے بھی براہوئی زبان کو شجر ممنوعہ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان بلوچوں کے علاقہ میں براہوئی بولنے والے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ صرف یہ نہیں بلکہ یہ بندش براہوئی، بلوچ برادرانہ تعلقات پر اثر انداز ہوسکتی ہے۔ کیونکہ عام احساس یہ ہے کہ وہاں کے کچھ براہوئی مخالفوں نے براہوئی زبان کی مخالفت کی، جلوس نکالے اور اس کے بعد براہوئی زبان میں نشریات بند کی گئی۔''

براہوئی زبان کے نوجوان ادیب اور دانشور محمد عالم براہوئی اسی حوالے سے لکھتا ہے کہ:

''تربت ٹی براہوئی نا پنا رد بد پانگا۔ ریڈیو اسٹیشن ڈائریکٹر ءِ دھمکی تننگا کہ تربت آن براہوئی بولی بڑزامف۔ اگر دا کان براہوئی تیکہ مجلس نشر مس تو نن اسٹیشن ءِ ہشون۔ حالانکہ تربت ٹی براہوئی ہیت کروکاک نیمہ نیمہ اریر............۔'' (۱۵۷)

ترجمہ: تربت میں براہوئی کے نام پر گالیاں دی گئیں، ریڈیو اسٹیشن ڈائریکٹر کو دھمکی دی گئی کہ تربت سے براہوئی زبان نشر نہ ہو اگر یہاں سے براہوئیوں کے لیے پروگرام نشر ہوئے تو ہم اسٹیشن کو جلا دیں گے۔ حالانکہ تربت میں براہوئی بولنے والے بہت ہیں۔''

۲۔ ریڈیو کوئٹہ کے میڈیم ویوز اور شارٹ ویوز سے براہوئی زبان کے نشر ہونے والے پروگراموں کو بند کیا گیا۔ (دیکھیئے ضمیمہ نمبر ۲)

۳۔ خضدار سے سرکاری شائع ہونے والے براہوئی مجلّہ ماہنامہ ''احوال'' کو بند کیا گیا۔

۴۔ براہوئی زبان کے ادبی ادارہ براہوئی اکیڈمی کے فنڈز جو مینگل حکومت نے بند کیے تھے کے فیصلہ کو برقرار رکھا گیا۔

۵۔ بلوچی اور پشتو اکیڈمیوں کے لیے پلاٹ' اور عمارت بنانے کے لیے فنڈ زفراہم کیے گئے لیکن براہوئی اکیڈمی اب بھی ان سے محروم اور بغیر جگہ کے در بدر ہے۔

۶۔ کوئٹہ ٹیلی ویژن سینٹر سے براہوئی بولنے والے پروڈیوسروں کو ملازمت سے نکالا گیا۔

۷۔ بلوچستان یونیورسٹی میں براہوئی زبان سے محبت کرنے والے اساتذہ کو ملازمتوں سے نکالا گیا۔ جو براہوئی زبان کے ترقی و ترویج کے لیے سرگرم عمل تھے۔

۸۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سینٹر سے ان براہوئی فنکاروں کا آنا ممنوع قرار دیا گیا جو اپنے ناموں کے ساتھ ''براہوئی'' لکھتے یا کہتے تھے۔

۹۔ بلوچستان یونیورسٹی میں براہوئی اساتذہ کے بدلے ایسے اساتذہ کا تقرر کیا گیا جو بولتے تو براہوئی ہیں مگر براہوئی قوم کے مخالف ہیں۔

۱۰۔ باہر کی دنیا سے سینکڑوں ماہر لسانیات اور محققین براہوئی زبان' ادب اور کلچر پر تحقیق کرنے کے لیے بلوچستان یونیورسٹی آئے لیکن براہوئی مخالف اساتذہ اور سیاسی تنظیموں کے اراکین نے ان کو غلط گائیڈ کیا۔ پریشان اور مایوس کر کے واپس کیا۔ جب کہ اس کے برعکس بلوچی زبان پر تحقیق کرنے والے محققین کی حکومت اور عوامی سطح پر پذیرائی کر کے براہوئی زبان اور قوم کے حوالے سے ان کو غلط گائیڈ کر کے براہوئیوں کو نسلی اور لسانی طور پر بلوچ قرار دینے کی تجویز دی گئی۔

۱۱۔ یونیورسٹی اور کالجوں کا ایسا نصاب تیار کیا گیا ہے جس میں براہوئی قوم، زبان اور ان کے ہیروز کا نام تک شامل نہیں۔ اگر کہیں ہے تو ان کو بلوچ قرار دیا گیا ہے۔

۱۲۔ ریڈیو' ٹیلیویژن سینٹروں سے براہوئی قوم کے کلچر اور زبان کو غلط انداز میں پیش کیا جانے لگا

۱۳۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سینٹروں سے براہوئی قوم کے کلچر کے ہر ایک چیز کو ''بلوچی'' قرار دے کر پیش کیا جانے لگا۔

۱۴۔ براہوئی قوم اور زبان کو کتابوں میں گالیاں دی گئیں اور براہوئی کلچر کو برا اور غیر اخلاقی لکھا گیا۔ (دیکھئے ضمیمہ نمبر ۴)

۱۵۔ براہوئی زبان کے معذور اور نادار ادباء' دانشوروں کے وظائف بند کر دئے گئے۔

۱۶۔ براہوئی زبان میں لکھی گئی کتب کو ملکی اور صوبائی انعامات سے خارج کیا گیا۔ (۱۵۸)

۱۷۔ براہوئی بولنے والے طلبہ کو کم نمبر دے کر فیل کیا جانے لگا جب کہ اس کے برعکس بلوچ طلبہ کو اعزازی نمبروں سے پاس کرنے کا عمل اب بھی جاری ہے۔

۱۸۔ براہوئی بولنے والے لوگوں اور نوجوانوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کئے گئے۔ (۱۵۹)

اس کی واضح مثال یہ ہے کہ بلوچستان کے کالجوں میں براہوئی زبان کے لیکچراروں کے سیٹوں کو ختم کیا گیا۔ جب کہ اس کے برعکس ۲۰۱۰ء میں بلوچی کے لیے ۵۴ اور پشتو کے لیے ۳۲ لیکچراروں کا اعلان کیا گیا۔ تین سال کی بڑی جدوجہد کے بعد گورنمنٹ نے ۲۰۱۳ء میں براہوئی زبان کے لیے ۱۲ لیکچرار (جن میں میل ۸، فیمیل ۴) کا اعلان کیا۔ براہوئی زبان کا ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۳ء تک لیکچراروں میں حصہ ۳۳ تھا۔ جن میں ۲۱ لیکچراروں کے اضافی حصہ کو بلوچی زبان کو دیا گیا۔

۱۹۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں بلوچستان کے علاقائی زبانوں براہوئی' بلوچی اور پشتو زبان میں چھپنے والے ماہنامہ' پندرہ روزہ اور ہفت روزہ مجلوں اور اخبارات کے لیے پچیس فیصد بجٹ مقرر کیا گیا تھا لیکن بلوچی اور پشتو زبانیں اپنا مقرر کردہ حصہ برابر کے بنیاد پر وصول کر رہے ہیں اور ایک بے بس اور لاوارث براہوئی ہے جس کا حصہ چھین لیا جاتا ہے۔ بہت سے بلوچی' پشتو' اردو' انگریز مجلّہ اور اخبارات ہیں جو اپنے مجوزہ مجلوں اور پیپرز میں براہوئی زبان کا ایک لفظ بھی شائع نہیں کرتے یا صرف ایک شعر چھاپ کر کے علاقائی زبان کا مجلّہ یا اخبار کا حق جتا کر براہوئی زبان کی حق تلفی کرتے ہیں۔ ان پر کوئی چیک اینڈ بیلنس نہیں ہے۔

۲۰۔ براہوئی علاقوں اور شہروں کے نام بلوچ سرداروں کے نام رکھے جانے کا عمل جاری ہوا۔ مثلاً جھٹ پٹ کو ڈیرہ اللہ یار' ٹیپل کو ڈیرہ مراد جمالی' بیل بیٹ کو بختیار آباد ڈومکی ناموں میں بدلا گیا وغیرہ۔ براہوئی قبائل کو نسل بلوچ قرار دینے کی سوچ دی گئی۔ (دیکھیئے ضمیمہ نمبر ۳)

۲۱۔ براہوئی مخالف عناصر نے ان مندرجہ بالا براہوئی قومی مخالف اقدام اٹھانے کے بعد اب براہوئی قوم اور زبان کے نام کو ہمیشہ ختم کرنے کے لیے مردم شماری سے خارج کروایا اور یہ کام براہوئی

قوم اور زبان کے سب سے بڑے مخالف سردار اختر مینگل نے سرانجام دیا۔ جب وہ بلوچستان کے وزیراعلیٰ (۲۲فروری ۱۹۹۷ء سے ۱۳اگست ۱۹۹۸ء تک) تھے۔ باپ نے نیپ حکومت کے دوران براہوئی زبان کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کی مگر بیٹے نے پوری قوم کو موت کے مُنہ میں دھکیلنے کا کام سرانجام دیا۔ (دیکھیئے ضمیمہ نمبر۵) سردار اختر مینگل کے اس مخالف اقدام سے براہوئی مزاحمتی شاعر سراپا احتجاج بن گئے۔ ایک براہوئی شاعر اختر مینگل کے اس اقدام کے خلاف اپنے خیالات کو یوں بیان کرتا ہے کہ:

تینا ڈیھ

ننے پارہ بیگانہ اصل ہیت دُن اَف
نہ اے ملک ایشان اصل ہیت دُن اَف
قدیم آ سپاہیک اَرین نن وطن نا
ننے پارہ مہمان اصل ہیت دُن اَف
براہوئی اگر نُم تینے پارفورے
پُھلو ملک ءِ افغان اصل ہیت دُن اَف
پُھلفین شان ءِ تینا نن کہ تینٹ
گلہ کین پین آن اصل ہیت دُن اَف
ختم کینہ تینٹ براہوئی نا قوم ءِ
شکایت ءِ غیران اصل ہیت دُن اَف
دتر تِسُّٹ تاریخ نوشتہ ءِ وطن نا
دتک تسو اوڑان اصل ہیت دُن اف
کفن قبر ٹی ہُر کنا خیسن پُھلے
پنے دنا زیھان اصل ہیت دُن اَف
فکر عادل ءِ دا ہمیشہ رہینگک
ہَرفو دُوءِ قوم آن اصل ہیت دُن اَف(۱۶۰)

ترجمہ

ہمیں کہتے ہیں بیگانہ حقیقت نہیں یہ
نہ ملک ایشان حقیقت نہیں یہ
قدیم رکھوالے ہیں ہم اس وطن کے
ہمیں کہتے ہیں مہمان حقیقت نہیں یہ
کھو گے اپنے آپ کو گر براہوئی
ملک چھینے گا افغان حقیقت نہیں یہ
اپنی شان کو خود گنوایا ہے ہم نے
گلہ دوسروں کا حقیقت نہیں یہ
ختم کرتے ہیں خود قومِ براہوئی
شکایت غیران حقیقت نہیں یہ
خون خود سے لکھی ہے تاریخِ وطن
خون ہے یہ اس کا حقیقت نہیں یہ
کفن قبر میں میرا لالہ گل ہے
اوپر نام کس کا حقیقت نہیں یہ
فکر ہے ہمیشہ یہ عادل کو دیکھو
ہو دوست کش قوم سے حقیقت نہیں یہ

بابائے براہوئی نے اپنے اخبار میں کئی بار براہوئی زبان اور قوم کے خلاف ہونے والے ان اقدامات کے خلاف آواز اٹھائی۔ لیکن ان کی آواز دبائی گئی یا کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ لیکن وہ اپنی سرگرمیاں اور جدوجہد جاری رکھے ہوئے تھے۔ بالآخر دن رات محنت کرنے کے بعد ان کی جدوجہد رنگ لائی ۱۹۸۸ء کے اوائل میں انھوں نے کئی براہوئی تعلیم یافتہ نوجوانوں میں براہوئی قوم اور زبان کے حقوق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد گروپ پیدا کیا۔ اس طرح نصف صدی پر محیط بابائے براہوئی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔

۱۸اپریل ۱۹۸۸ء کے دن شاد براہوئی' سوسن براہوئی' محمد حسن زباد براہوئی اور جان محمد بسمل

براہوئی کا خضدار میں اہم اجلاس سوسن براہوئی کے گھر منعقد ہوا۔ جس میں براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن کو دوبارہ بحال اور فعال کرنے پر اتفاق کیا گیا۔ ڈاکٹر شاد براہوئی اس طلبہ تنظیم کا پہلا چیئرمین مقرر ہوا۔ موجودہ براہوئی ایس ایف کا آئین اور جھنڈہ عابد براہوئی کی سربراہی میں تیار کیا گیا۔ بی ایس ایف نے ۲۵ دسمبر ۱۹۸۸ء سے باقاعدہ اپنے سرگرمیوں اور جدوجہد کا آغاز کیا۔ ۲۸ دسمبر کو بی ایس ایف کی مرکزی قیادت نے اپنی اس تنظیم کی نئی آرگنائزنگ کمیٹی کے قیام کے حوالے سے جو پریس ریلیز جاری کیا وہ یہ ہے:

''خضدار شہرٹی بی ایس نا قیام

خضدار (پ ر ۲۸ دسمبر) براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن خضدار شہر نا یونٹ نا اعلان کننگا۔ اینو داڑے خضدار شہر نا شاگرداتا اسہ مچی ٹی زیر صدارت مرکزی آرگنائزر بی ایس ایف ایلم شاد براہوئی نا مس۔ دا مچی ٹی بی ایس ایف نا منشور و آئین نا ذیہا روشنی شاغنگا۔ آخرٹی ایلم آتا صلاح اٹ عبوری دورٹی داشیفکو آرگنائزنگ کمیٹی نا اعلان کننگا۔

آرگنائزر: ایلم عبدالمالک براہوئی

پریس سیکرٹری: ایلم رضا محمد براہوئی

خزانچی: ایلم عبداللہ جان براہوئی

آخرٹی ایلم شاد براہوئی مرکزی آرگنائزر بی ایس ایف عہدیدارو باسک آتیان وفاداری نا سوغند عِہلک۔'' (۱۶۱)

ترجمہ: خضدار شہر میں بی ایس کا قیام:

خضدار (پ ر ۲۸ دسمبر) براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن، خضدار شہر کے یونٹ کا اعلان کیا گیا۔ خضدار شہر کے طالبعلموں کا ایک اجلاس زیر صدارت مرکزی آرگنائزر شاد براہوئی ہوا۔ اس اجلاس میں بی ایس ایف کے منشور و آئین پر روشنی ڈالی گئی۔ آخر میں درج ذیل آرگنائزنگ کمیٹی کا اعلان کیا گیا۔

آرگنائزر: ایلم عبدالمالک براہوئی

پریس سیکرٹری: ایلم رضا محمد براہوئی

خزانچی: ایلم عبداللہ جان براہوئی

آخر میں شاد براہوئی بی ایس ایف کے مرکزی آرگنائزر عہدیداروں اور ممبران سے حلف لیا۔

۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء کے دن خضدار کے قریب زیدی میں بی ایس ایف کے پہلا تنظیمی یونٹ کا قیام عمل میں آیا۔ اس یونٹ کے قیام کے حوالے سے ۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء کو پریس ریلیز جاری کیا گیا:

''زیدی ٹی بی ایس ایف یونٹ نا قیام''

زیدی (پ ر ۲۹ دسمبر) براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن زیدی یونٹ نا قیام اینو داڑے عمل ٹی بس۔ مرکزی آرگنائزر ایلم شاد براہوئی زیدی یونٹ نا آرگنائزنگ کمیٹی نا اعلان کرے۔ ہرانا تحت زیدی یونٹ نا

آرگنائزر: ایلم محمد حسین خان محسن براہوئی

پریس سیکرٹری: ایلم رحمت اللہ براہوئی

خزانچی: ایلم محمد عمر زاہد براہوئی

گچین کننگا۔'' (۱۶۲)

ترجمہ: زیدی میں بی ایس ایف یونٹ کا قیام

زیدی (پر ۲۹ دسمبر) براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن زیدی یونٹ کا قیام آج یہاں عمل میں آیا۔ مرکزی آرگنائزر شاد براہوئی نے زیدی یونٹ کے آرگنائزنگ کمیٹی کا اعلان کیا۔ جس کے تحت زیدی یونٹ کے

آرگنائزر: ایلم محمد حسین خان محسن براہوئی

پریس سیکرٹری: ایلم رحمت اللہ براہوئی

خزانچی: ایلم محمد عمر زاہد براہوئی

عہدیداران منتخب ہوئے۔

یہ تنظیم ۱۹۷۲ء والی بی ایس ایف کا تسلسل تھا جو دوبارہ شروع ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ بابائے براہوئی کے نظریات کو سامنے رکھ کر ''براہوئی'' اور ''بلوچ'' دو علیحدہ قومیں ہیں اور ایک سرزمین

پر رہتے ہوئے دونوں علاقائی بھائی ہیں' کی سوچ پیش کی۔اس طلباء تنظیم کے اہم سیاسی مقاصد درج ذیل تھے:

۱۔ براہوئی قوم کو بحیثیت ایک قوم تسلیم کروانے کے لیے کوشش کرنا۔

۲۔ براہوئی طالب علموں میں قومی شعور کا احساس پیدا کرنا اوران میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔

۳۔ براہوئی طالب علموں کے تعلیمی' سیاسی اور سماجی حقوق کے لیے جدوجہد کرنا۔

۴۔ اچھے تعلیمی نظام اور غیر طبقاتی تعلیمی طریقے کے لیے جدوجہد کرنا۔

۵۔ براہوئی طالب علموں میں براہوئی زبان' ادب' ثقافت' تہذیب وتمدن کے لیے رغبت پیدا کرنا اوران کی ترقی وترویج کے لیے جدوجہد کرنا۔

۶۔ براہوئی طالب علموں اور دوسرے حقیقی اور ترقی پسند طالب علموں کے درمیان بھائی چارہ پیدا کرنا اورامن کے قیام کے لیے کی جانے والی کوششوں سے تعاون کرنا۔

۷۔ براہوئی زبان کے ساتھ سارے مادری زبانوں کو تعلیمی درسگاہوں میں رائج کرنے اور ترقی دلانے کے لیے جدوجہد کرنا۔قومی زبانوں کے ادبیات کے فروغ کے لیے کام کرنا۔

۸۔ پاکستان کو کثیر القومی اسلامی ریاست سمجھتے ہوئے بڑے چھوٹے سارے اقوام کی خود ارادیت بشمول ان کے علیحدہ حقوق کے لیے جدوجہد کرنے کے ساتھ قومی جبر' بڑے قوموں کی طرف سے چھوٹے اقوام کا استحصال کے عمل کے خلاف آواز اٹھانا اور جدوجہد کرنا۔

۹۔ معاشرہ میں موجود قبائلی' جاگیرداری' سرمایہ داری اور غیر برابری والے نظام اور غیر اسلامی رواج کے خلاف جدوجہد کرنا اورایک پاک معاشرہ کے قیام کے لیے کوشش کرنا۔

۱۰۔ معاشرہ میں نوآبادیات اور جدید نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد کرنا۔

۱۱۔ (الف) زندگی کے سارے حصوں میں عورتوں کے جائز حقوق حاصل کرکے دینے کے لیے جدوجہد کرنا۔

(ب) مزدور' کسان' خانہ بدوش' عورت' دانشور' وکیل' استاذ' صحافی اور دوسرے مظلوم اور ترقی پسند جمہوری تنظیموں کے تحریکوں سے مدد اوران کے ساتھ اکھٹے جدوجہد کرنا۔

۱۲۔ ساری دنیا میں جمہوری عمل' قومی آزادی اور مظلوم قوموں کی تحریکوں کی حمایت کرنا۔(۱۶۳)

سات سال بعد یعنی ۲۰ دسمبر ۱۹۹۵ء کو براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا نیا آئین بنام ''دستور براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن چھپا۔جس میں پہلا جھنڈا جو کہ سفید' سبز' لال' اور پیلا (دیکھیئے جھنڈا نمبر۱) رنگوں پر مشتمل تھا کو تبدیل کر کے پیلا اور لال رنگوں پر بنایا گیا۔(دیکھیئے جھنڈا نمبر۲) ساتھ ہی ایک موٹو یا لوگو بھی دیا گیا جو گول دائرے میں بند کتاب نما ہے۔(دیکھیئے مونوگرام نمبر۳) (بی ایس ایف کے جھنڈے اور لوگو)

اس آئین میں بھی وہی اغراض ومقاصد بیان کئے گئے ہیں لیکن ان کو مختصر اور جامع بنا کر صرف سات نکات پر اکتفا کیا گیا۔ملاحظہ ہو:

۱۔ براہوئی کو ایک قوم سمجھتے ہوئے ان کو منوانے کے لیے جدوجہد کرنا۔

۲۔ براہوئی طالب علموں اور عوام میں قومی شعور پیدا کرنا اوران کو اس عمل میں اکٹھا کرنا۔

۳۔ ہر قسم کے قومی لوٹ مار کے خلاف مزاحمت کرنے کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کے بے بس مظلوم قوموں کی جمہوری اور قومی تحریکوں کی حمایت کرنا۔

۴۔ عوام میں اونچ نیچ پیدا کرنے والے نظام کے خلاف جدوجہد کرنا۔

۵۔ پاکستان کو کثیر القومی اور آئینی حوالے سے اسلامی ریاست سمجھتے ہوئے قوموں کی حق خودارادیت کی حمایت کرنا۔

۶۔ مزدور' کسان' خانہ بدوش' وکیل' دانشور' استاذ' صحافی اور عورتوں کے بنیادی حقوق کے لیے ان کے تحریکوں کی حمایت کرنا۔

۷۔ موسمی ہجرت' نوآبادیت وجدید نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد کرنا۔(۱۶۴)

بی ایس ایف کے سندھ وبلوچستان میں سینکڑوں شاخیں اور ہزاروں کارکن ہیں۔یہ براہوئی قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی واحد منظم اور مستحکم تنظیم ہے۔جو براہوئی قومی حقوق کی حصول کے لیے مسلسل سیاسی' ادبی اور صحافتی جدوجہد کررہی ہے۔اس تنظیم نے براہوئی ہمدرد سرداروں اور سیاسی شخصیات کی مدد سے بڑی سیاسی' ادبی اور صحافتی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔مثلاً:

۱۔ براہوئی اکیڈمی کے منجمد گرانٹ کو بحال کرواکے اس میں مزید خاطر خواہ اضافہ کروایا۔

۲۔ براہوئی زبان میں کئی ماہنامے/مجلّے شائع کروائے جو آج بھی جاری ہیں۔جن میں ماہنامہ ''مہر'' نوشکی، ماہنامہ ''شروخ''، ماہنامہ ''استار'' سوراب قابل ذکر ہیں۔جن میں براہوئی قوم کے کلچر' ادب' شاعری' لسانیات' تاریخ اور دوسرے اہم موضوعات پر شاہکار براہوئی' اردو اور انگریزی مضامین' مقالے شائع ہوتے ہیں۔

۳۔ براہوئی ادبی سیمیناروں کے انعقاد کا ابتدائی خیال اور میٹنگ خضدار' صالح آباد میں سوسن براہوئی کے گھر جوہر براہوئی' جان محمد بسمل براہوئی اور سوسن براہوئی کے درمیان ہوا۔اسکے بعد سندھ اور بلوچستان میں سال کے اندر دو دفعہ ''آل پاکستان براہوئی سیمینار'' کے نام سے مسلسل انعقاد جاری ہوا۔جس کے روح رواں براہوئی قوم کے قومی اور انقلابی شاعر الحاج علامہ جوہر براہوئی ہیں۔اس وقت تک ۲۵ سیمینار منعقد ہو چکے ہیں۔جن کی اکثریت جوہر براہوئی کے ہاں فرید آباد' میہڑ (سندھ) میں منعقد ہوئی ہے۔ان سیمیناروں کی وجہ سے ایک طرف براہوئی قوم کے نوجوانوں میں براہوئی زبان علم و ادب سے وابستگی کا رجحان پیدا ہوا تو دوسری طرف شاعری' کہانیاں' ناول' لسانیات' تاریخ' علم بشریات' علم آثار' لغت اور دوسرے اہم موضوعات پر نوجوان محقق پیدا ہوئے۔جن کے تحقیقی شاہکار کئی کتابوں کی صورت میں منظر عام پر آ چکے ہیں۔

۴۔ وزیر اعلیٰ ذوالفقار علی مگسی کے دور حکومت (۲۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء، ۸ نومبر ۱۹۹۶ء) جون ۱۹۹۴ء میں براہوئی زبان کو پی سی ایس اور دوسرے مقابلے کے امتحانات میں بطور اختیاری مضمون منظور کروایا گیا۔اس منظوری کے لیے جمعیت علماء اسلام کے مولانا محمد عطاء الرحمٰن نے بلوچستان صوبائی اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کی۔جس کی پیپلز پارٹی کے رکن صادق عمرانی' ڈاکٹر کلیم اللہ اور نیشنل پارٹی کے نوابزادہ میر حاجی لشکری خان رئیساڑی نے حمایت کی۔دراصل اس قرارداد کو پیش اور منظور کروانے میں نوابزادہ میر حاجی لشکری خان رئیساڑی کا ہاتھ تھا۔حاجی صاحب' نواب غوث بخش خان رئیساڑی شہید کے فرزند ارجمند اور نامور سیاستدان ہیں۔جو خود براہوئی زبان کے نامور انقلابی اور طنزیہ شاعر بھی ہیں۔

۵۔ نواب اکبر بگٹی نے اپنے دور حکومت میں (۵ فروری ۱۹۸۹ء تا ۷ اگست ۱۹۹۰ء) جمعیت علماء اسلام کے صوبائی اسمبلی کے رکن غلام مصطفیٰ سورابی نے اسمبلی میں ایک قرارداد کے ذریعے

براہوئی زبان کو علاقائی زبانوں میں پرائمری سطح کی تعلیم کے لیے منظور کروایا (دیکھیئے قرارداد کا عکس) جو بعد میں جمالی دور حکومت (۷ انومبر ۱۹۹۰ء تا ۲۲ مئی ۱۹۹۳ء) میں براہوئی مخالفوں نے ختم کرادیا۔

اس میں پہلی بار براہوئی زبان کو صرف ضلع قلات اور ضلع خضدار کے کچھ حصوں میں بولی جانے والی زبان لکھا گیا یعنی براہوئی ابان کو صرف قلات ضلع تک محدود رکھا گیا اور اس برعکس باقی سارے بلوچستانی اضلاع جن میں ڈیرہ بگٹی' کوہلو ایجنسی' خاران' لسبیلہ' تربت' پنجگور' گوادر' چاغی' جعفر آباد' تمبو اور کچھی شامل ہیں میں صرف بلوچی زبان بولی جانے والی زبان قرار دیا گیا۔اس میٹنگ کی رپورٹ میں براہوئی بلوچی اور پشتو زبانوں کے علاقوں کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ

"The Mother tongue can be introduced in various District/Areas as under:

1. **Urdu:**
Quetta District
SibiDistrict

2. **Baluchi**
Dera Bugti Agency
Kohlu Agency
Kharan District
Lasbela District
Turbat District
Panjgur District
Gawadar District
Chaghai District
Jafarabad District
Kachhi District

3. **Brahvi**
Kalat District
Parts of Khuzdar District

4. **Pashto**
Pishin District
Zhob District
Ziarat District
Killa Saifullah District

Note: Khuzdar and Loralai cities will be given option of Urdu along with local language.(165)

بلوچستان میں ''براہوئی'' سیاسی مسئلہ قرار پانا

بی ایس ایف اپنی دن رات کی جدوجہد سے آج بلوچستان کے سیاسی، ادبی اور صحافتی دنیا میں اس حقیقت کو منوا چکا ہے کہ بلوچستان میں پشتون اور بلوچ کی طرح براہوئی بھی ایک علیحدہ قوم ہے۔ براہوئی قوم اور زبان بلوچستان اور سندھ بلکہ پاکستان میں نسلی اور لسانی خصوصیات کی وجہ سے اس سرزمین کے قدیم ترین باشندے اور وارث ہیں۔ اپنی ساڑھے پانچ سو سالہ (۱۴۰۵ء سے ۱۹۴۸ء) قومی تاریخ کے مالک رہے ہیں۔ بی ایس ایف کی اس تاریخی اور سیاسی جدوجہد کی بناء پر بلوچستان میں براہوئی اور اصلاً بلوچ سیاستدان علیحدہ علیحدہ سیاست کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جیسے کہ ایک تجزیہ نگار لکھتا ہے کہ:

''۱۹۸۸ء سے (جب بی ایس ایف کی بنیاد پڑی) بلوچ سیاست میں ایک نمایاں تبدیلی آئی۔ اگرچہ اس کے آثار ایک عرصہ (۱۹۷۲ء کے بی ایس ایف کی طرف اشارہ) سے موجود تھے لیکن واضح گروہ بندی تب ظاہر ہوئی جب مکران کے نوجوانوں نے اس غرض سے بی این ایم بنائی عام آدمی کی رسائی پارٹی کی قیادت تک ہو سکے۔ اس کی مزاج بنیادی طور پر اینٹی سردار رہا۔ پارٹی کنونشن میں اختلاف کے آثار پیدا ہوئے۔ ساراوان اور جھلاوان کے نوجوان جو لسانی حوالے سے اپنی الگ شناخت رکھتے تھے جب کہ ان کا خیال تھا کہ قبائلی عنصر کو نکال کر جھالاوان کی سیاست ممکن نہیں ہے۔ اس طرح بی این ایم کے دو واضح دھڑے جن میں سے ایک ڈاکٹر حئی بلوچ کے نام سے موسوم ہوا جب کہ دوسرا سردار اختر مینگل گروپ کہلایا۔ پہلا گروپ مکران تک محدود رہا جب کہ دوسرے گروپ کا اثر و رسوخ ساراوان اور جھالاوان میں رہا۔ یہ علاقہ بنیادی طور پر براہوئی قبائل سے ترکیب پاتا ہے۔ اس وجہ سے بلوچ اور براہوئی کی اصطلاحات بلوچوں کی سیاست میں کھلم کھلا متعارف ہوئیں............۔'' (۱۶۶)

براہوئی قوم کے مینگل قبیلہ کے سردار، سردار عطاء اللہ مینگل، بلوچوں کو براہوئیوں سے الگ قرار دینے پر تبصرہ کرتا ہے کہ:

''کل براہوئی کے گھر سے یہ کہا جا رہا تھا کہ براہوئی الگ ہے آج ہم بلوچوں سے سن رہے ہیں کہ براہوئی الگ ہے............۔'' (۱۶۷)

ایک اور بلوچ تجزیہ نگار بلوچستان کی سیاست میں تین اہم بڑے سیاسی مسئلوں میں ایک براہوئی اور بلوچ علیحدہ یا ایک ہیں کو اہم گردانتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ:

''یہاں (بلوچستان کے سیاسی) مسائل اور مشکلات میں قومی اور کلیدی درج ذیل ہیں۔

۱۔ بلوچ پشتون مسئلہ

۲۔ ذگری نمازی مسئلہ

۳۔ بلوچ قوم کو بلوچ براہوئی میں تقسیم کرنے کی سازش۔'' (۱۶۸)

طاہر محمد خان، بلوچستان میں براہوئیوں کا خود کو علیحدہ قوم اور براہوئی سیاسی تحریک کی سیاسی جدوجہد کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ:۔

''بلوچستان اپنی آبادی اور کثیر الثقافتی صوبہ ہے۔ بلوچوں اور پشتونوں کے مسلسل اثبات ذات نے دوسرے لسانی گروہوں کو اپنے وجود کا احساس دلایا اور بتدریج وہ اپنے وجود کا اظہار کرنے لگے۔ اس وقت بلوچستان میں محض بلوچ، پشتون تقسیم نہیں، بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے............اور مرکزی بلوچستان میں براہوئی تحریک نے ایک موثر شکل اختیار کر لی ہے......'' (۱۶۹)

ڈاکٹر مظفر حسن ملک، براہوئی قوم میں حق خودارادیت اور سیاسی بیداری کے ساتھ خود کو علیحدہ قوم اور بلوچستان میں بلوچ اور پشتونوں کے ساتھ تیسری بڑی سیاسی اور قومی قوت تسلیم کروانے کے بارے میں رقمطراز ہے کہ:۔

''براہوئی قبائل کو بھی اپنی انفرادیت (یعنی علیحدہ قوم) اور ثقافت کے نقصان

کا شدید احساس پیدا ہو چکا ہے..........اور سب سے بڑھ کر یہ کہ براہوئی نسل کے لوگوں میں ذاتی تشخص کا شعور پیدا ہو گیا ہے..........''(۱۷۰)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بی ایس ایف کی سیاسی جدوجہد نے بلوچستان کی سیاست میں براہوئی قومی تشخص کو نمایاں کر کے اپنی سیاسی اہمیت اور کامیابی کا جھنڈا گاڑ دیا ہے۔

براہوئی قوم کے لوگ اپنے قومی تشخص کے لیے مختلف سیاسی تنظیموں کے پلیٹ فارم سے سرگرمِ عمل ہیں۔ حقیقت میں بلوچ قوم کے سربراہان اور سیاسی قائدین کو بلوچستان میں سیاسی استحکام کے ساتھ لسانی اور نسلی اختلافات کو ختم کرنے کے لیے براہوئی اور بلوچوں کو اپنے قومی تشخص کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

باب سوم

براہوئی لفظ کی وجہ تسمیہ، معنی، قدامت اور تاریخی پس منظر

براہوئی قوم وزبان ایک شاندار کلچر وتہذیب کی مالک ہے۔ اس لیے اس پر فخر کرنا قدرتی امر ہے۔ لہٰذا ''براہوئی'' عرصہ سے زیرِ بحث رہا ہے اور رہے گا۔ یہاں پر بحث سے مراد تحقیقات و توضیحات وغیرہ کے ہیں۔

ہم اپنی بات ان محققین کی طرح بے سروپا، غیر تحقیقی بنیادوں پر تھوپ نہیں سکتے جن کا اصل مقصد وقتی سیاسی مفادات کے حوالے سے جانبدارانہ ہیں بلکہ ان کی تحقیقات وتوضیحات کو ٹھوس حقائق، منطقی دلائل اور معروضی شواہد کی بنیاد پر جانچ پرکھ کر پیش کرتے ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے لفظ ''براہوئی'' سے بحث شروع کرتے ہیں کہ ''براہوئی لفظ کی بنیاد، معنی، قدامت اور تاریخی پسِ منظر پر بعض محققین اور قلم کاروں نے توضیحات اور تحقیقات پیش کی ہیں وہ نہ صرف ایک دوسرے سے متفق نظر نہیں آتے بلکہ انتشار کا شکار بھی ہیں۔ لہٰذا جہاں تحقیق کا مقصد حقیقت سے ہٹ کر ایک غیر حقیقی مقصد حاصل کرنے کے لیے ہو تو وہاں ان کا ایک حتمی نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔ آیئے ہم ان باتوں کا جائزہ درج ذیل میں لیتے ہیں۔

الف: براہوئی (برا-ہو-ئی-Bra-hu-i)

ہنری پوٹنجر نے براہوئی کی بنیاد لفظ ''بروہ'' کو قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ ''بُرہ'' بمعنی ''پر'' اور ''روہ'' بمعنی ''پہاڑ'' یعنی پہاڑوں پر رہنے والے لوگوں سے مراد لیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''یہ نام ان (براہوئیوں) پر اس لیے پڑا کہ بُروہیوں (براہوئیوں) نے پہاڑوں میں آ کر بود وباش اختیار کی۔

"but their persuits and way of domestic life afford the strongest reson for believing that they were originally mountaineeerrs; and same among themselves affirm, that their very name demonstrates this by its signification, being a compound of the affix Bu, on ; and Roh, a word said to mean a hill. "(1)

ان کا اشتقاق صحیح نہیں اس لیے کہ'' بُہ'' کس زبان کا لفظ ہے۔اس بارے میں انھوں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔البتہ انھوں نے'' بُہ'' کے معنی''on'' یعنی''پر'' لکھا ہے۔جس کا فارسی زبان میں ہم معنٰی لفظ'' بَر''(اوپر' آغوش' پھل' بلند' چوڑائی' نفع' طرف' یاد' حفظ اور جوان عورت) ہے۔(۲) اگر'' بُہ''اور''روہ'' سے مطلب نکالا جائے تو بُروہ لفظ بنتا ہے۔اس سے پہاڑ پر رہنے والے کا مطلب نہیں نکلتا جب تک ان میں صفتی لاحقہ''ای'' نہ لگایا جائے۔اگر اسے لگایا جائے تو پھر''بَروہی'' یعنی پہاڑ کے اوپر رہنے والے لوگ معنی نکلتا ہے۔مگر اصل لفظ'' بُروہی''(Buro-hee) یا'' بَروہی''(Baro-hee) نہیں بلکہ''بِروہی''(Biro-hee) ہے(اس پر آگے بحث ہوگی)۔بَروہی لفظ کیسے بِروہی میں تبدیل ہوا؟ اس کا انہوں نے کوئی لسانیاتی اور تاریخی ثبوت نہیں دیا ہے۔حالانکہ براہوئیوں کو اس نام سے غیر براہوئیوں نے پکارا ہے۔براہوئی خود کو کبھی بھی''بَروہی'' نہیں کہتے البتہ سندھ کے براہوئی سندھیوں کے پکارے ہوئے نام''بِروہی'' کو اختیار کرتے ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے کو''بِروہی'' کے برعکس''بِراہوئی'' کہتے ہیں۔جبکہ کچھ براہوئی سندھی لفظ بِروہی کے تلفظ کو''بُروہی'' بھی ادا کرتے ہیں۔

جیمس ٹاڈ نے براہوئی لفظ کی بنیاد کو براہا(Braha) قرار دیا ہے اور پوٹنجر کے حوالے سے ان کو بلوچستان کے رہنے والے بتایا ہے۔اس نے اصل لفظ''براہا''(Braha) بتایا ہے۔براہا کا ''آ'' مصوتہ کیسے حذف ہوکر''اوئی'' یعنی براہوئی (براہ+اوئی) میں تبدیل ہوا۔کوئی ثبوت نہیں دیا ہے۔(۳) چارلس میسن نے ٹاڈ کے لفظ کو زیر بحث لاکر پھر براہوئی لفظ کو''با+روہ+ای'' کا مرکب بتاکر اسی کی معنی دشت باریہ کے اور ہم مخلوق بروہی یعنی اہل بادیہ قرار دیا ہے۔چارلس میسن نے جو اشتقاق دیا ہے اس سے''باروہی'' یا بَروہی لفظ بنتے ہیں۔مگر اصل لفظ''بِراہوئی'' ہے جس پر انہوں نے

کوئی بحث نہیں کیا ہے۔(۴) ہیوگز بُلر بھی کسی حد تک اس کی تقلید کرتا ہے۔(۵) سی ایف منچن نے بلوچی زبان میں''براہوئی' جدگال جنگ'' شعر جو ۳۲۲ بندوں پر مشتمل ہے دیا ہے۔جس میں براہوئی لفظ کے برعکس''براہُو''(Brahoo) لفظ استعمال ہوا ہے اور اس نے براہُو کو ابراہیم تصور کرکے حضرت ابراہیم علی السلام یا براہوئیوں کا جدامجد ابراہیم نامی تھا کو براہوئی یا بروہی (ابراہیم < براہیم < براہو < بروہی < یا براہوئی) بگڑی ہوئی صورت قرار دیا ہے۔(٦) ہیوگز بُلر اسی سے متفق نظر آتے ہیں۔(۷) مولائی شیدائی بھی اس سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہے۔(۸) رائے بہادر ہتو رام ایک طرف سی ایف منچن سے متفق نظر آتے ہیں۔دوسری طرف وہ براہوئی لفظ کو حلب کے علاقہ''بروہ'' میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے بگڑ کر بروہی مشہور ہوئے / ہوا قرار دیتا ہے(۹) ڈینس برے'براہوئی لفظ کی بنیاد کے بارے میں تذبذب کا شکار ہے۔ایک طرف براہوئی لفظ کو با'روہ'ای (یعنی پہاڑی لوگ) کا مرکب بتاتا ہے۔جیسے کہ پوٹنجر اور میسن نے لکھا ہے دوسری جانب ناروہی یا میدانی لوگ کا ضد یعنی پہاڑی لوگ قرار دیا ہے۔تو تیسری طرف حلب(Aleppo) میں بارویا(Biroea) علاقہ میں بود و باش رکھنے کی وجہ سے براہوئی مشہور ہوئے' قرار دیتا ہے۔جس طرح رائے بہادر ہتو رام نے پہلی مرتبہ مفروضہ قائم کیا تھا۔چوتھی طرف وہ سی ایف منچن سے متفق نظر آتے ہیں کہ براہوئیوں کے جدامجد ابراہیم سے براہیم اور براہو سے براہوئی لفظ وجود میں آیا۔(۱۰) ایم ایس آندرونوف نے براہوئی لفظ کی بنیاد کو ابراہیم سے براہیم اور براہو سے براہوئی کے خیال کو رد کیا ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ:

"Tracing Brahui to the proper name Ibrahim, so popular among the Brahuis themselves, is merely a case of folk etymology linked with the adoption of Islam........"(11)

رائے بہادر ہتو رام اور ڈینس برے نے براہوئیوں کا بروہ' برویہ یا بارویہ ندی پر رہنے کی وجہ سے بارویہ سے برویہ یا براہوئی مشہور ہونے کے طرف اشارہ کیا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ بارویہ سے برویہ بنتا ہے بروہی یا براہوئی نہیں بنتا اور''یہ'' کیسے''اوہ'' میں تبدیل ہوا یہ بتا نہیں سکے ہیں اور نہ ہی ''اویہ'' کا''اوہ'' میں تبدیلی کا براہوئی زبان میں کوئی ثبوت پایا جاتا ہے۔

دراصل برویہ' بارویہ (Biroea) یا بروہ کسی ندی کا نام نہیں بلکہ بردی (Bardee)

نام سے ایک نہر کا نام ملتا ہے جسے کبھی کبھار بردیا (Bardiya) بھی کہتے ہیں جو دمشق کو ہزاروں سالوں سے سیراب کرتی ہے۔ اس کا توریت میں نام ''ابانہ'' آیا ہے۔ دمشق کو سات نہریں آباد کرتی ہیں جن میں نہر یزید، نہر دبرانی، نہر ثورا، نہر قوات، نہر بانیاس، نہر عقربہ اور نہر بردی شامل ہیں۔ ان میں نہر بردی سب سے بڑی ہے باقی چھ نہریں بردی کی شاخیں ہیں۔ یہ نہر دمشق کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی مغرب سے مشرق کی طرف بہتی ہے۔ یہ دمشق کے قلعہ باب السلام دروازہ کے سامنے بہتی ہے۔

انھی نہروں کے کچھ ناموں کو عماد ابوعبداللہ محمد بن محمد الاصفہانی نے بہترین پیرایہ میں ایک شعر میں قلمبند کیا ہے:

الی ناس باناس لی صبؤة
لها الوجد داع و ذکری مشیر
یزید اشتیاقی و ینمو کما
یزید یزید و ثورا ایثور
و من بردی برد قلبی المشوق
فها انا من صرّہ مستجیر (۱۲)

براہوئیوں کو حلب (Aleppo) سے آنے والے اور عرب قرار دینے کے مفروضہ کو سی نارایَن راؤ رد کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

> "The Brahui say their ancestors came from Aleppo, but there is no evidence to conform this.........."(13)

جین ہوبن نے بھی اس مفروضہ کو غلط قرار دیا ہے۔

> "The value of the tradition is weakened by the claim that the Brahuis came from Aleppo, in present day Syria, but this element may reflect a later "Islamization" of an earlier tradition according to which the Brahui are immigrants to the area."(14)

جی پی ٹیٹ، براہوئی لفظ کی بنیادی صورت نہیں دیتا بلکہ معنی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ براہوئی کے معنی پہاڑی قبائل اور مرد کوہستانی ہے۔ سندھ میں بروہی لفظ عموماً قلات کے پہاڑی باشندوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہی غالباً اس لفظ کی ممکنہ تشریح ہے۔ (۱۵)

جوزف البائن ہمیشہ اپنی تحقیق میں براہوئی نسل، زبان اور کلچر کو ہند یورپی بالخصوص بلوچ قرار دیتا رہا ہے۔ وہ ''براہوئی'' لفظ کو قدیم ماننے سے انکار کرتا ہے اور ہنری پاٹنجر، جیمس ٹاڈ، چارلس میسن اور ہیوگز بلر کی نقل کرتے ہوئے ''براہوئی'' لفظ کی بنیاد کو سندھی الاصل لفظ ''بروہی'' قرار دیتا ہے۔ آسکو پارپولا بھی جوزف البائن کے غیر علمی اور غیر مستند لسانی تحقیق پر بھروسہ کرتے ہوئے غلط تحقیق کا شکار ہوا ہے۔ وہ البائن کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

> "As the Brahui themselves explain, their ethnic name in all probability denotes just one branch of the Balochi tribe....... the word "Brahui" (older Brahoi) is almost certainly a modern term, taken from the siraiki "jatki" braho, the local form of Ibrahim, to which the Balochi -i- ajd, suffix has been added, as is usual, to form an Ethicon. As for is in known, this ethicon was first used in the 16th C. to refrer to a now vanished tribe of Balochi, the Ibrahimi who dwelt amongst the jatts of Awaran in Pakistani, Makran...."(15)

البائن اور آسکو پارپولا کی باتیں صحیح نہیں ہیں کیونکہ براہوئی لفظ کی اصل صورت ''بروہی'' نہیں اور نہ ہی ''ابراہیمی'' کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ اس خیال کو آندرونوف نے رد کیا ہے جس کا حوالہ اوپر پیش کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ لفظ سولھویں صدی میں پہلی بار استعمال ہوا ہے۔

بلکہ اس کے برعکس نامور سیاح اور مؤرخ ابن حوقل نے (۹۵۰ء) اپنی کتاب میں بھی ''زِم بروہی'' کے الفاظ ''قوم بروہی'' کے معنوں میں واضح استعمال کیا ہے۔

مقامی قلمکاروں نے ۱۹۳۰ء کے بعد انگریزوں کی تحقیق کو سامنے رکھ کر کچھ نئے سیاسی مفروضے شامل کر کے براہوئی لفظ کی بنیاد، وجہ تسمیہ، معنی اور قدامت پیش کیے ہیں۔

مولوی دین محمد، سی ایف منچن اور ہیوگز بلر سے متفق نظر آتے ہیں۔ (۱۷) میر گل خان نصیر، کہتا ہے کہ براہوئیوں نے ایران میں واقع ''بُرزکوہ'' پہاڑ پر ایک زمانے میں سکونت اختیار کی جس کی وجہ سے ''برزکوہ'' لفظ نے مقامی دراوڑی زبانوں یا زبان (جس کا انھوں نے واضح اشارہ نہیں دیا ہے) کے

اثر سے ''برزکوہی (براہوئی)'' صورت اختیار کی۔ ''برزکوہ'' کیسے براہوئی یا بروہی میں تبدیل ہوا؟ اس بارے میں وہ خاموش ہیں۔ یہ سیاسی مفروضہ ہے اس کو ہم نے پہلے باب میں رد کر چکے ہیں۔ تفصیل کے لیے کتاب کا پہلا باب ملاحظہ ہو۔ (۱۸) صالح محمد لہڑی بھی گل خان نصیر سے متفق نظر آتے ہیں۔ (۱۹) محمد سردار خان بلوچ' براہوئی لفظ یا ان کی سندھی صورت بروہی کو قدیم ماننے سے انکار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ لفظ نادرشاہ سے کچھ پہلے علاقہ میں مستعمل ہوا۔ لفظ بروہی (پہاڑوں کا باسی) سے بگڑ کر بنا ہے۔ آج بھی سندھ میں بروہی (با+ روہ+ ی: معنی پہاڑی آدمی) کے معنی قلات کے پہاڑی علاقے کے لوگ لیا جاتا ہے۔ (۲۰) محمد سردار خان' براہوئی لفظ کو گل خان نصیر کے حسب ذیل جملوں

> ''میر چاکر اور میر گوہرام کو محض بلوچی رقابت اور ذاتی تعصب نے میر عمر کے خلاف لڑنے پر مجبور کر دیا تھا.........لیکن کئی وجوہات کی بنا پر وہ قلات میں بیٹھ کر حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے پہلی وجہ یہ تھی کہ میر چاکر اور میر گوہرام کو حکومت کرنے کا کوئی سلیقہ نہیں تھا۔ اپنے آزاد قبائل کے ساتھ پہاڑوں اور وادیوں کو لوٹنا اور غارت کرنا' ان کو ایک جگہ بیٹھ کر حکومت کرنے سے زیادہ پسند تھا۔ وہ پیدائشی خانہ بدوش تھے۔ کسی جگہ پر جم کر بیٹھنا اور حکومت کرنا ان کی آزاد طبیعت پر بوجھ معلوم ہوتا تھا۔ صحرا اور کوہستان کی فضا کو وہ شہر کی پابند زندگی پر ترجیح دیتے تھے......۔'' (۲۱)

کی وجہ سے قدیم ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ گل خان نصیر کے مندرجہ بالا جملوں سے سخت نالاں تھے۔ جس کی وجہ سے محمد سردار خان نے گل خان نصیر سے بدلہ لینے کے لیے اپنی تاریخ ''بلوچ قوم کی تاریخ'' میں براہوئیوں' براہوئی حکمرانوں' کلچر اور لوگوں کو اصل بلوچوں سے کم تر اور نچلے درجے کے لوگ قرار دے کر اپنی بھڑاس نکالی اور براہوئیوں کو بلوچوں سے علیحدہ اور مختلف قوم قرار دے کر دراوڑ قرار دیا۔

محمد سردار خان' براہوئی لفظ کو برہو یا براوؤ سے جوڑ کر اس کو اصل شکل قرار دیتا ہے۔ اور اسے گجراتی جاتی کی ایک شاخ جسے امیر خُسرو نے براوؤ یا براؤ لکھا ہے قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بلوچی لاحقہ عموماً ''وی'' یا ''ای'' ہے اور براوؤ کی جمع براوؤئی یا براؤئی ہے۔ آج کل بھی براہوئی اپنے آپ کو

براوؤئی کہتے ہیں۔ (۲۲) گوجر یا گرجر قبیلہ (جو اصل میں ستھین ہیں) میں ایک ذات (Caste) براہ ہیں (۲۳) انور رومان' گل خان نصیر اور محمد سردار خان گشکوری کی توضیحات اور تشریحات سے متفق نظر آتے ہیں۔ (۲۴) گل خان نصیر ۱۹۶۸ء کے بعد اپنے ''برزکوہی'' مفروضہ سے ہٹ کر سردار خان گشگوری کی پیش کردہ وجہ تسمیہ سے متفق ہو گئے۔ (۲۵) میر احمد یار خان (جو خود براہوئی اور آخری براہوئی تاجدار تھے) بھی براہوئی لفظ کی بنیاد اور معنی کو صحیح طرح سے پیش نہ کر سکے ہیں۔ وہ بھی مبہم طور پر سی ایف منچن' ہیوگز بلر اور گل خان نصیر سے متفق نظر آتے ہیں۔ (۲۶)

میر عاقل خان مینگل کا کہنا ہے کہ اصل کردوں نے مقامی سیوازئی لوگوں کے ساتھ مل کر مغل اور جاٹوں کے خلاف ایک اتحاد بنایا جو بعد میں ''براہوئی'' کے نام سے مشہور ہوا اور ''براہوئی'' نامی اتحاد یا لفظ ''براہیم'' (یعنی بھائی) لفظ کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ براہوئی لفظ ۱۵۱۵ء یا اس سے کچھ عرصہ پہلے مستعمل ہوا۔ (۲۷)

پہلی بات تو یہ ہے کہ مغلوں کے دور ۱۵۱۵ء میں کسی سیوازئی قبیلہ کا وجود نہ تھا۔ ان کا دور عربوں سے پہلے تھا نہ کہ مغلوں کے دور میں۔ وہ رائے خاندان کی طرف سے قلات اور خضدار علاقوں کے گورنر تھے۔ دوسرا یہ کہ ابراہیم' عبرانی زبان کا لفظ ہے' جس کے لغوی معنی ''آزاد بندہ'' ہے نہ کہ بھائی۔ میر عاقل خان مینگل کا یہ مفروضہ سی ایف منچن' رائے بہادر ہتورام اور سردار خان گشکوری کے مفروضوں کی کھچڑی ہے۔

ملک محمد سعید دہوار نے براہوئی لفظ کو ''وراہو'' یا ''وراہہ'' کی بگڑی ہوئی صورت قرار دیا ہے۔ اگر براہوئی لفظ ''وراہو'' یا ''وراہہ'' کی بگڑی ہوئی صورت ہے تو یہ براہوئی لفظ میں کیسے ڈھل گیا؟ اس کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا ہے یہ بھی ایک ظنی مفروضہ ہے۔ مقامی عام لکھاریوں نے براہوئی یا بروہی لفظ کے ساتھ تھوڑا سا بھی صوتی اشتراک دیکھا تو اسی وقت بغیر کسی تحقیق اور چھان بین کے اپنا ظنی مفروضہ پیش کیا۔ (۲۸) ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی نے براہوئی لفظ کو قدیم فارسی کا لفظ قرار دے کر اس کے معنی پہاڑی آدمی یا باجگر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ سندھی میں ''روہ'' کے معنی پہاڑ اور روہی کے معنی پہاڑی خطوں میں رہنے والا ہے۔ وہ براہوئی لفظ کی ایک اور وجہ تسمیہ کے طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب نوشیروان بلوچوں کے اس قبیلے سے تنگ آ گیا تو انھیں وہاں سے

نکالنے لگا۔ ایرانی ان بلوچوں سے کہنے لگے کہ ''بُرو'' یعنی نکل جاؤ تو ان میں سے ہر ایک نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ''ای'' یعنی میں' ان الفاظ کی نسبت سے بلوچوں کے اس طائفہ کا نام ''برو+ای'' یعنی بُروہی یا بِروہی مشہور رہوا۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی' براہوئی زبان کے نامور اسکالر اور محقق ہیں۔ انہوں نے گل خان نصیر کے سیاسی ''برزکوہی'' مفروضہ کو نہ سمجھ کر بُرو-ای> بروہی کے مفروضہ کا اختراع کیا۔ براہوئی نام کا نوشیروان کے دور سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ باتیں' مفروضے اور قصے من گھڑت ہیں۔(۲۹) عزیز مینگل نے براہوئی لفظ کو ہندی قرار دے کر ''براویک'' (جمع کی صورت) پیش کی ہے اور اس کی تفصیل میں "Name of a class of hereditary watchman near the Siwalik hill" لکھا ہے۔(۳۰)

مندرجہ بالا توضیحات اور تشریحات مقامی' ملکی اور غیر ملکی محققین اور قلم کاروں کے براہوئی اور بروہی الفاظ کی بنیاد' وجہ تسمیہ معنی اور قدامت کے بارے میں ہیں۔ ان کے تحقیقی مطالعے سے حسب ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ براہوئی: برزکوہی لفظ کی تبدیل شدہ صورت ہے۔
۲۔ براہوئی: ابراہیم' براہیم لفظ سے تبدیل ہو کر بنا ہے۔
۳۔ براہوئی: حلب میں واقع ''برویا'' یا ''باریہ'' ندی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔
۴۔ براہوئی: فارسی اور سندھی الفاظ ''با+روہ+ای'' کا مرکب ہے۔
۵۔ براہوئی: راجپوتوں کے براہا یا براہہ قبیلہ ہے۔
۶۔ براہوئی: گجروں کی ایک ذات ''براؤ'' یا ''براہ'' ہیں۔
۷۔ براہوئی: لفظ وراہ یا وراہا کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔
۸۔ براہوئی: قدیم فارسی لفظ ''برو+ای'' کی تبدیل شدہ صورت ہے۔
۹۔ براہوئی: سِوالک پہاڑوں میں پُشتوں تک پہرے دار ہیں۔

مندرجہ بالا سارے قلمکاروں نے اپنے اپنے توضیحات اور تشریحات خالی خولی باتوں پر رکھی ہیں۔ دراصل براہوئی لفظ کی بنیاد اور تاریخی پس منظر کو حقیقت کی نگاہ سے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ براہوئیوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قدیم دراوڑ ہیں۔ مہرگڑھ اور سندھ تہذیب کے خالق ہیں۔ جیسا کہ ایک جگہ لکھا ہے:

"The Peoples of Mehrgarh were Brahuis and were the first people who created the Indus civilization."(31)

پیرومریگی کہتا ہے:

"The langauge of the inhabitants of the Indus valley as proto-Brahui."(32)

کامل زویلیبل لکھتا ہے:

"Brahui is an ethnolinguistic remnant of the original Harappan population....."(33)

خود براہوئیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اس سرزمین کے اصلی باشندے ہیں۔ جیسے کہ جیمس مناہن لکھتے ہیں:

"According to Brahui traditions escaped the Aryan onslaugh as the Aryans bypassed their home land to move farther east.........."(34)

جب کہ براہوئیوں کے برعکس بلوچوں نے دور جدید میں قدیم ریاست قلات یا براہوئی ریاست میں قدم رکھا۔ جیسا کہ میک کول لکھتے ہیں:

"The Baloch who gave their name to province are comparatively recent arrivals. The apparently entered Baluchistan in the 11th and 12th centuries, being driven out of persia by the seljuks........"(35)

رابرٹ گورڈن لیتھم' براہوئیوں کو بلوچستان کے مقامی باسی اور بلوچوں کو نو وارد اور مہاجر قرار دے کر لکھتا ہے کہ:

"In the country, however, which they now occupy, the Brahui consider themselves aboriginal, the Biluch admitting that the are themselves foreign origin......"(36)

اگر واقعی براہوئی ایک قدیم نسل اور زبان سے تعلق رکھتے ہیں تو قدیم دور میں ان کا نام کیا تھا؟ ان کو کس نام سے لکھا اور پکارا جاتا تھا؟

مندرجہ بالا حقائق سے ہٹ کر جب ہم مقامی لکھاریوں کے کتب یا تحاریر کا مطالعہ

کرتے ہیں تو ان کے مطابق براہوئی یا بروہی الفاظ جدید دور کے آریائی ہیں اور قدیم دراوڑ نہیں۔ وہ دنیائے لسانیات، ماہرین آثارِ قدیمہ اور علم البشریات کی رپورٹوں اور مستند تاریخی حقائق کو متنازعہ سیاسی مسئلہ بنانے کے لیے ان پر "Divide and rule" کا ٹھپا لگا کر قارئین اور عالموں کے ذہنوں کو اصل حقیقت پڑھنے اور سمجھنے سے روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

ایم ایس آندرونوف پہلا مستشرق ہے جنھوں نے پہلی بار ''براہوئی'' یا ''بروہی'' الفاظ کو شک کی نگاہ سے دراوڑی الاصل قرار دینے کا اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

> "It is possible that Barohi was an Iranian translation loan word copying the Dravidian name......."(37)

ڈاکٹر مظفر حسن ملک نے بھی اسی طرح کا اشارہ دیا ہے کہ:

> ''اکثر براہوئی قبائل کے نام تو دراوڑی زبانوں میں تلاش کئے جاسکتے ہیں......۔''(۳۸)

مندرجہ بالا محققین کے تحقیق طلب نکات کی رو سے ہم ''براہوئی'' اور ''بروہی'' ناموں کی بنیاد اور وجہ تسمیہ کو آریاؤں سے قبل دراوڑوں کے دور میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ براہوئی لفظ کی وجہ تسمیہ، بنیاد، قدامت اور تاریخی پس منظر معلوم ہو سکے۔

مندرجہ بالا سارے مقامی، غیر ملکی محققین اور قلمکاروں کے برعکس سر ہولڈچ، ہیروڈوٹس کے حوالے سے براہوئی لفظ کی بنیادی صورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ:

> "Herodotus mentions only the parikanoi and the Asiatic Ethiopian. Parikan is the Persian plural form of the Sanscrit parva-ka, which means "mountaineer". This bears exactly the same meaning as the word kohistani, or Barohi,..although the latter may possible have developed into the Brahui......."(39)

ہولڈچ آگے بیلیو کے حوالے سے مزید تفصیل کے ساتھ براہوئی یا پرواکہ (Parvaka) لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

> "Herodotus gives the parikanoi and Asiatic

> Ethopians as being the inhabitatns of the seventeenth satrapy of the Persian Empire, and Bellew suggests that the Greek parikanoi is Greek transcription of the Persian form of parikan, the plural of the Sanscrit prava-ka, or in other words, the Ba-rohi or men of the hills......."(40)☆

ہولڈچ اور بیلیو کی مندرجہ بالا باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پَرواکہ (Parvaka) سنسکرت لفظ ہے جو فارسی زبان کے پاریکان (Parikan) لفظ کا جمع ہے اور پریکنوئی (Parikanoi) فارسی لفظ کی یونانی صورت ہے۔ جس کے معنی شمالی پہاڑی لوگ یعنی northern mountaineers کے ہیں۔ یہ لفظ براہوئی یا بروہی الفاظ کی بنیاد ہے۔

رحیم داد مولائی شیدائی، ہولڈچ اور بیلیو کی تحقیق کو دہراتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

> ''کرنل سر تھامس ہنگر فورڈ ہالڈچ نے مکران کے قدیم نقشے میں اور یتی (لس بیلہ) کے شمال مغربی خطے کو پارکونوئی کا نام دیا ہے۔ بعض روایات یہ بیان کرتے ہیں کہ یہی قدیم لفظ (پاروکونوئی) صوتی تغیر کے بعد براہوئی بنا۔ بعض مستشرقین کا بیان ہے کہ (پارکونوئی) سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ جو دو الفاظ ''پار'' اور ''کان'' کے مرکب سے بنا ہے۔ یعنی سنسکرت میں ''پارکا'' کے معنی ہیں۔ پہاڑی لوگ یا پہاڑ کے رہنے والے......۔''(۴۱)

رحیم داد شاہوانی براہوئی نے واضح طور پر یونانی لفظ ''پاریکنوئی'' کو ''براہوئی'' کی بگڑی ہوئی صورت قرار دیا ہے۔ وہ رقمطراز ہے کہ:

> ''جیسا کہ براہوئی لفظ یونانی زبان کی پاریکنوئی لفظ کی بگڑی ہوئی صورت ہے......۔''(۴۲)

ہولڈچ، بیلیو کے حوالے سے اور رحیم داد، بیلیو اور ہولڈچ کے حوالے سے ''پرواکہ'' لفظ کو ''براہوئی'' کا سنسکرتی روپ قرار دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ ہندآریائی زبان/زبانوں میں ''و''

☆: کچھ قلم کار سر ہولڈچ کے مندرجہ بالا دونوں حوالہ جات کو بغیر حوالہ کے اپنی کتابوں میں اردو ترجمہ کرکے اپنی تحقیق ظاہر کی ہے اور قارئین کو باور کرایا ہے کہ وہ اُن کی اپنی تحقیق ہے حالانکہ یہ علم اور تحقیق سے بددیانتی ہے۔ ن ش ب

کی آواز موجود تھی لیکن اس کے برعکس قدیم ایرانی یا اوستائی زبان میں ''و'' کی آواز کو ''ب'' اور ''پ'' میں تبدیل کرنے کا عام استعمال تھا۔ جیسے کہ:

قدیم ایرانی / اوستا	قدیم ہند آریائی
ت۔بَ اے شَن ہا	د۔وے شَ سا
اسپو	اَش وَ
ز۔ب۔یے۔ می	ہ۔وَیامی (۴۳)

اسی حوالے سے سدھیشور ورما لکھتا ہے کہ:

''متعدد حروف صحیح کے بعد قدیم ایران میں ''و'' کی ''ب'' یا ''پ'' ہوگئی تھی۔ سنسکرت میں ''و'' برقرار رہی...........'' (۴۴)

عرفان حبیبی بھی ایسی ہی رائے رکھتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہے:

"In the Indo-European family, the word for "horse" is ashva in Vedic Sanskrit and aspa in Avesta. Since the Avestan language attests a change from v to p........"(45)

اسی طرح قدیم ایرانی یا اوستائی زبان میں معکوسی آواز ''ڑ'' ناپید تھی جبکہ قدیم ہند آریائی زبانوں میں موجود تھی جو دراوڑی زبانوں کے اثر کا نتیجہ تھا۔ قدیم ایرانی یا اوستا زبان میں ''ڑ'' کی آواز کو ''ر'' میں تبدیل کیا جاتا تھا جیسے کہ:

قدیم ایرانی / اوستا: گ اِرِکَم

قدیم ہند آریائی: گرری نڑام (۴۶)

مندرجہ بالا لسانیاتی شواہد کے مطابق ''پرواکہ'' لفظ ''وڑاکوئی'' کا سنسکرتی یا ہند آریائی روپ نہیں بلکہ قدیم ہند ایرانی / اوستائی روپ ہے کیونکہ اوستا زبان بولنے والوں نے ''وڑاکوئی'' لفظ کے آواز ''و'' کو ''پ'' اور ''ڑ'' کو ''ر'' میں تبدیل کر کے ''پرواکہ'' لفظ میں تبدیل کیا۔ پرواکہ، وڑاکوئی لفظ کا اوستائی روپ ہے اور دونوں کے معنی شمالی پہاڑی لوگ کے ہیں۔

ایران میں ایک پہاڑ ''برزکوہ'' ہے۔ ''برزکوہ'' یا ''برزکوہی'' لفظ یا نام ''وڑاکوئی'' کا میانہ فارسی روپ ہے۔

''برز'' کو فارسی میں راستی کوہی البرز کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ ایران کے شمال میں پانچ سو ساٹھ میل لمبا، ہلال چاند یعنی کمان جیسی شکل میں موجود ہے۔ مشرق میں روس کی سرحد، جنوب و مغرب میں کیپسین سمندر، جنوب مشرق میں خراسان صوبہ کے الداغ تک سمندر میں گم ہوجاتا ہے۔ اس کے جنوب میں بڑے پہاڑی سلسلے ہیں۔ شمال مغرب میں سفید رج گاج، سمندر کے جنوب مغرب میں تالیش یا باگرو داغ کے پہاڑی سلسلے ہیں۔ اس بڑے پہاڑی سلسلے میں دو اور بڑی چوٹیاں داماوند اور عالم کوہ مشہور ہیں۔ زرتشتی مذہب کی کتب میں تحریر ہے کہ زرتشت نے چالیس دن تک البرز کوہ میں قیام کیا تھا۔ واپس ہوتے وقت اس کے ساتھ ''اوستا'' کے جلد تھے۔ جس کے توسط سے اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔ (۴۷) یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ برزکوہی پہاڑی سلسلہ ایران کے ''شمال'' میں واقع ہے اور ''وڑاکوئی'' یا ''پرواکہ'' لفظ کے معنی بھی شمالی پہاڑی لوگ کے ہیں۔

جب آریاؤں نے پہلی بار ایران میں قدم رکھا تو ان سے پہلے وڑاکوئی / براہوئی لوگ ''برزکوہ'' پہاڑ پر رہتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد فارسی زبان ارتقاء پا کر میانہ فارسی کی منزل پر پہنچی تو ان لوگوں نے برزکوہ پہاڑ پر رہنے والے وڑاکوئیوں کو اپنی میانہ فارسی زبان کے لب و لہجہ میں ''برزکوہی'' کہا۔

قدیم ہند ایرانی / اوستائی لفظ ''پرواکہ'' (paravka) کا ہند آریاؤں کے بعد وسطی دور میں پرواتا (Parvata)، پاراوتاس (paravatas) پرنئیس (parnians) اور پرنوئیز (parnois) کی صورتوں میں بھی تبدیل ہوتا نظر آتا ہے جن کے معنی ''پہاڑی لوگ'' کے ہیں۔

کیونکہ ہند آریائی زبانوں کے وسطی دور میں ''ک'' آواز کا ''ت'' میں تبدیلی کے لسانیاتی شواہد ملتے ہیں۔ جیسے کہ ماریو پلاشکے اور وولف گنگو لکھتے ہیں کہ:

قدیم ہند آریائی	رکتا (rakta)	معنی پڑھنا
وسطی ہند آریائی:	رتا (ratta)	معنی پڑھنا

گیگر (Geiger) بھی وسطی ہند آریائی زبانوں میں ''کھ'' اور ''کتھ'' دوہرے مصمتوں کا ''تھ'' آواز میں تبدیلی کا اشارہ کرتا ہے۔ (۴۸)

مسرا نے بھی ہند یورپی ''کس'' (ks) آواز کو سنسکرت میں ''ٹس'' (تس) آواز میں تبدیلی کا اشارہ کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ:

"IE ks is sometimes found as ts (finally-t) in Sanskrit. This 't' is perhaps an analogical development from "d" found in the same words before bh e.g. kbh>ghb>dbh or a glide development between IE ks>kts>llr sts>skt ts......"(49)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''وڑاکہ'' لفظ کا قدیم فارسی یا میانہ فارسی صورت ''پرواکہ'' ہند آریائی وسطی دور میں ''پرواتا'' ''پراتا'' یا ''پرواتہ'' کی صورتیں اختیار کیں کیونکہ ۵۰۰ ق م سے لے کر پہلی صدی قبل مسیح تک ہمیں پروا کا لفظ کے برعکس پرواتا لفظ تحریری صورتوں میں ملتا ہے اور کئی شہروں' قبائل اور انسانی گروہوں کے نام بھی ''پرواتا'' کے نام سے ملتے ہیں۔

پنجاب کا موجودہ شہر ''شورکوٹ'' جو آریاؤں سے پہلے اور بعد میں ''سیوی'' اور ''سی'' کے نام سے مشہور تھا وہاں ایک بہت ہی قدیم ٹیلہ ہے۔ چینی زبان کے تاریخی ریکارڈ کی کتابوں اور سیاحوں کے سفرناموں میں اس ٹیلہ (جب پہلے اس پر شہر آباد تھا) کے نام کو ''پوفاتو'' (po-fa-to) یا ''پوفاتولو'' (po-fa-to-lo) تحریر کیا گیا ہے۔ مسٹر جولین (Mr. Julien) نے ان چینی لفظوں کو ''پرواتا'' (parvata) قرار دیا ہے اور اس کے معنی ''پہاڑ'' بتائے ہیں جو قدیم ہند ایرانی ر اوستائی لفظ ''پرواکہ'' کا تبدیل شدہ صورت ہے۔ اس کے بارے میں سرالیگزنڈر کننگھام لکھتا ہے کہ:

"I am unable to offer any explanation of the name of po-fa-to or po-fa-to-lo which M. Julien has altered to po-lo-fa-to, for the purpose of making it agree with a known Sanskrit word, parvata, or "mountain"........."(50)

روس کے نامور محقق اور ماہر بشریات یوری گنکوفسکی نے مندرجہ بالا پرواتا لفظ کو پاراتا اور پارادا کے روپ میں پیش کر کے ایک قبیلہ قرار دیا ہے اور ان کو موجودہ براہوئی قوم کے آباؤ اجداد تسلیم کر کے ان کو دراوڑ قرار دیا ہے۔ اس قبیلہ کو موجودہ بلوچستان کے شمال مشرق میں موجود ظاہر کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''موجودہ پاکستان کی سرزمین پر بعض علیحدہ علیحدہ خطوں میں ایسے قبل از ہند دراوڑی لوگ آباد تھے جو کسی وجہ سے دوسرے میں جذب نہیں ہوئے۔ ان میں

سے ایک خطہ شمال مشرقی بلوچستان کے بیچوں بیچ واقع تھا۔ جہاں پاراتا یا پارادا لوگ رہا کرتے تھے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ موجودہ بروہی قبیلے کے قدیم جدامجد یہی تھے............''(۵۱)

یہاں یہ بحث کرنا لازمی معلوم ہوتا ہے کہ واحد بخش بزدار نے گنکوفسکی کے مندرجہ بالا حوالہ میں پاراتا یا پارادا قبیلہ کو میڈیائی یعنی ایرانی النسل قرار دیا ہے اور پاراتا کی اور بھی مختلف ظنی صورتیں پیش کر کے گنکوفسکی کی تحقیق کو تضادی بنانے کی کوشش کی ہے وہ لکھتا ہے کہ:

''پاراتکینوں کے بارے میں متفقہ رائے یہ ہے کہ یہ لوگ مادی یا میدی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور میدوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ خالص آریا تھے۔ (۵۲) گنکوفسکی نے براہوئیوں کے جس امکانی جدامجد ''پاراتا'' کا ذکر کیا ہے یقیناً اس کی مراد اسی پرواتا قبیلہ ہے اور پرواتا قبیلہ کے بارے میں رائے یہ ہے کہ وہ گدروشیا کے باشندے تھے اور یہ ایک ایرانی قبیلہ ہے جو رگ وید کا ہم عصر ہے۔ اصل میں پاراتا' پرادا' پرواتا' پاری ساتی' پاردی تائی' پارسی رائی اور پارتی یا پارتھی' پارسوا' یا پارسوانا ایک ہی قبیلہ کی مختلف صوتیاتی صورتیں ہیں جن کا تعلق میدقوم کی مشہور شاخ ''پاراتکینی'' یا پاری تکینی سے ہے۔ (۵۳) پاراتکینی قبیلہ میدوں کا ایک مشہور قبیلہ تھا اور تین ہزار قبل مسیح میں عیلامی اقوام کے ساتھ جنوب مغربی ایران کے دشوار گزار پہاڑوں میں رہتا تھا...... پاریاتکینی (parea-tak-eni) کا لفظ اصل میں دو لفظوں پریا (parea)' بریا (barea) اور تگ (tag) یا سگ (sag) کا مرکب ہے یعنی بریا' پریا کی نسل...... سارگون کے کتبوں میں BaraZum یعنی براہوئی ملک کے ساتھ ساتھ ان کے نسلی تعلق کو واضح کرنے کے لیے انھیں BaraZai اور Parazai لکھا گیا ہے۔ بارازئی سے مراد ''براہوئی زئی'' ہے یعنی براہوئی لوگ بریاسگ Barea Sag پریاسگ (parea Sag) اور بارازئی (Barazai) تاریخی طور پر براہوئی نسل کا ابتدائی نام ہے جو بعد میں ''براہوئی'' کی صورت اختیار کر گیا......''(۵۴)

بزدار کے بعد نصیر دشتی نے تھوڑے رد و بدل کے ساتھ ڈاکٹر جرشی وچ (Dr. Gershevitch) کے حوالے سے براہوئی لفظ کی بنیاد کو پہلے ''برادازھئی (Bradazhui) پھر باریزئی (Barezui) قرار دیا ہے۔(۵۵)

برادازھئی سے برادھئی اور باریزئی سے باریزئی یا باروزئی الفاظ بنتے ہیں نہ کہ براہوئی یا بروہی بنتے ہیں کیونکہ برادازھئی لفظ میں دا+زھئی کا ھوئی اور با+رے+زئی کا برا+ھو+ئی میں تبدیلی کی کوئی مثال نہیں ملتی اور نہ ہی یہ تبدیلی ممکن ہے۔

بزدار صاحب اپنی اسی تحریر میں آگے لکھتا ہے کہ:

''عام مؤرخین و محققین براہوئی اور بلوچ نسل کے بارے میں نہ صرف واضح طور پر تضادات کا شکار ہیں بلکہ ان کا رویہ بھی انتہائی غیر علمی اور غیر دیانتدارانہ رہا ہے......''(۵۶)

بزدار صاحب نے کس حوالے سے اور کن علمی شواہد کے مطابق مید قبیلہ کو ایرانی النسل قرار دیا ہے۔ وہ خود اس بارے میں کوئی شواہد پیش نہیں کر سکا ہے جبکہ اس کے برعکس تمام مؤرخین اور ماہرین بشریات مید قبیلہ کو مچھیرے یا مہانے قرار دے کر ان کو قدیم دراوڑی النسل قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ ایک نامور محقق میدوں کے بارے میں کہتا ہے کہ:

''مچھلی مارنے کا قدیم دھندہ میدوں کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ قدیم قوم شمار ہوتے ہیں۔ آریاؤں سے قبل تقریباً ایک ہزار سال پہلے یہ کافی طاقتور تھے......''(۵۷)

لانگ ورتھ ڈیمز میدوں کو غیر بلوچ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بلوچ میدوں کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں یعنی بلوچ میدوں کو بلوچ تصور نہیں کرتے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''مید ساحل مکران اور سندھ کا ایک غیر بلوچ نیم وحشی ماہی گیر قبیلہ ہے یہ بلوچوں کے نفوذ سے بہت پہلے یہاں آباد تھا۔ بلوچوں نے انھیں تضحیک کے طور پر یہ نام دیا ہے۔ دریائے سندھ کے قرب و جوار میں اسی نام سے دریائے سندھ کے ماہی گیروں کو پکارا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ انھیں ماچھی بھی کہا جاتا

ہے۔ ایک قدیم لوک گیت میں مدمقابل کی تضحیک کے لیے اسے یہ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ ''کہاں میداور ماچھی اور کہاں میر حمزہ۔''(۵۸)

بزدار' گنکوفسکی کے پاراتا یا پارادا الفاظ کو پارسی وائی پاری ساتی' پاردی تائی' پارتی یا پارتھی' پارسوا یا پارسوانا لفظوں کے ساتھ اشتراک دکھا کر ان کو گنکوفسکی کے بتائے ہوئے الفاظ کی تبدیل شدہ صورتیں قرار دیا ہے۔ اصل میں زیر بحث ''پاراتا'' اور ''پارادا'' کے الفاظ ہیں۔ جن میں ''د'' کا ''ت'' یا ''ت'' کا ''د'' آوازوں میں تبدیلی سمجھ میں آتی ہے مگر بزدار نے پارسی رائی' پاری سائی' پاردی تائی' پارتی یا پارتھی' پارسوا یا پارسوانا لفظوں کو کہاں سے ڈھونڈ کر اور کس علمی طریقہ سے پاراتا یا پارادا لفظوں کی بگڑی ہوئی صورت قرار دیا ہے یعنی پاراتا لفظ کس طرح پارسی رائی' پاری ساتی' پاردی تائی' پارتھی لفظوں کا روپ کب اور کس لسانی بنیادوں پر یہ صورتیں اختیار کیں؟ شاید اس بات کا بزدار کو بھی علم نہیں

بزدار نے ایک اور نئے لفظ پاریاتکینی پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔ پاریاتکینی (parea-tak-eni) لفظ کو دؤ ایک پریا یا بریا اور دوسرے سگ یا تگ کا مرکب بتا کر اسے بریا سگ یا پریاسگ کا لفظی روپ دیا ہے۔ اگر بنیاد پاریاتکینی ہے جس طرح رومن میں parea-tak-eni لکھا ہے۔ جس میں یہ لفظ تین لفظوں پریا+ تک +اینی کا مرکب ہے مگر انھوں نے پاراتکینی کو دو لفظوں باریا یا پاریا اور تگ یا سگ کا مرکب بتایا ہے۔ جس سے بریاسگ یا پریاسگ لفظ سامنے آتے ہیں نہ کہ پاراتکینی۔ اگر پاراتکینی' بریاسگ کا روپ دھار لیتا ہے تو وہ کیسے اور کیوں یہ روپ اختیار کرتا ہے۔ اس بارے میں بزدار خاموش ہے۔

بزدار نے براہوئی لفظ کی بنیاد کو ''برا'' (bara) یا ''پرا'' (Para) قرار دیا ہے اور معنی دیا ہے کہ بارازئی سے مراد براہوئی زئی یعنی براہوئی لوگ ہیں لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا ہے کہ بارازئی لفظ براہوئی لفظ میں کیسے تبدیل ہوا۔ جبکہ اصل میں براہوئی لفظ کی بنیاد ''برا-ہو-ئی'' (Bra-hu-i) ہے۔ اگر اس کی بنیاد ''بارازئی'' ہے تو ''با-را-زئی'' لفظ کا پہلا لفظ ''با'' کیسے ''برا'' میں دوسرا ''را'' کیسے ''ھو'' میں اور تیسرا ''زئی'' کیسے ''ای'' میں تبدیل ہوا؟

موصوف کا کام براہوئیوں کو ہند یورپی قرار دینا ہے۔ اس لیے انھوں نے سارے معتبر ماہرین لسانیات و بشریات کو انتہائی کم علم اور غیر دیانتدار قرار دے کر اپنی تحقیق کو درست اور صحیح قرار دینے کا دعویٰ کیا ہے جو غیر اخلاقی رویہ ہے۔

دراصل ''پرواکہ'' (parvaka) لفظ پروٹو دراوڑی (Proto-Dravidian) لفظ ''وڑاکوئی'' (vaRa-ko-i) کا قدیم ہندایرانی/اوستائی روپ ہے۔ ''وڑاکوئی'' دو لفظوں اور ایک لاحقہ یعنی ''وڑا+کو+ای'' کا مرتب ہے۔ پروٹو دراوڑی لفظ ''وڑا'' (vaRa) آج بھی جدید دراوڑی زبانوں میں وٹا (vata)' بڈا (bada) ودا (vada) کی صورتوں میں شمالی (northern) کے معنی میں مستعمل ہے۔ جیسا کہ

Tamil:	vata:	northern
Telugu:	vatai:	north wind
Malayalam:	vata:	north
Kannada:	bada:	the north
Kodagu:	badaki:	north
Tulu:	bada:	the north, northern
Telugu:	vadaku:	north (59)

وڑاکوئی کا دوسرا لفظ ''کو'' (ko) ہے جس کے معنی پہاڑ ہے۔ یہ قدیم ایرانی لفظ نہیں۔ کیونکہ ہندیورپی زبانوں میں پہاڑ کے لیے مختلف بنیاد کے لفظ مستعمل ہیں۔ مثلاً:

قدیم ہندیورپی	mons, mont, men
اوستا	گ اِر، گری
سنسکرت	پربت' پاروتی
یونانی	وونو (vouno)
جرمنی	برگ (berg)
انگریزی	mountain
جدید فرانسیسی	بیومونٹ (Beaumont)
لاطینی	montanus
جدید فارسی	کوہ
اردو	پہاڑ
ہندی	پہاڑ

فارسی کے علاوہ کسی بھی ہندیورپی زبان میں ''کوہ'' مستعمل نہیں ہے اور فارسی نے یہ براہوئی سے مستعار لیا ہے۔ کیونکہ براہوئی کے ساتھ تقریباً سارے دراوڑی زبانوں میں یہ لفظ مستعمل ہے جسے واحد بخش بزدار نے طور پر فارسی زبان کا قرار دیا ہے (۶۰) بلکہ یہ پروٹو دراوڑی لفظ ہے اور آج بھی سارے دراوڑی زبانوں میں ''پہاڑ'' کے معنی میں مستعمل ہے جیسے کہ:

Tamil:	ko:	mountain
Telugu:	Kodu:	man of a certain hill tribe
Kui:	kui:	the kond tribe or language(61)

بہت سے دراوڑ قبائل اور زبانوں کے نام ''کو'' یعنی ''پہاڑ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ کئی (kui-kui)' کوی (kuving, kuvi)' کونڈا (Kubi)' گونڈی (koitoRk- Koya)' کراوا (Kurava- karava)' وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب قبائل اور زبانوں کے ناموں کے معنی پہاڑ یا پہاڑی لوگ کے ہیں۔ (۶۲)

دراوڑ قبائل اور زبانوں کے ناموں کی طرح براہوئی قوم کے کئی قبائل اور طائفوں کے نام بھی ''کو'' لفظ سے موجود ہیں۔ جیسے کہ ''کوہ بدوزئی (بنگلزئی قبیلہ کے جنگی زئی طائفہ میں ایک ذات کا نام ہے) ''کوہ بادوزئی'' (مینگل قبیلہ میں ایک ذات ہے) ''کوہی زئی'' (زہری قبیلہ میں ذات ہے) ''کوہی زئی'' (قمبراڑی قبیلہ میں ایک ذات ہے) ''کوہی زئی'' (ہارونی قبیلہ کے خانزئی طائفہ میں ایک ذات ہے)' کوہی بالی (یہ بھی ہارونی قبیلہ میں ایک ذات ہے)' اس کے علاوہ اور بھی سینکڑوں براہوئی قوم کے قبائل کے نام ''کوہ'' سے شروع ہوتے ہیں۔

وڑاکوئی لفظ کا لاحقہ ''ای'' (i) دراوڑی لاحقہ نسبتی ہے۔ جیسے کہ عین الحق فرید کوٹی ''ای'' لاحقہ نسبتی کے بارے میں تحریر کرتا ہے کہ:

> ''سنسکرت (یعنی ہندآریائی زبانوں) کو گنگا اور سندھ کی وادی میں قدم رکھے ہوئے جب کچھ عرصہ گزر جاتا ہے تو اس کے گرامری ڈھانچے میں کچھ تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں............ سنسکرت میں عام طور پر صیغہ مونث کے لیے لفظ کے آخر میں ''الف'' کا لاحقہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ایسرا (پانی میں چلنے والی)

سروپ نکھا (خوبصورت ناک والی)۔اس قاعدہ کے مطابق قدیم ہندو عورتوں کے نام سرما رمبھا' یشودھا' رادھا اور سیتا وغیرہ رکھے جاتے تھے۔لیکن ایک وقت آتا ہے کہ سنسکرت زبان کے بولنے والے مؤنث کے لیے ''الف'' کے ساتھ یائے معروف (ی) کا استعمال بھی شروع کردیتے ہیں۔ جیسا کہ سرسوتی' گندھاری اکنتی اور دروپدی وغیرہ اور اسی طرح اندر سے اندرانی' اوریم سے یمی وغیرہ۔اگرچہ قدیم سنسکرت میں لفظ کے بعد یائے معروف کا لاحقہ مذکر کی علامت تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے واضح طور پر یہی ہوسکتا ہے کہ اکثر دوسری باتوں کی طرح مونث بنانے کا یہ طریقہ بھی آریاؤں نے وادی سندھ میں پہلے سے آباد قوموں سے مستعار لیا......'' (۶۳)

جس طرح پاکستان سے پاکستانی' مَش سے مَشی' سندھ سے سندھی' وغیرہ الفاظ میں یائے معروف (ی) کا لاحقہ لگا کر نسبت ظاہر کیا جاتا ہے۔اس طرح تین مختلف پروٹو دراوڑی الفاظ (ایک لاحقہ) مل کر ایک پروٹو دراوڑی لفظ ''وڑا+کو+ای'' (وڑاکوئی) بنا۔

ایم ایس آندرونوف' براہوئی لفظ کی بنیادی صورت ''وڑاکوئی'' کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ:

"The ethnonym Bra'ui is of ancient and purely Dravidian origin and in this respect does not differ from the self-appellations of other Dravidian peoples and tribes, with many of which it is connected etymologically...... The meaning of the word shows that in this case -r- apparently comes from the Proto-Dravidian -R-, ie. Braui< "vaRa+Ko+i", the entire word meaning northern mountaineer's' or people of the northern mountains,......"(64)

آندرونوف' براہوئی لفظ کی بنیادی صورت کو ''وڑاکوئی'' قرار دیتا ہے۔ڈاکٹر غلام علی الانا اور ڈاکٹر ہریماتھ بھی آندرونوف سے متفق نظر آتے ہیں۔ڈاکٹر الانا' ڈاکٹر ہریماتھ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

"Dr. Hiremath giving the meaning of the word Brahui, first shows derivation of the word and says:
Brahui > Bra + hu + i
Bra < bada < vada, means 'North'
hu < Ku < ko means hill
i-one belongs to
Brahui means one who belongs to the northern hill. This name broadly cannotes the sense of "people of the hilly track and their languages". This name may have been derived from Proto-Dravidian stem......."(65)

ایک اور جگہ ایم ایس آندرونوف اور ہریماتھ کے نظریہ کی تائید ان الفاظ میں ہوتی ہے:

"brahui, Brahui <vata-ko-i' norther mountaineers' people of the northern mountains......."(66)

ڈاکٹر الانا اور ڈاکٹر ہریماتھ دونوں ''براہوئی'' لفظ کے اصل صورت کو ''وداکوئی' ' (Vadakoi) قرار دیتے ہیں اور اس لفظ کو قدیم دراوڑی تسلیم کرتے ہیں۔ ہریماتھ نے براہوئی لفظ کے شروعاتی لفظ کو ''ودا'' (vada) تحریر کیا ہے جو دراوڑی زبانوں میں ''شمال'' کے معنی میں مروج ہے۔اس طرح کے نام سے کئی دراوڑی زبانیں موجود ہیں۔جیسے کوداگو (Kodagu)، بڈاگارس (Badagars)، بڈاگا (Badaga) ہیں۔جن کے معنی شمالی پہاڑی لوگ کے ہیں۔ایم ایس آندرونوف نے براہوئی لفظ کے شروعاتی لفظ کو ''وڑا'' (vaRa) لکھا ہے جو میرے خیال میں قدیم اور صحیح ہے کیونکہ اس میں ''و'' اور ''ڑ'' کی آوازیں شامل ہیں جو دونوں قدیم دراوڑی الاصل ہیں۔(۶۷)

واحد بخش بزدار' ڈاکٹر ہریماتھ کی مندرجہ بالا تحریر سے سخت نالاں ہیں جس میں ڈاکٹر نے براہوئی لفظ کی بنیاد کو ''وداکوئی'' قرار دیا ہے۔ بزدار صاحب' ہریماتھ کی اس تحقیق کے بارے میں اپنے عجیب وغریب خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''مجھے 'براہوئی' لفظ کے بارے میں ڈاکٹر ہیئرمیتھ (Dr. Heirmath)

کے اس تجزیہ پر نہ صرف حیرت ہوئی ہے بلکہ انتہائی مایوسی بھی کہ ڈاکٹر ہیئر میتھ جیسا عالم بھی ''براہوئی'' کی تشریح کے بارے میں انتہائی حد تک سستی اور سطحی رائے کا بھی اظہار کر سکتا ہے۔ ان کے بقول براہوئی لفظ کا پہلا حصہ ''برا'' شروع میں ''ودا'' تھا جو بعد میں ''بادا'' بنا اور پھر ''بادا'' سے ''برا'' بنا۔ اس کے معنی ہیں شمال اور ''ہو'' جو شروع میں ''کو'' یا ''کوہ'' تھا اس کے معنی ہیں پہاڑ۔ براہوئی لفظ کا آخری حصہ ''ئی'' یائے نسبتی ہے۔ جس کا مطلب ہوا شمالی پہاڑ کے رہنے والے لوگ۔

ممکن ہے کہ یہ نام پروٹو ڈراوئیڈن تنا Proto-Dravidian (Stem) سے مشتق ہو یعنی وادی سندھ کی زبان۔ اول تو یہ تشریح سرے سے غیر علمی اور غلط ہے۔ بالفرض یہ اس طرح ہو۔ تب بھی ''کوہ'' ایک ایرانی لفظ ہے' جو ''پہاڑ'' کے معنی دیتا ہے اور ''ای'' یائے نسبتی ہے جو دراوڑی یا پروٹو دراوڑی کی بجائے ایرانی زبانوں میں مستعمل ہے......۔'' (۶۸)

واحد بخش بزدار نے اپنی مندرجہ بالا تحریر کے شروع میں ڈاکٹر ہر یماتھ کو سست اور سطحی رائے دینے والا محقق کہا ہے۔ وہ صرف اس لیے کہ ڈاکٹر صاحب نے براہوئی لفظ کی بنیاد کو پروٹو دراوڑی قرار دیا ہے۔ اگر اس کے برعکس براہوئی لفظ کی بنیاد کو جوزف البائن کی طرح ہند یورپی قرار دیتا تو بزدار بہت خوش ہوتے اور پھر اس کو بطور سند پیش کرتا لیکن ڈاکٹر ہر یماتھ، بلوچ پرست نہیں کیونکہ بلوچ پرست مؤرخین کا یہی نکتہ تحقیق رہا ہے کہ براہوئیوں کو نسلی اور لسانی طور پر جان بوجھ کر ہند یورپی قرار دے کر بلوچوں کے ساتھ ملائیں۔

لیکن بزدار اپنی تحریر میں مبہم طور پر ڈاکٹر ہر یماتھ کی تحقیق کو تسلیم بھی کرتا ہے کہ ''ممکن ہے کہ یہ نام پروٹو ڈراوئیڈن سے مشتق ہو' پھر آگے لکھتا ہے کہ ''یہ تشریح سرے سے غیر علمی اور غلط ہے'' اس پر خود تذبذب اور پریشانی کا شکار بنا ہے۔ وہ ایک طرف تسلیم کرتا ہے تو دوسری طرف انکار کرتے ہوئے اپنے رٹے پٹے الفاظ پھر دُہراتا ہے:

''کوہ' ایک ایرانی لفظ ہے' جو پہاڑ کے معنی دیتا ہے اور ''ای'' یائے نسبتی ہے جو دراوڑی یا پروٹو دراوڑی کی بجائے ایرانی زبانوں میں مستعمل ہے۔''

دراصل واحد بخش بزدار نے جو ''کوہ'' اور ''ای'' یائے نسبتی کے متعلق اپنی رائے دی ہے کہ وہ غیر حقیقی ہے۔

''کوہ'' لفظ ہند یورپی زبان کا لفظ ہی نہیں ہے اور حالت اضافی جمع یا نسبت کے لیے بالترتیب اوم' ام اور ''کم'' کے لاحقے مستعمل تھے۔ (۶۹) اس لیے ''کوہ'' یا ''کو' لفظ اور ''ای'' یائے نسبتی لاحقہ دراوڑی الاصل ہیں اور قدیم ہند یورپی (قدیم ایرانی اور قدیم ہند آریائی) میں مفقود ہیں۔ اس پر ہم نے اوپر تفصیل سے بحث کی ہے۔ پھر بھی حسب ضرورت کچھ لسانی شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔ بہت سے دراوڑی قبائل اور لوگوں کے ناموں میں نسبتی لاحقے ''ای' وی' کی' یی' نڑی'' (آنڑی) اور آنی اب بھی مستعمل ہیں۔ جیسے کہ:

لاحقے	دراوڑی نام
ke(کی)	AyyaKe
ke(کی)	Accakke
ke(کی)	co-makke
ke(کی)	Ponakke
e (ای)	Amme
e (ای)	Accamme
e (ای)	Ayyamme
ye (یی)	Pannayye
ye (یی)	Comayye
e (ای)	Ponnappe
anne (آنڑی)	Ponnanne
anne (آنڑی)	Muttanne
oni (آنی)	Odevoni
avve (آوی) (۷۰)	ponnavve

دراوڑی زبانوں کے یہی نسبتی لاحقے آج بھی براہوئی قبائل' شہروں اورلوگوں کے ناموں میں باقاعدہ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً

آنڑی لاحقہ: رئیسانڑی' قلندرانڑی' گرگنانڑی' پرکانڑی' سمالانڑی وغیرہ۔

ای لاحقہ: خضداری' مستونگی' جھٹ پٹی' کانکی' قلاتی' شکارپوری۔

وی لاحقہ: سورابوی' نوشکوی۔

کی لاحقہ: لہڑکی' براہوئیکی یا بروہکی' ابا بکی۔

براہوئی لفظ کو غیر براہوئی لکھاری ''بروہی'' لفظ میں صفت کے طور پر ''کی'' کا نسبتی لاحقہ لگا کر ''بروہکی'' بھی لکھتے اور بولتے ہیں۔ جوزف الباَئن اور آسکو پارپولا (جنھوں نے الباَئن کی تحقیق پر اعتبار کیا ہے) نے ''کی'' نسبتی لاحقہ کو جٹکی (سرائیکی) اور ''ای'' یائے نسبتی کو ''بلوچی'' قرار دیا ہے جیسے کہ آسکو پارپولا' جوزف الباَئن کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

> "The word "Brahui" (older Brahoi) is almost certainly a modern term, taken from the Siraiki (Jatki) braho... to which the Balochi adj. suffix has been added, as is usual, to form an ethnicon........"(71)

یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ براہوئیکی یا بروہکی میں ''کی'' کا نسبتی اور ''ای'' کے لاحقے دونوں ہند یورپی نہیں بلکہ دراوڑی الاصل ہیں۔

قدیم ایرانی روپ پرواکہ' دو لفظوں کا مرکب ہے۔ ایک ''پروا'' جو ''وڑا'' کی صوتی تقلیبی صورت ہے جسے ڈاکٹر ہریماتھ نے ''ودا'' اور ''برا'' تحریر کیا ہے۔ جس کے معنی ''شمال'' کے ہیں اور دوسرا لفظ ''کہ'' (ka) ہے جو وڑا کوئی لفظ کے ''کوئی'' (koi) کے برابر ہے جس کے معنی ''پہاڑ یا پہاڑوں پر بسنے والے لوگ'' کے ہیں۔ وڑا کوئی یا پرواکہ لفظوں سے سمت' مقام اور نسبت کا پتہ چلتا ہے جبکہ سنسکرت زبان میں ایک لفظ پہاڑ کے لیے ''پروت'' (parvat) یا ''پربت'' (parbat) مستعمل ہے۔ (۷۲) جسے وڑا کوئی کے قدیم ایرانی روپ پرواکہ کا نعم البدل نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ پروت لفظ کے معنی صرف ''پہاڑ'' کے ہیں۔ اس میں سمت اور نسبت کے معنی ناپید ہیں اور ''پرواکہ'' لفظ میں ''کہ'' کے معنی پہاڑ لفظ پہلے ہی موجود ہے جو پروت کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔ پروت

سنسکرت زبان کا لفظ ہے جبکہ ''کہ'' یا ''کو'' دراوڑی الاصل لفظ ہے۔ اس لیے پروت لفظ کو پرواکہ (Parvaka) کا نعم البدل سمجھنا' اس سے ملانا یا اشتراک ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔

آریاؤں نے جب ہندو پاک میں قدم رکھا تو ان سے پہلے دراوڑ اور منڈا موجود تھے۔ جو تہذیبی لحاظ سے عروج پر تھے۔ (۷۳) نو وارد آریاؤں اور مقامی دراوڑوں کے مابین سیاسی' سماجی' تہذیبی' مذہبی' لسانی اور نسلی تصادم ہوا۔ اس کے نتیجے میں آریاؤں نے مقامی لوگوں پر بھیانک اور غیر اخلاقی نام رکھے۔ آریاؤں سے مختلف خطوں کے دراوڑوں (وڑا کوئیوں) نے لڑائیاں لڑیں جنھیں اوستائی یا قدیم فارسی زبان بولنے والوں نے ''پرواکہ'' نام دیا۔ وڑا کوئی یا پرواکہ نسل کے لوگ گدروشیا (موجودہ مکران اور جھلاوان) میں سکونت پذیر تھے۔ (۷۴) اور ان کے کچھ قبیلے جمنا کے کنارے بھی رہتے تھے۔ (۷۵) کچھ آموں دریا کے کنارے بھی آباد تھے جیسے کہ راگوزین تحریر کرتا ہے:

> "The wealthy robber tribe of the Panis with the parnians, whom the Greek biographers Strabo describes as nomads, a sort of Eranian Bedouins- having their abodes along the oxus (modern Amun-Darya), and that of the paravatas or "mountaineers", a people whom the vedic Aryas fought, with the Parouetai dwelling in the mountains,"(76)

پرواکہ یعنی وڑا کوئی (براہوئی) کے کچھ قبیلے ترکمانستان میں بھی بود باش رکھتے تھے۔ ان کے بارے میں وجے ٹھاکر لکھتا ہے:

> "It claimed that the "Daha" and "Parnois" (in Greek transcription) found in late centuries in eastern Turkmenistan were descendants of the residue of these Tribes that were left behind......."(77)

آسکو پارپولا، پرواکہ (وڑا کوئی یعنی براہوئی) لوگوں کا آخوس موجودہ تیجند میں بھی موجودگی کا اظہار کرتا ہے:

> "That a people called parnoi was one of the Da(h)a tribes and that they had previously lived along the Okhos river (modern Tejend in Morgiana)."(78)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرواکہ (یعنی وڑاکوئی، براہوئی) آریاؤں کے دور میں ایران' ترکمانستان' ہندوستان' افغانستان اور موجودہ پاکستان کے مختلف خطوں میں آباد تھے۔ جنھیں آریاؤں نے پرواکہ کہا اور یہی لفظ میانہ ہند آریائی زبانوں کے دور میں ''پرنے انس'' (Parnians)، پاراوتاس (Paravatas)، ''پرنوئس'' (Parnois)، ''پرنوئی'' (Parnoi)، اور ''پرواتا'' (Parvata) کی صورتوں میں مستعمل ہوگیا اور ان سب لفظوں کے معنی پہاڑی لوگ کے ہیں۔

گستاوسلومن آپرٹ' پاراتاس' پراوا کو دراوڑ اور براہوئی سے جوڑتا ہے وہ لکھتا ہے:

"Under these circumstances I regard the Bra in Brahui as a contraction of Bara, and obtain thus in Barahui a name whose resemblance to that of the ancient Barrahai the modern Bhars, as well as to that of the paratas and paravar, and their kindered the Maratha paravari and Dravidian parheyas of palamau is striking.(79)

جب ایران کے بادشاہ داریوش ابن ہستاپس (۱۹-۵۱۸ ق م/۴۸۶ ق م) حاکم بنا تو اس نے اپنی سلطنت کو بیس ستراپیوں (Satrapies) (صوبوں) میں تقسیم کیا۔ جس میں دسواں صوبہ آ گیا تانا اور میڈیا کے دیگر حصے بشمول پریکان (Parikon) اور تھوکوری بانتیس تھا یہ سارے علاقے حاکم ایران کو چارسو پچاس ٹیلنٹ دیتے تھے۔ (۸۰)

جارج راولسن نے ہیروڈٹس کے سفرنامہ کا انگریزی ترجمہ میں پاراکانی' پارے بتائی' پارےلتی اور پارے تیکینی لفظوں کو پاریکانین کہہ کر براہوئی کہتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"That in the term pari-canii we have an equivalent of A-pary-tae, pary-etae, pare-taceni & ce, i.e. a term of Arian origin, merely signifying "mountaineer". Perhaps, than, the paricanians are the Arains as distinguished from the cushite inhabitants of Baloochistan, standing to these last as the Balochees now stand to the Brahoos. Being the stronger people they would hold to the mountains of the interior, where

cultivation is possible and a prings of water abound, learning to the weaker Cushites the parched coast and the many arid plains. A somewhat similar distribution of the Brahoos is even now found..........."(81)

قدیم فارسی زبان یعنی میانہ فارسی کے اثر کی وجہ سے وڑاکوئی لفظ کا اوستائی روپ پرواکہ نے پریکن (Parikan) کی صورت اختیار کی کیونکہ فارسی زبان میں ''ان'' کا لاحقہ بطور جمع استعمال ہوتا ہے جو پرواکہ میں بطور لاحقہ لگ کر پریکن (پاریکان) (Parikan) بن گیا۔

سکندر نے ۳۲۵ ق م میں ہندوستان پر حملہ کیا اور واپسی پر بلوچستان (مکران) کے راستے اس پر قبضہ کیا۔ اس حملے کے دوران موجودہ بلوچستان کے جغرافیائی حدود میں ''براہوئی'' یعنی وڑاکوئی بود و باش رکھتے تھے اور اپنی زبان وڑاکوئی (یعنی براہوئی) بولتے تھے۔ اس وقت یہ زبان عام لوگوں کے روزمرہ کی زبان (SpoKen language) تھی۔ سکندر نے جب لس بیلہ کے قریب اور یتائی لوگوں پر حملہ کیا تو انھوں نے سکندر کی طاقت کے سامنے بے بس ہو کر ان کی طاقت تسلیم کی۔ سکندر نے اس علاقے میں ایپولوفینس کو اپنا گورنر مقرر کیا اور لیوناٹس کو فوج کا سربراہ مقرر کر کے حکومت کرنے کا پروانہ عطا کیا۔ سکندر کی فوج نے ضرورت کے تحت ایک نئے گاؤں ''اُورا'' (اُرا-ura) (۸۲) کی بنیاد رکھی۔ اورا یا اُرا' براہوئی زبان میں گھر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہی لفظ دیگر دراوڑی زبانوں میں بھی مستعمل ہے۔ جیسے کہ:۔

تامل	Ur		یعنی گاؤں' شہر
ملیالم	Ur	″	″
کوٹا	Ur	″	گاؤں
ٹوڈا	Ur	″	تامل اور بڑاگا قبائل کے گاؤں
کناڈا	Ur	″	گاؤں شہر
تیلگو	Uru	″	″
ٹلو	Uru	″	″
نائکی	Ur	″	″
براہوئی	Ura	″	″ (۸۳)

لیوناٹس نے جس ''اُورا'' (اُرایااُرُ) نامی گاؤں کی بنیاد رکھی۔ براہوئی (وڑاکوئی) قوم کی اکثریت کو دیکھ کراوراُنھیں خوش رکھنے کے لیےاُن کی زبان سے گاؤں کا نام ''اُورا'' رکھا۔

اور یتائی' وڑاکوئی (براہوئی) قوم کا ایک قبیلہ تھا اور وہ وڑاکوئی (براہوئی) زبان بولتے تھے لیکن میجر ماکلر اور مکران گزیٹیر میں اور یتائی کو ہوت قرار دیا گیا ہے۔(۸۴) میر گل خان نصیر بھی ان حوالوں کی مدد سے اور یتائیوں کو ہوت قرار دیا ہے(۸۵) لیکن ہولڈچ ہوتوں کو یونانی دور کے ''اُخوئی'' (Uxoi) قرار دیا ہے۔(۸۶) محمد سعید دہوار' ہوتوں کو جاٹ اور ستھین بتاتا ہے۔(۸۷) ٹارن' اور یتائیوں کو ایرانی النسل تصور کرتا ہے مگر ایگرمونٹ ٹارن کے ساتھ مندرجہ بالا سارے مفروضوں کو رد کرتے ہوئے اور یتائیوں کو براہوئی قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"Tarn concludes that the Oritans were Iranians. It is true various classic authors state that Iranian tribes used to practice similar customs....... On the other hand recent excavation in the Nal area have shown that the prehistoric Nal tribes practiced fractional burial, and these Nal tribesmen were possibly Dravidians and certainly no Iranians........ For the rest, long before the discovery of the remains of Harappa and Mohen-jo-Daro Holdich supposed that the Oritans belonged to the same stock as the present Brahui tribes........"(88)

ایگرمونٹ آگے لکھتا ہے کہ:

"Brahui is spoken in the mountainous tract of Jhalawan around Nal, and in Sarawan, the region between Quetta and Kalat. It is a Dravidian tongue......
The presence of this Dravidian people separated by vast distance from the Dravidian speaking inhabitants of south India has always caught and held the

attention of scholar. Colonel Holdich called Rambcia, the capital of the Oritans in the LasBela state, "the ancient Dravidian capital"..... Though I am prepared to believe that in the third and second millennia B.C. Some kind of ancient Dravidian was spoke in Baluchistan."(89)

جے آر فورلانگ' ایگرمونٹ کی طرح اور یتاؤں کو براہوئی قرار دیتا ہے وہ رقمطراز ہے کہ:

"The Brahui or Vrahui seem to be descended from the Oritae known to the Greek is the time of Alexander the Great (4th century B.C)......"(90)

بیلیو' اور یتائی اور پریکنوئی الفاظ کو ایک ہی بنیاد سے قرار دیتا ہے۔ وہ تحریر کرتا ہے کہ:

"The name Orittai is probably a Greek word ("Mountaineer") and corresponds to the native name Pakistani used by HERODOTUS, both are represented by the modern colloquial name Brahui...."(91)

ڈاکٹر احمد حسن دانی بھی اور یتائیوں کو براہوئی (وڑاکوئی) قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

" The tribes of oritans reside in the Hab river valley upto Hingol river, whose language is said to be different'and hence identified with Brahuis..."(92)

یونانیوں کے دور میں یونانی زبان کا اثر یہاں کی زبانوں پر پڑا۔ جس کی وجہ سے فارسی لفظ پریکن/پاریکان نے(parikan) ابتداء میں پرتیکنوس (Pardiconos) کا روپ دھار لیا۔ میکڈانل نے اپنی کتاب میں سکندر دور کے سندھ اور بلوچستان کے جو نام گنوائے ہیں' اُن میں سے ایک ''پرتیکنوس'' بھی ہے۔(۹۳) جس کو موجودہ بلوچستان کی جغرافیائی حدود میں بتایا گیا ہے۔ یہی لفظ بعد کے یونانی اثرات کی وجہ سے پریکنوئی(Parikanoi) کی صورت اختیار کر گیا کیونکہ یونانی زبان میں نسبتی کے کئی لاحقے مستعمل تھے جن میں سے ایک 'اوئی(Oi) بھی تھی جو قبیلوں' شہروں اور علاقوں کے ناموں میں بطور لاحقہ لگ کر شہر کی نسبت ظاہر کرتا تھا۔ جیسا کہ

قبیلوں رشہروں کے نام	لاحقہ	لفظ
مَل	اوئی	ملوئی
اگرونوم	اوئی	اگرونوموئی
اساکن	اوئی	اساکنوئی
آرکوت	اوئی	آرکوتوئی
گیورک	اوئی	گیورگوئی
بوکول	اوئی	بوکولوئی
پارن	اوئی	پارنوئی
گدروش	اوئی	گدروشوئی
پن	اوئی	پنوئی
استیکن	اوئی	استیکنوئی
گنداری	اوئی	گنداروئی
نائساءِ	اوئی	نائساوئی
اسپی	اوئی	اسپیوئی
جت	اوئی	جتوئی

یونانی سیاحوں اور تذکرہ نگاروں میں سے اول ہیروڈوٹس نے پریکنوئی (Parikanoi) لفظ کی نشاندہی کی ہے اور انھوں نے وادی ہنگول میں ایک دریا کا نام پرکن (Parkan) بتایا ہے اور اس کے کناروں پر آباد براہوئیوں کو پریکنوئی کے نام سے لکھا ہے۔ پریکن دریا' وادی ہنگول میں سلسلہ کوہ تلوئی کے شمال میں بہتا تھا۔ ہولڈچ اس کی تفصیلات بتاتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ:

"The bed of the stream called parkan skirting the north of the Taloi range and leading westwards from the Hingol, and we need look no farther for the parikanoi....."(94)

اس کے بعد ڈیوڈورسسائیکیولس (Diodorus Siculus) (۳۰ء-۶۰ ق م) نے پریکنوئی لفظ کی تبدیل شدہ صورت پرٹیکنوس (Particanos) کا ذکر کیا ہے۔(۹۵)

موجود دور میں براہوئی قوم کے قبیلوں اور اس کے علاقوں میں بھی یہ نام مکمل طور پر کچھ صوتی تبدیلیوں کے ساتھ ملتا ہے۔ضلع خضدار کی تحصیل باغبانہ کے مغرب میں تیس کلومیٹر کے فاصلے پر ''پارکوئی مَش''، یعنی پارکوئی پہاڑ موجود ہے۔ وہاں کے براہوئی اس کی نسبت سے ''پارکوئی'' کہلاتے ہیں۔ براہوئی کے ایک نامور گلوکار محمد مراد پارکوئی (مرحوم) اسی نام کی نسبت سے مشہور ہیں۔ اس علاقے میں دو چشمے پاریکو (Pariko) کے نام سے مشہور ہیں۔(۹۶)

زیدی (خضدار) کے شمال جنوب میں تقریباً چار پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر قدیم دور سے ایک بارانی نالہ ''باریکو'' موجود ہے۔سی ایف منچن نے لکھا ہے کہ جب بلوچوں نے مغرب سے نقل مکانی کی تو پاریکو اور نال کے سیاہ پاد اور بزنجو جھلاوان میں آکر آباد ہوئے وہ لکھتا ہے:-

"Later on when a movement of the Baloch took place from the westwarb certain sections such as the siahpad of pariko and nal and some of the Bizanjaus'appear to here settled in the country"(97)

دراصل یہ صحیح نہیں ہے۔ بلوچ تو بلوچستان میں دسویں صدی کے بعد آئے۔ان سے پہلے بلوچستان میں براہوئی اور جدگال موجود تھے۔سیاہ پاد باریکو یا پاریکان پہاڑ اور آس پاس کے علاقوں میں اپنی اراضیات آباد کرتے تھے اور ریوڑ چراتے تھے۔ جیسے کہ منچن لکھتا ہے۔

"The great part of pariko belong to them and they also wander about in the kharan hill to graze their flocks......"(98)

سیاہ پاد قبیلہ کا سردار خیل پاڑہ حملاڑی ہے۔ اس کا ایک طائفہ ''کرخی زئی'' کہلاتا ہے(۹۹) جو خضدار کے قریبی علاقہ کرخ کے رہنے والے وڑاکوئی تھے۔اس علاقے کی مناسبت سے ''کرخی زئی'' مشہور ہوئے۔حملاڑی سردار خیل طائفہ کا صدر مقام ''نال'' ہے۔(۱۰۰) نال لفظ دراوڑی الاصل ہے۔جس کے دو معنی ''چار''(۱۰۱) اور ''پانی'' کے ہیں۔ تیلگو زبان میں بھی نِل (Nillu) کے معنی پانی کے ہیں۔(۱۰۲)

حاصل مطلب سیاہ یا دقبیلہ کا پریکو یا پار کوئی علاقہ میں قدیم دور سے بودوباش رکھنا' اس کے ایک طائفہ کا نام ''کرخی زئی'' ہونا اور صدر مقام کا نام ''نال'' سب دراوڑی الاصل اور قدیم وڑا کوئی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ان کو مغربی جانب سے بلوچوں کے ساتھ نقل مکانی کر کے دکھانا صحیح نہیں ہے۔ براہوئی قوم کا ایک اہم طاقتور قبیلہ پرکانی (پرکاڑی) بھی ہے۔ ڈینس برے پرکاڑیوں کے بارے میں تحریر کرتا ہے کہ:۔

"The pirrikari descendants of war captives from India ...."(103)

مگر یہ نہیں بتایا کہ کون سے جنگی قیدی کب اور کیوں بنے۔ نہ ہی اس نے 'پرکاڑی' لفظ کی بنیاد اور معنی بتائے ہیں۔ میر گل خان نصیر نے ''پرکاڑی'' لفظ کی بنیاد' نام اور قدامت کے متعلق جو لکھا ہے وہ قابل غور ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''پرکانی......ایک قدیم ترین قبیلہ ہے۔ ایران کی قدیم تاریخ میں ...... پرکان کے نام سے اس قبیلے کا بھی ذکر آتا ہے...... پرکانی...... براہوئی قبائل میں شمار ہوتا ہے اور ٹھیٹ براہوئی بولتا ہے۔''(۱۰۴)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''وڑا کوئی'' لفظ کا قدیم اوستائی روپ ''پرواکہ'' اور میانہ فارسی روپ ''پریکان'' ہے جو قدیم ایران کی تاریخ میں ''پرکان'' تحریر ہے جو پریکان لفظ کی تبدیل شدہ صورت ہے یہ سب نام پرواکہ' پریکان' یا پریکنوئی الفاظ وڑا کوئی لفظ کی تبدیل شدہ صورتیں ہیں۔

جب عرب یہاں پہنچے تو ان علاقوں اور قوموں کے ناموں کو اپنی زبان کے لب ولہجہ اور تلفظ کے مطابق تبدیل کر کے بولنے لگے۔ اس طرح پریکنوئی لفظ کو عربوں نے ''بروہی'' کے روپ میں بدل ڈالا کیونکہ عربی زبان میں ''پ'' کی آواز ناپید ہے۔ اس لیے عربی زبان میں پریکنوئی > بریکنوئی > بروکنوئی > بروکوئی > بروخوئی میں تبدیل ہو کر بروہی کا روپ دھار لیا۔

عرب سیاحوں میں استخری/اسطخری نے تقریباً ۹۲۵ء کے دوران گنداوہ میں براہوئیوں کی موجودگی کے متعلق ہے اور اس دور میں ان کو ''البراہا'' لکھا ہے۔ اس سلسلے میں وسیلی ولادیمرووچ برتھولڈ، استخری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"To Qandabil used to come for the sake of commerce members of the nomadic pagan

people al-Badaha; this appellation is clearly to be understood as that of the Brahui (perhaps it should be read al-Baraha).........{105)

عرب سیاح ابن حوقل (۹۵۰ء) نے براہوئیوں کو ''زم بروہی'' کہہ کر انھیں فارس میں موجود بتایا ہے اور وہاں بسنے والے اقوام اور قبائل کے بارے میں تحریر کرتا ہے:

''بہت سی جگہیں ایسی ہیں جنھیں یہ لوگ زَم کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی نسل یا قبیلہ کے ہوتے ہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے آبادی اور اہمیت کے لحاظ سے برتر ہے۔ زم حیلولہ کو زم سنجاں بھی کہتے ہیں۔ دوسرا زم احمد بن لیث' زم احمد بن علی حسین کو زم کارما بھی کہتے ہیں' اس کے علاوہ زم کرمانیاں، درمانیاں، زم بروحی (بروہی)، زم محمد بن بشر، زم آورغانیاں، صباحیاں، زم عشقیاں، زم شیر کوبر، زم زنگیاں، زم صفاریاں، زم شاہ ماریاں، زم متلسیاں، زم ممالیاں، زم سماکاساں اور زم خلیلا لیاں۔ یہ وہ زم ہیں جن کے متعلق ہمیں معلوم ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے زیادہ ان کے متعلق جاننا چاہتا ہے' یا سب زموں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا متمنی ہے تو اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ان زموں کی آبادی پانچ لاکھ خاندانوں کے لگ بھگ ہے اور ان میں سے ہر قبیلہ دو دو ہزار گھڑ سوار جوانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ کسی صورت میں بھی کوئی قبیلہ سو گھڑ سواروں سے کم تعداد نہیں رکھتا، ان کی کثیر تعداد' ان کے بے شمار ہتھیار اور جنگی گھوڑے اس قدر ہیں کہ وہ بڑے سے بڑے بادشاہ کا مقابلہ بہ آسانی کر سکتے ہیں۔''(۱۰۶)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پروٹو دراوڑی لفظ وڑا کوئی نے قدیم ایرانی زبان میں پرواکہ' میانہ فارسی کے دور میں پریکان' یونانیوں کے دور میں پریکنوئی اور عربوں کے دور میں ''بروہی'' کی صورت اختیار کی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہے کہ اگر ''پرواکہ''، ''پریکان'' یا ''پریکنوئی'' وغیرہ ''بروہی'' لفظ کی بنیادی روپ ہیں تو براہوئی جو خود کو ''براہوئی'' (برا۔ہُو۔ئی۔Bra.hu.i) کہتے ہیں' لفظ کی بنیاد کیا ہے؟ کیا ''براہوئی'' لفظ بھی ''وڑا کوئی'' کی تبدیل شدہ صورت ہے یا نہیں؟

دراصل وڑا کوئی سے پرواکہ پریکان/ پاریکنا' پریکنوئی' پاروا تا' پارادااور بروہی لفظ کی صورتیں ہند یورپی اور یونانی یعنی غیر براہوئی اور غیر دراوڑی ہیں۔عربوں نے وڑا کوئی لفظ کے یونانی روپ پریکنوئی کو عربی زبان کے مزاج کے مطابق ''بروہی'' میں تبدیل کر دیا۔جیسے ''بلوچ'' کو سندھی میں ''بروچ''، عرب ''بلوشی''، پشتون / پٹھان ''بلوص'' کہتے ہیں جبکہ بلوچ خود کو بلوچ کہتے ہیں یعنی بروچ' بلوش اور بلوص الفاظ بلوچ لفظ کے غیر بلوچی روپ ہیں۔سندھی' پنجابی' پختون اور پشتون کو پٹھان کہتے ہیں جبکہ براہوئی انھیں افغانستان کی نسبت سے ''اوغان'' کہتے ہیں۔جبکہ صوبہ پختونخواہ کے پٹھان خود کو پختون اور بلوچستان کے خود کو پشتون کہتے ہیں۔اسطرح براہوئی اپنے آپ کو ''بروہی'' نہیں بلکہ ''براہوئی'' یا ''براوی'' کہتے ہیں۔

وڑا کوئی لفظ ''براہوئی'' میں کیسے تبدیل ہوا؟اس بارے میں روس کے نامور ماہر لسانیات اورڈریووڈالا جسٹ ایم۔ایس آندرونوف لکھتا ہے:

"In words of Dravidion origin initial consonant clusters appear as a result of the dropping of the vowel which originally existed between them, the quality of the vowel that was dropped influencing the quality of the vowel in the second syllable (the latter becomes longer)in accordance with these rules:a ..a> a'i......i> t'u..u>/e......a> e'u/o......a-o. At the same time the Brahui consonant b-is a reflection of the initial v.Finally, -r-may be either the original sonant-r-or a reflection of the Proto-Dravidian noise consonants - R -and-rr-or the sonant-Z-. The meaning of the word shows that in this case-r-apparently comes from the proto-Dravidian-R-i.e' bra'ui< vaRa+ko+i' the entire word meaning"northern mountaineers 'or, people of the northern mountains'".......... (107)

ایم۔ایس آندرونوف نے ''وَڑکئی'' یا ''وڑا کوئی'' لفظ میں کچھ تاریخی صوتی تبدیلیاں دکھا

کر اس کو ''براہوئی'' لفظ میں تبدیل ہونا بتایا ہے۔اگر ایم۔ایس آندرونوف کے وَڑکئی یا وَڑا کوئی لفظ میں حروف علت (Vowel) کے تبدیلیوں کے برعکس صرف حروف صحیح (Consonants) کی تبدیلیوں پر غور کریں تو آج بھی براہوئی' پروٹو دراوڑی آوازوں کو اپنے مزاج کے مطابق تبدیل کرتے ہیں۔مثلاً وَڑکئی یا وڑا کوئی لفظ میں تین اہم آوازوں وْ'ڑ اور ک کو بالترتیب ب' ر اور ہ میں تبدیل کرتے ہیں۔تفصیل ملاحظہ ہو۔

''وْ'' کا ''ب'' آواز میں تبدیلی:

براہوئی ہمیشہ پروٹو دراوڑی 'وْ' کو 'ب' آواز میں تبدیل کرتے ہیں۔(۱۰۸) مثلاً

پروٹو دراوڑی	معنی	براہوئی
وِن/ وین(ven.vin)	(To hear)	بِن(bin)،(to hear)،(109)
وِٹاری/ وِٹن(vitari.vitan)	(mountain)	بُٹ(but)(mound) (110)
وَر / ویر(var'ver)	(that which is'separate)	بِر (bir)، (toseparate)،(111)
ول،(bil, vil)		بل،(bil)،(bow)،(112)
ور(var)	(tocome)	بَر(bar)،(tocome)،(113)
وے(vay, vey)	(to wear)	بین(ben)، to wear, put on)،(114)

یہاں یہ اَمر بھی قابل ذکر ہے کہ پروٹو دراوڑی اَ(a) حرف علت کو براہوئی اِ(i) میں تبدیل کرتے ہیں جیسا کہ:

پروٹو دراوڑی	براہوئی
وَر (var)	بِر (bir) (to separate)

مندرجہ بالا پروٹو دراوڑی لفظ میں اَ(a) مصوتہ ہے۔جسے براہوئی زبان میں (اِ)'(i) میں تبدیل کیا گیا ہے۔اس طرح وَڑا کوئی لفظ کے پہلے مصوتے اَ(a) کو i(اِ) میں تبدیل کرکے وِڑا کوئی اور ''وْ'' مصمتہ کو ب میں تبدیل کرکے بِڑا کوئی لفظ کا روپ دیا۔اسطرح و کا ب آواز میں تبدیلی دیگر دراوڑی زبانوں مثلاً کناڈا' کوڈا گو اور ٹلو میں بھی مستعمل ہے(۱۱۵)

''ڑ'' آواز کا 'ر' میں تبدیل

براہوئی زبان میں پروٹو دراوڑی آواز 'ڑ' (R) کا 'ر' میں تبدیلی عام سی بات ہے۔ مثلاً:۔

پروٹو دراوڑی		براہوئی	
توڑ (tor)	(to touch)	تور	(116)،(to hold)
کرَ (kara)	(to crose)	خرّ	(117)،(to walk)
تامل۔ ایڑ (eru)	(to rise)	ارف (harf)	(118)،(to raise)
ایڑو (eruvu)	(to cause to riese)		
کنڑ۔ ایڑ (er)	(to rise)	=	=
میڑ (mer)	(to smear)	مِر (mir)	(119)،(to plaster)
تامل۔ کڑ (cur)	(to think)	ہُر (hurr)	(120)،(to see)
اُڑ (ur)	=	=	(121)=

''ک'' آواز کا 'ہ' میں تبدیلی

براہوئی زبان میں پروٹو دراوڑی زبان کا ک (c) اور جدید دراوڑی زبانوں کا 'ک' (k) 'ہ' (h) میں تبدیل ہوتا ہے۔ یہ خصوصیت براہوئی زبان میں قدیم دراوڑی اثرات کا نتیجہ ہے۔ براہوئی زبان میں دراوڑی ک (k) آواز کا 'ہ' (h) میں تبدیلی کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

تامل۔ کُڑ (cur)	(to think)	ہُر (hurr)	(122)،(to see)
اُکِر (ukir)	(finger, nail)	اُور (hor)	(123)،(finger)
کرخ۔ تاکا (taka)	(wind)	تہو (taho)	(124)،(wind)
مالتو۔ تاکے (take)	(wind)	=	(125)،=
ناتکی۔ ایلکا (elka)	(rate)	ہل (hal)	(126)،(rate)
کولامی۔ کوتا (kota)	(to bring)	ہتہ (hata)	(127)،(to bring)

مالتو۔ کل (kal)	(to go)	ہن (hin)	(128)،(to go)
کئی۔ کل، (kal)	=	=	(129)=
پروٹو انڈو یورپین۔ دے کم (dekm)	(ten)	دہ (dah)	(130)،(ten)

مندرجہ بالا تاریخی لسانیاتی تقابلی شواہد کے مطابق پروٹو دراوڑی لفظ وڑا کوئی (وَڑکئی) کے 'و۔ ڑ' اور 'ک' آوازیں براہوئی کے 'ب'۔ 'ر' اور 'ہ' میں تبدیل ہونے کے بعد وڑا کوئی لفظ ''براہوئی'' میں تبدیل ہو گیا۔ تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

پروٹو دراوڑی لفظ	و+اَ 'ڑ+آ 'ک+اُو 'اِی
= = آوازیں مصمتے:	و ' ڑ ' ک
= = آوازں مصمتوں کی تبدیلی:	ب ' ر ' ک
= = مصوتہ کی تبدیلی:	اِ
نیا روپ:	ب+اِ'ر+آ ھ + اُو ' اِی
موجودہ لفظ:	برا ھو ئی

i ho Bra

Brahui

درج بالا لسانی تقابل اور قدیم تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ پروٹو دراوڑی لفظ 'وڑا کوئی'' چھ' سات ہزار سال سے مختلف لسانی تبدیلیوں کے بعد اپنا روپ بدل کر ''براہوئی'' کا روپ اختیار کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرواکہ' پریکان' پریکنوئی' پاروا تا' پارادا اور بروہی الفاظ پروٹو دراوڑی لفظ وڑا کوئی کے غیر دراوڑی اور غیر براہوئی روپ ہیں جبکہ موجودہ ''براہوئی'' پروٹو دراوڑی لفظ وڑا کوئی (وڑکئی) کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ براہوئی لفظ کی بنیاد یا ساخت ہند یورپی اور سامی نہیں بلکہ پروٹو دراوڑی الاصل ہے۔ جس کے معنی شمالی پہاڑی لوگ'' (northeren mountaineers) کے ہیں (۱۳۱) اس لیے ''براہوئی'' لفظ کی بنیاد' وجہ تسمیہ اور ساخت کو کسی اور لفظ سے جوڑنا یا قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

باب چہارم

براہوئی زبان کی بنیاد☆

براہوئی نسلی اور لسانی طور پر کون ہیں؟ ان کی بنیاد کیا ہے؟ ان سوالات کے جوابات معلوم کرنے کے لیے دنیا کے ماہرین لسانیات' بشریات' آثار قدیمہ اور مؤرخین نے مختلف مفروضے اور نظریہ پیش کیے ہیں۔

اس سلسلے میں دو مکتبہ فکر موجود ہیں۔ ایک وہ جو مقامی ہیں جن کے مطابق براہوئی' نسلی اور لسانی طور پر تورانی' ترکی' سامی یا ہندیورپی ہیں۔ یہ مفروضے ۱۹۳۱ء میں ''عظیم تر بلوچستان'' کی راہ ہموار اور مستحکم کرنے کے لیے گھڑے گئے۔ اس خیالی ریاست ''عظیم تر بلوچستان'' کے لیے ایک زبان ''بلوچی'' اور ایک قوم ''بلوچ'' کا نعرہ دیا گیا۔ اس مقصد کے لیے براہوئی ریاست (موجودہ بلوچستان) کے اندر سارے غیر بلوچ اقوام جن میں براہوئی' سندھی' (جاٹ) ہندو وغیرہ کے قومی تشخص' کلچر' تاریخ اور زبانوں کو بلوچ میں جبراً ضم کرنے کی ٹھان لی گئی۔ اس خیال کی تکمیل کے لیے سیاسی لکھاریوں سے کتابیں لکھوائی گئیں جن کو تاریخ کا نام دیا گیا۔ ان میں تاریخی حقائق کے برعکس طلسماتی قصے کہانیاں گھڑ کر براہوئیوں اور دیگر غیر بلوچوں کو بلوچ بنانے کی کوشش کی گئی۔ (تفصیل کے لیے پہلا اور دوسرا باب پڑھیئے)۔

دوسرا مکتبہ فکر ان عالموں پر مشتمل ہے جنھوں نے علم لسانیات' آثار قدیمہ' علم بشریات اور قدیم تاریخ سے علمی شواہد اور ثبوت پیش کر کے براہوئیوں کے نسلی اور لسانی بنیاد پر اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ ان میں زیادہ تر مستشرقین اور مقامی عالم شامل ہیں۔

☆......یہ باب راقم الحروف کے کتاب ''براہوئی زبان کی بنیاد'' سے لیا گیا ہے یہاں اختصار پیش کیا گیا ہے۔
(ن ش ب)

سب سے پہلے براہوئیوں کو نسلی اور لسانی طور پر تاتار قرار دینے کا ہنجری پاٹنجر نے ۱۸۱۶ء میں اشارہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ:

> "They (Brahuis) seem to have been a nation of Tartar mountaineers........"(1)

ہنری پاٹنجر نے اپنی یہ رائے یا مفروضہ گیارمتھی (Gyarmathi) کے ''فنو۔ تاتاری'' یا ''ترکی زبانوں کا خاندان'' کی بنیاد پر کیا۔ گیارمتھی نے یہ مفروضہ ۱۷۹۹ء میں پیش کیا تھا۔ اس کا یہ مفروضہ سجنووٹس (Sajnovits) ۱۷۷۰ء اور ہیگر (Hager) ۱۷۹۳ء کی تحقیقات پر مبنی تھا۔ ان لوگوں نے فنو۔ تاتاری' ترکی یا تورانی زبانوں کا خاندان ہونے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جس میں جنوبی ہند کی دکھنی یا تاملی زبانیں بھی شامل تھیں۔

۱۸۱۴ء میں کلیپر وتھ (Klaproth) نے گیارمتھی کے مفروضہ کی تائید کی اور انہوں نے کاکیشی اوستیک زبانوں کو ایک خاندان کا ہونا قرار دیا۔ (۲) ۱۸۳۷ء میں ناروے کے ماہر لسانیات اور سنسکرت زبان کے پروفیسر کرسٹیان لاسن نے گیارمتھی' کلیپر وتھ اور دوسروں کے مواد کے ساتھ ہندوستان کے دکھنی' براہوئی اور ہندیورپی زبانوں کا نئے سرے سے تقابل کیا۔ جس کے نتیجے مین انہوں نے براہوئی زبان کا تورانی خاندان سے اشتراک کی طرف اشارہ کیا۔ جب کہ اسے دکھنی (تاملی یا دراوڑی) قرار نہیں دیا۔ براہوئی کا نام انہوں نے جرمنی زبان میں Bravra, Bravda اور Brahui لکھا ہے۔ (۳)

اپریل ۱۸۴۲ء میں ڈاکٹر اسٹیونسن (Dr. Stevenson) نے مسٹر وے (Mr. Weighe)، مسٹر مننسکی (Mr. Meninski) اور کلیپر وتھ کے مواد کی بنیاد پر ٹوڈا زبان پر مقالہ لکھا۔ اس ضمن میں مقالے میں ٹوڈا زبان کا براہوئی کے ساتھ تعجب خیز مشابہت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> "The language of the Todas has a strong resemblance to the language of other Indian hill tribes; especially to that of the Brahoes, a tribe inhabiting the mountains of the Scinde, and like the Todas, men of fine features and having an evidently Caucasian

cast of countenance; so much so that the Todas have been mistaken for a colony of Greeks and the Brahoes for one of Jews......."(4)

پھرانہوں نے براہوئی کے چودہ اِرٹ مُسٹ‘ خف‘ پڑ‘ دیرٗ آہن‘ خرما‘ نی‘ ایدٗ ننا‘ نن‘ نم‘ اریس اور اریرےٗ الفاظ کا ٹوڈا زبان سے لسانی اشتراک دکھایا۔(۵)

اسی سال جارج کلفورڈ وائٹ ورتھ نے براہوئی زبان کو پہلی بار دراوڑی زمرہ کی زبان قرار دیا اور لکھا کہ:

"The Brahui language is partly Dravidian"(6)

۱۸۴۴ء میں کرسٹیان لاسن نے پھر دوسری باری براہوئی زبان کی بنیاد کے حوالے سے مندرجہ بالا ماہرین لسانیات کے تحقیقی مواد کا ازسرنو تقابل اور جائزہ لیا۔ نتیجے میں براہوئی کو باقاعدہ دکھنی یا تاملی زمرہ کی زبان قرار دیا۔(۷)

اس بارے میں آر جی لیتھم لکھتے ہیں:

"(Lessen) without placing it, he remarks that the numerals are South-Indian (or Tamulian) rather than aught else. He might have said more. The Brahui is a remarkable and unexplained branch of the Tamul...."(8)

جیمس کولز‘ لاسن کے الفاظ کا انگریزی ترجمہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"It is allied to the langauges of the Dekhan, and generally to that class of langauges that has been called Tartar. The Brahuis thus real aboriginal Scyths or Tartars........"(9)

۱۸۵۱ء میں آر جی لیتھم نے لاسن کی تائید کی اور براہوئی زبان کو تاملی قرار دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"The Brahui are a peculiar people, with a peculiar langauge, in Biluchistan, Mekran, and part of Scinde. It had been suggested by lassen that their tongue had affinities with the Southern (Tamulain) tongue of India....."(10)

آر جی لیتھم نے بعد میں براہوئی زبان پر ۱۸۵۱ء‘ ۱۸۵۲ء اور ۱۸۵۹ء میں بھی لکھا۔ جس میں انہوں نے واضع طور پر براہوئی کو تاتاری یا ستھین قرار دیا۔(۱۱)

۱۸۵۴ء میں میکس ملر نے تورانی زبانوں کا تقابلی خاکہ پیش کیا۔ جس میں انہوں نے تورانی زبانوں کے خاندان میں جنوبی شاخ میں تائی‘ ملائی‘ بھوٹیا اور تاملی زبانوں کو شامل کیا۔ براہوئی زبان کے بنیادی اعداد ایک تا چھ تک کا تقابل پیش کیا اور نتیجے میں اسے تاملی زمرہ کی زبان کہا۔(۱۲)

"The gazetteer of the world or, dictionary of geographical Knowledge"

شائع ہوئی جس میں براہوئی زبان کو دراوڑی (ستھین) قرار دیا گیا۔(۱۳)

اسی سال رابرٹ کالڈویل کی مشہور زمانہ دراوڑی گرامر شائع ہوئی۔ اس نے براہوئی زبان میں دراوڑی عنصر کی نشاندہی کی مگر اسے دراوڑی زبان کے خاندان میں شامل نہیں کیا۔(۱۴)

۱۸۵۸ء میں "The Missionary Herald" کا شمارہ شائع ہوا۔ اس میں براہوئی زبان کو جنوبی ہند کی زبان قرار دیا گیا۔(۱۵) ۱۸۵۹ء میں جی آر لوگا ننے براہوئی زبان کو دکھنی قرار دیا۔(۱۶)

۱۸۶۳ء میں چارلس لورنگ بریس نے براہوئیوں کو تاملی بنیاد کا قرار دیا۔(۱۷)

۱۸۶۸ء میں لیوس ہینری مارگن نے قلات کے براہوئیوں کو دراوڑی نسل (Dravidian Race) قرار دیا۔(۱۸)

اسی سال جان بیمز نے ہندوستانی لسانیات کا خاکہ کتاب لکھا۔ جس میں انہوں نے تورانی زبانوں کے خاندان کی لسانی درجہ بندی کی۔ اس میں انہوں نے براہوئی زبان کو تورانی زبان کے جنوبی شاخ دراوڑی گروہ کی زبان قرار دیا۔(۱۹) ۱۸۷۱ء میں ایڈورڈ بالفور نے براہوئیوں کو لسانی اور نسلی طور پر تورانی اور دراوڑی قرار دیا۔(۲۰)

اسی سال (۱۸۷۱ء) میں "The Journal of the Roayl Asiatic Society of Great Britian and Ireland" چھپی۔ جس میں کالڈویل کے حوالے سے براہوئیوں کو لسانی اور نسلی طور پر دراوڑ قرار دیا گیا۔(۲۱)

۱۸۷۸ء میں "The Calcutta Review" کا شمارہ ۶۶/۶۷ شائع ہوا۔ اس میں براہوئی زبان کو دراوڑی زبان قرار دیا گیا۔(۲۲)

۱۸۸۰ء میں جرمنی کے نامور ماہر لسانیات ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ نے براہوئی زبان کی بنیاد کے سلسلے میں کی گئی تحقیق تورانی، ہند یورپی، سامی، تاملی اور براہوئی پر نئے دستیاب شدہ تحریری مواد کا گرامری اور بنیادی ذخیرہ الفاظ کے تناظر میں تقابل کیا اور حتمی طور پر براہوئی زبان کو دراوڑی قرار دیا انہوں نے لکھا ہے کہ

> "After a careful examination.... that the Brahui is a langauge belonging to the Dravidian Family.........."(23)

اس کے بعد دنیائے لسانیات میں براہوئی زبان کو دراوڑی زبان تسلیم کیا جانے لگا جیسا کہ ایم بی ایمینو تحریر کرتا ہے:

> Since 1880, the Brahui has been accepted as a Dravidian language......(24)

جی آر گریئرسن نے ۲۶ سال بعد ۱۹۰۶ء میں نہ صرف براہوئی زبان کو باقاعدہ دراوڑی زبان تسلیم کیا بلکہ انھوں نے لاسن اور ٹرمپ کے برعکس پہلی بار دراوڑی زبانوں کا صرفی تجزیہ اور تقابل کر کے ایک شجرہ تیار کیا جس میں انھوں نے براہوئی زبان کو دراوڑی زبان قرار دیتے ہوئے پہلی بار اس کی بنیاد کو غیر نامعلوم قدیم دراوڑی زبان (Proto-Dravidian Language) بتایا۔ بقول سر آریل اسٹائن کے کہ جو آریاؤں کے حملہ کی وجہ سے شمالی پہاڑوں میں بود و باش اختیار کی وہ آریائی ہونے سے بچ گئے۔(۲۵) گریئرسن نے دراوڑی زبانوں کا شجرہ پیش کیا وہ حسب ذیل ہے(۲۶) گریئرسن کا شجرہ سامنے صفحہ پر ملاحظہ ہو:

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ راقم الحروف نے نینا سویڈلر کی کتاب کے اردو ترجمہ ''براہوئی آبادکاری کا سیاسی سیاق وسباق'' کے دیباچہ میں لکھا تھا کہ:

> ''پہلا دانشور (مترجم کتاب) جس نے براہوئی کو پروٹو ڈریویڈین قرار دیا ہے جب سے انھوں نے براہوئی کا پروٹو ڈریویڈین نظریہ پیش کیا ہے۔تقریباً مقامی ماہرین لسانیات بشمول راقم الحروف اس نظریہ کی تقلید میں اپنی تحقیقی کاوشیں پیش کرنے کی جستجو کی ہے۔ بہرحال پروفیسر جاوید اختر براہوئی زبان میں ادبی، تنقیدی، تاریخی، ثقافتی، لسانیاتی تحقیق کے وہ شہسوار ہیں جن کے قلم کی تازگی اور سچائی نئے گوشوں کی دریافت میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ان کی براہوئی قومی و لسانیاتی نظریہ کو نہ صرف تسلیم کیا جارہا ہے بلکہ ان کی تقلید بھی کی جارہی ہے۔''(۲۷)

گرائرسن کا شجرہ
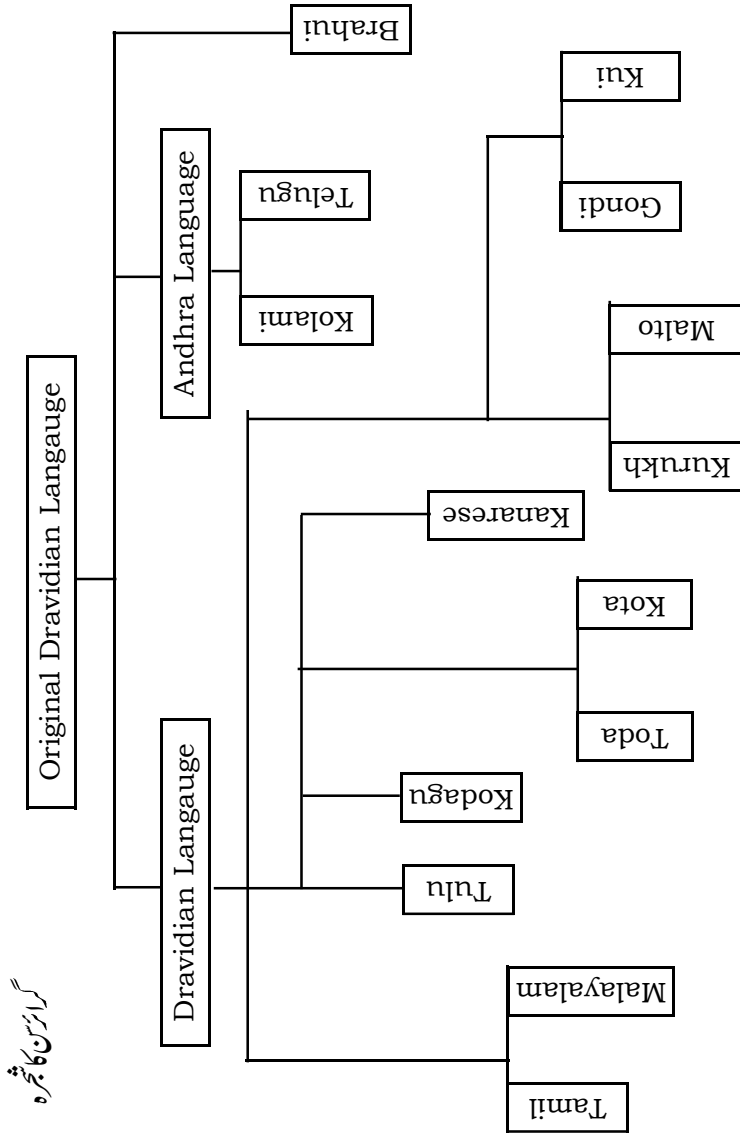
میں نے یہ رائے اُس وقت دی جب راقم نے جی آر گریئرسن یا دوسرے ماہرین لسانیات کی تحقیق کو سامنے نہیں رکھا تھا۔ جی آر گریئرسن پہلا ماہر لسانیات ہے جنھوں نے ایک سو آٹھ سال پہلے براہوئی زبان کو قدیم دراوڑوی زبان سے مشتق قرار دیا ہے اور جاوید اختر' براہوئی پروٹو دراوڑی زبان ہے' کا خالق نہیں ہے۔(۲۸)

ایم بی ایمینیو نے ۱۹۶۲ء میں براہوئی زبان کا صوتیاتی تقابلی جائزہ لیا اور اس کو کرخ اور مالتو سے قریب تر پا کر ایک دراوڑی گروہ کی زبان قرار دیا۔(۲۹) اس بارے میں ہینز کلاز لکھتا ہے:

"In 1962 Emeneau proposed that Brahui and Kurukh-Malto probably constituted a sub-family or group due to certain phonological isoglasses and some common retentions and shared innovation......"(30)

دو سال بعد روس کے نامور ڈریویڈ الاجسٹ (Dravidologist) ایم ایس آندرونوف نے براہوئی زبان کی بنیاد کے متعلق ایم بی ایمینیو کی ہی رائے کو مقدم رکھا اور جی آر گریئرسن کے نظریہ کو تسلیم کر کے براہوئی زبان کو قدیم دراوڑی (پروٹو دراوڑی) زبان سے مشتق قرار دیا ہے۔(۳۱) ایم ایس آندرونوف کا شجرہ سامنے صفحہ پر ملاحظہ کریں۔

اس کے بعد دراوڑی لسانیات کی دنیا میں سارے دراوڑی زبانوں معہ براہوئی کو قدیم دراوڑی (Proto-Dravidian) سے مشتق قرار دینے کا نظریہ عام ہوا۔ کرشنا مورتی نے ۱۹۶۹ء میں دراوڑی زبانوں کے متعلق ایک نیا تصور پیش کیا۔ اس نے قدیم وسطی' قدیم جنوبی اور قدیم شمالی کے اصطلاحات کے ساتھ ان کو کسی پروٹو دراوڑی زبان سے پیدا ہونا قرار دیا۔ اس طرح موجودہ دراوڑی زبانوں کا دو پروٹو دراوڑی زبانوں سے پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کرشنا مورتی نے براہوئی' مالٹو اور کرخ زبانوں کو قدیم شمالی دراوڑی (Proto-North Dravidian) سے مشتق قرار دیا ہے اور قدیم شمالی دراوڑی کو اصل قدیم دراوڑی زبان (Proto-Dravidian) سے پیدا قرار دیا ہے۔ اس کا شجرہ سامنے صفحہ پر ملاحظہ کریں۔(۳۲)

اسی سال یعنی ۱۹۶۹ء میں نامور ڈریویڈ الاجسٹ سبرامنیام نے ''وسطی دراوڑی زبانیں'' کے موضوع پر ایک مقالہ تحریر کیا جس میں انھوں نے کرشنا مورتی کی طرح جدید وسطی دراوڑی زبانوں

ایم ایس آندرونوف کا شجرہ

P[roto]N[orth]Dr[avidian]

Malt[o]

Kur[ukh]

Br[ahui]

کرشنا مورتی کا شجرہ

کودوتا تین پروٹو دراوڑی زبانوں سے مشتق قرار دیتے ہوئے آخر میں بنیادی زبان کو بھی ''پروٹو وسطی دراوڑی زبان'' سے مشتق قرار دیا ہے۔ مثلاً انھوں نے پارجی اور گدابا زبانوں کو دو پروٹو دراوڑی زبانوں سے مشتق قرار دے کر آخر میں ان دو پروٹو دراوڑی زبانوں کی بنیاد کو تیسری اور آخری پروٹو دراوڑی زبان قرار دیا ہے۔(۳۳) سبرامنیام کا شجرہ ملاحظہ ہو:
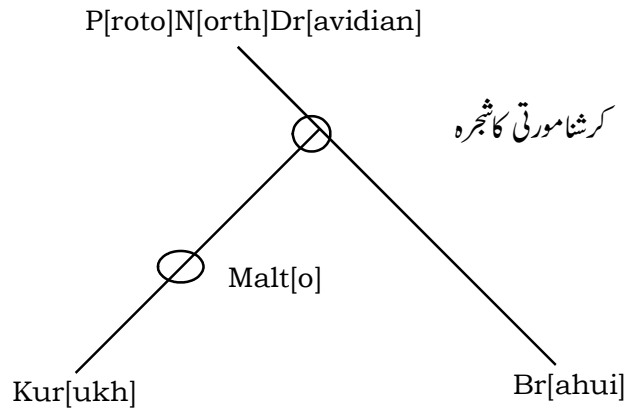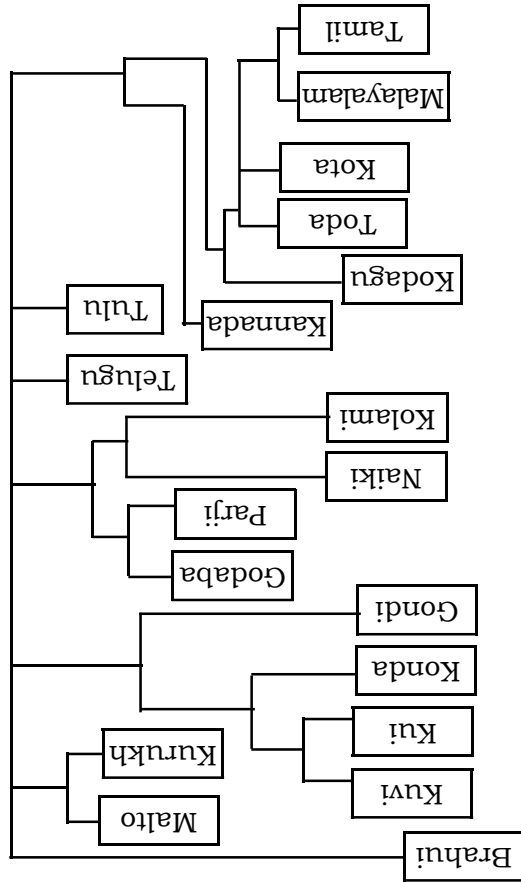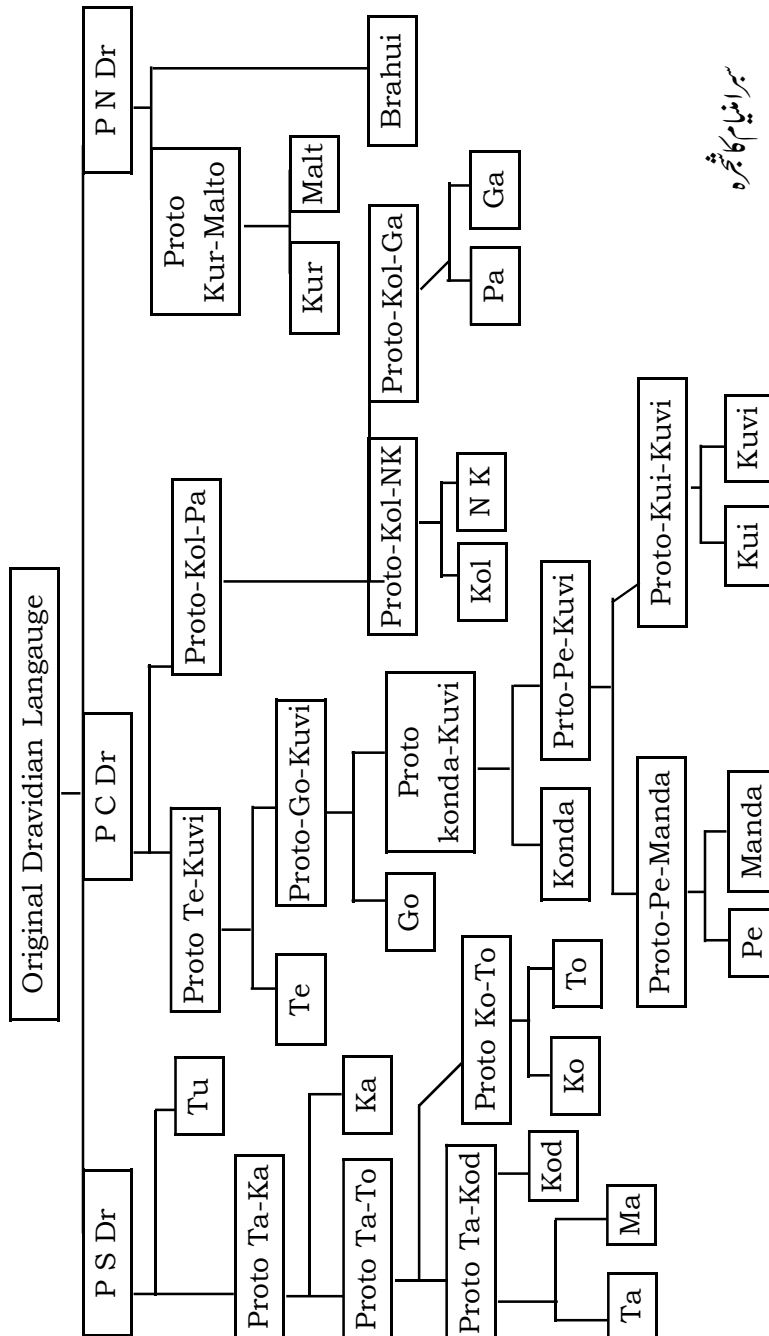
کامل ذلیبل نے ۱۹۷۰ء میں کرشنا مورتی کے نظریہ کی تقلید کی۔(۳۴) اس وقت براہوئی زبان دراوڑی زبانوں کے خاندان میں قدیم شمالی دراوڑی گروہ سے بتاتے ہیں۔ جس میں کرخ اور مالتو بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ آندرونوف تحریر کرتا ہے کہ:

> "According to the modern conception, Brahui belongs to the north-western group of the Dravidian languages. It is apparently most closely related to the north-western group of these languages, which includes Malto and Kurukh......."(35)

دراوڑی زبانوں کے ماہرین لسانیات میں دراوڑوں کا باہر سے ہندو پاک میں آنے اور پاک و ہند سے باہر جانے کے متعلق اختلافات موجود ہیں۔ ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ دراوڑ ہندو پاک میں باہر سے آئے تھے۔ اس سلسلے میں مسٹر ہسلوپ لکھتے ہیں:

> "May we not conclude then that while the stream Dravidian population as evidence, by the Brahui in Baluchistan, entered India by the North-West......"(36)

کلکتہ ریویو میں بھی لکھا ہے کہ دراوڑ باہر سے بلوچستان میں آئے:

> "The Dravidian races entered India from west, probably by the Bolan Pass......."(37)

ہورنلے کی بھی یہی رائے ہے۔

> "They (Dravidian) pushed into India by way of Baluchistan (where the Brahui language marks their presence) and spread along the Indus and Gangs valley, before passing into the South (India)..."(38)

ڈاکٹر محی الدین قادری نے ہورنلے کے رائے کو نقل کیا ہے۔(۳۹) سر ہولڈچ (۴۰) جی آر ہنٹر (۴۱) اور دوسرے بھی اسی پر متفق ہیں۔ڈاکٹر ہریماتھ لکھتے ہیں:

"Dravidians, who were the authors of the Indus civilization, moved from the north to south and eas. They entered India by about 2500 B.C and the Indus civilization had a duration of about 1000 years........"(42)

دراوڑوں کی ہندوپاک میں آمد کا نقشہ

دوسرا گروہ دراوڑوں کو ہندوپاک سے دوسرے ممالک میں نقل مکانی کرنے کا کہتا ہے۔اس بارے میں اوُمیل لکھتے ہیں:

''آریاؤں کے حملے وقت بہ وقت ہوتے رہے ہیں اور ابتدائی حملہ ان لوگوں نے ۱۲۰۰ ق م میں کیا تھا۔اس بات کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ دراوڑ آریاؤں کے حملوں سے ڈر کر اپنے جنم بھومی سے نقل مکانی کر کے دوسرے ممالک میں جا رہے تھے......۔(۴۳)

آگے لکھتے ہیں:

''ان میں سے ایک گروہ جنوبی ہندوستان گیا۔۱۶۰۰ ق م کے دوران سندھ کے شہریوں کو آریاؤں کے حملے نے خوف میں ڈالا اور ان کے زوال کی ابتداء ہوگئی تھی۔۱۲۰۰ ق م کے دوران سندھ کے سارے شہر فتح ہو چکے تھے......۔''(۴۴)

اوُمیل، کلوسسٹر ماہر کے حوالے سے دراوڑوں کا سری لنکا، انڈونیشاء اور جاپان نقل مکانی کا کہتا ہے:

''کلوسسٹر نے ماہر سندھ کے اس مذہب کے پھیلاؤ کے راستوں کی جانچ کی ہے۔جس وسیلے سندھی دراوڑی مذہب سری لنکا اور انڈونیشا تک پہنچا تھا۔ مؤرخ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ دراوڑ سمندری سفر کے بھی ماہر تھے۔اس کا خیال تھا کہ جاپان کے سرزمین کے اصل باشندے بھی آنو یا دانو کے پجاری تھے جس کو ہئری ائنو (Hairy Ainu) کہا جاتا تھا۔ان کو ان لوگوں نے آخر بیدخل کر دیا، جن کو اب جاپانی کہا جاتا ہے جو منچوریا سے یہاں آئے تھے...........۔''(۴۵)

اوُمیل لکھتے ہیں:

''دراوڑ پیرو (Peru) تک بھی جا پہنچے تھے اس حقیقت کی شاہدی ناروے کے قدیم آثاروں کے ماہر ہیئر ڈال (Thor Heyer Dahl) نے بھی کی ہے......۔''(۴۶)

اوُمیل دراوڑوں کا ترکی، اناطولیہ اور مشرقی یورپ میں جانے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

''دراوڑوں کے بڑھنے کے لیے ایک دوسرا راستہ بھی تھا۔وہ ترکی اور اناطولیہ (Anatolia) سے گذر کر مغرب کی طرف گئے اور مشرقی یورپ میں داخل ہوگئے۔اس کے بعد میڈیٹیرین سے گزر کر مغربی یورپ میں جا بسے اور برٹش آئیسالس (Isles) میں بھی بس گئے۔...........۔''(۴۷)

اوُمیل آگے لکھتے ہیں:

''سندھ کے..........(دراوڑ) افغانستان، ایران، عراق، عربستان اور فلسطین سے ہوتے ہوئے پہلے مشرقی یورپ بعد میں مغربی یورپ پہنچے۔اس کے ساتھ مشرق کی طرف جاتے ہوئے انڈونیشیا اور امکانی طور پر جاپان تک بھی گئے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ پولینیشیا (Polynesia) سے آگے بڑھ کر امریکا تک بھی گئے......۔''(۴۸)

آئن مورا بھی دراوڑوں کو پاک و ہند سے دوسرے علاقوں میں جا کر تہذیب و ثقافت کو بام عروج پر پہنچانے والے قرار دیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

۱۲۰۰ سے ۷۰۰ ق م تک اٹلی کے ایٹروسکان (Etruscans) قبیلے دیکھنے میں آتے ہیں جو اپنی تہذیب کی بنیاد رکھی تھی...... یہ لیڈیا (ترکی) سے آئے تھے۔زیادہ امکان ہے کہ ان لوگوں کا تعلق سندھ سے ہے...........۔''(۴۹)

آئن مورا آگے لکھتے ہیں:

''سندھ تہذیب کے لوگ نقل مکانی کر کے مشرقی یورپ کی طرف جا رہے تھے اور جا کر اناطولیہ تک پہنچے۔اس کے بعد مغربی یورپ میں بھی جا کر آباد ہوئے تھے...........۔(۵۰)

آئن مورا لکھتے ہیں:

’’دراوڑ‘ آئرلینڈ ۱۲۰۰ق م کے دوران پہنچے...........۔‘‘(۵۱)

آئن مورا بھی اسی خیال کے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

’’سندھ کے دراوڑ وسیع علاقوں تک پہنچے۔عالموں اور محققوں کی رائے ہے کہ دراوڑ آریاؤں کے حملوں سے بہت پہلے اپنی تہذیب کو زیادہ پھیلایا......۔‘‘(۵۲)

آئن مورا آگے لکھتے ہیں:

’’نقل مکانی کرنے والے دراوڑ انڈونیشیا سے واقف تھے۔امکان ہے کہ ان لوگوں نے پہلے جاپان اور پولینیشیا (Polynesia) کے طرف نقل مکانی کی ہوگی بعد میں جنوبی اور شمالی امریکا کے طرف گئے ہونگے...........۔‘‘(۵۳)

بھگواد گیتا کے مترجم دراوڑوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"It is believed that Dravidians from India to Egypt and laid the foundation of its civilization there. The Egyptions themselves had the tradition that they originally came from the South.........."(54)

رام شرن آریاؤں سے قبل دراوڑوں کی ایران‘ افغانستان اور بلوچستان میں موجودگی کو تسلیم کرتا ہے:

"The Dravidian languages which include Brahui. All this shows that a vast area with a pre-Aryan population extended from South Iran through Afghanistan to Balochistan in which the speakers of the Indo-Iranian and the Indo-Aryan languages settled after 2000 B.C.........."(55)

ایس آر بجشی اور دوسرے لکھتے ہیں:

"It recently was proved that in Balochistan there exists a Dravidian population, "The Brahuis", the Dravidian type is noted in

Southern Persia; and perhaps the non-Aryan people of ancient Persia were of the Dravidian race, who formed connection between Babylonia and India......"(56)

گرنات وِنڈفوہر لکھتے ہیں:

"The langauge is the northermost remnant of the Dravidian languages which are now found mainly in the southern Indian Subcontinent, but prehistorically may once have been more widely found in Iran. This is suggested is particular by the possible distant relationship between proto-Elamite and proto-Dravidian. It is therefore not unlikely that the unknown ancient non-Iranian languges in the south of Iran from Elam to India may have included Dravidian speakers........"(57)

دراوڑوں کا باہر سے ہندوپاک میں آنا یا ہندوپاک سے باہر جانا‘ مفروضات پر آگے بحث کریں گے۔ ماہرین آثار قدیمہ اور ماہرین لسانیات یہ بات کہتے ہیں کہ براہوئی زبان یا براہوئی‘ آریاؤں سے پہلے کے یہاں کے قدیم باشندے ہیں اور اب تک مسلسل پانچ ہزار سے یہاں پر بودو باش رکھتے چلے آرہے ہیں: رچرڈ نیلسن لکھتے ہیں:

"Proto-Brahuis may have been the dominant people in Baluchistan and even Sindh when the Aryan expanded. Whether they were the inhabitants of Mohen-jo-Daro and carries of the Indus civilization, probably destroyed by the Vedic invaders of India....."(58)

پیٹر آسٹن لکھتے ہیں:

"Brahui and the other northern Dravidian languages are thought to be remnant of an extensive pre-Aryan Dravidian presence in the north,...... According to........ theory,

"people of the Indus valley civilization [C.3000 BCE, just east of the present day Brahui speaking area] were Dravidian speakers."(59)

بلوم فیلڈ رقمطراز ہیں کہ:

"Brahui...... is spoken, far off from the rest, in the mountains of Balochistan; it seems to be a relic of a time when Dravidian accupied a much wider territory, before the invasion of Indo-Aryan and Iranian speech........"(60)

لیکن ان سب سے ہٹ کر جی بلاخ کے کہنے کے مطابق دراوڑ جنوبی ہندوستان سے آندھرا پردیش، مہاراشٹر اور گجرات کے راستے سندھ و بلوچستان میں وارد ہوئے۔(٦١)

مائیکل دنینو، جیولز بلاخ کے براہوئیوں کی اسلامی دور میں نقل مکانی کے بارے میں لکھتا ہے:

"In the 1920s, French lingust Jules Bloch demonstrated, through an analysis of the Brahui vocabulary, that the language reached Baluchistan recently, perhaps at the time of the Islamic invasions and probably from central India."(62)

ہنس ہاک، جیولز بلاخ کے مفروضہ کے بارے میں رقمطراز ہے کہ:

"Bloch (1911, see also 1925, 1929) was the first to suggest that Brahui may have migrated to the area from farther south......"(63)

باربرا اے ویسٹ، جیولز بلاخ کی براہوئیوں کی نقل مکانی کا راستہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"The Brahui are relatively new migrants in the northern through Gujrat and Sindh until they settled in the Kalat highlands of Baluchistan......."(64)

براہوئیوں کی ہندوستان سے بلوچستان میں آمد کا نقشہ

راپس (٦٥) مارگسٹائن (٦٦) ایم بی ایمینیو اور ہاک بھی اسی نکتہ نظر کے قائل ہیں۔ ایڈون برائٹ لکھتے ہیں کہ:

"Emeneau like Bloch, Hock finds the suggestion that Brahui could have emigrated from the South to the North to be perfectly possible............"(67)

ان سب سے ہٹ کر جوزف الفبائن نے جیولز بلاخ کے اس مفروضے کو مختلف جہتوں سے جائزہ لے کر اسے سنوار سدھار کر اس کو نقل کیا۔ جیسا کہ مائیکل دنینو لکھتے ہیں:

"Finally, the linguist and mathematician Josef Elfenbein confirmed it using a different approach............(68)

جوزف البائن نے اپنی ساری زندگی کی تحقیق میں صرف براہوئیوں کو نسلی اور لسانی طور پر ہند آریا بالخصوص ''بلوچ'' قرار دینے میں صرف کی جس میں انہوں نے غیر مستند دلائل اور غیر معقول تحقیق کا سہارا لے کر جذباتی اور سیاسی ذہن سے جو تحریریں پیش کی ہیں، ان کو آج دنیائے لسانیات کے ماہرین رد کر رہے ہیں۔ جوزف، جیولز بلاخ کے مفروضہ کو تسلیم کرتا ہے کہ براہوئی ہندوستان سے گجرات اور سندھ کے راستے بلوچستان میں آ کر بس گئے۔ وہ اپنے مفروضہ کو مستحکم کرنے کے لیے ایم ایس آندرونوف، ایم بی ایمینسو اور دوسروں کو رد کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"No one now taes seriously J. Bloch' theory of a possible Brahui migratian northwards from Andhra pardesh across Maharashtra' Gujrat' Sind and the Indus river:both his chronology and geography pose insurmountable problems............"(69)

جوزف الفبائن ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"Traditionally, it has been held that the Brahui have lived in the highlands of Kalat since prehistoric times, having split off from other Dravidian before their arrival in India, but I have proposed a revision of this notion

to one of a realtively late immigration from India, about the 9th century. According to this theroy, they met and became mixed with the Baloch in their present habital about a thousand years ago, and the previasive influence of Baloch on Brahui dates from about this time............"(70)

اگر بقول جوزف الفبائن کے کہ براہوئی ۹؍۱۰ صدی عیسوی میں آندھرا پردیش، مہاراشٹر سے گجرات، سندھ اور بلوچستان میں آئے تو یہاں کئی سوالات اور شک وشبہات پیدا ہوتے ہیں وہ یہ کہ:

١۔ براہوئی زبان پر آندھراپردیش کے چینچو (Chenchu) کدر (Kadar) مکا ڈورا (Muka-Dora) وڈر (Waddar)، یروکلا (Yerukula) اور مہاراشٹر کے ہولیا (Holiya) کاکاڈی (kakadi) کمر (Kamar) ماریا (Maria) زبانوں کے لسانیاتی اثرات اوراس کے بولنے والوں کے کلچری اثرات ناپید ہیں۔

٢۔ اگر براہوئیوں نے کچھ، کاٹھیاواڑ، گجرات اور لاڑ یعنی زیریں سندھ کے راستے سندھ وبلوچستان میں قدم رکھا تو وہاں کے زبانوں کے لسانیاتی اثرات اوران علاقوں میں براہوئیوں کا زیادہ تعداد میں بودوباش ضرور رکھتے۔ مگر یہ سب ناپید ہیں۔ اگر ان علاقوں میں کچھ براہوئیوں کی آبادیاں ملتی ہیں وہ بلوچستان سے گئے ہیں نہ کہ ہندوستان سے بلوچستان آئے ہیں۔

٣۔ براہوئیوں نے کس سیاسی، سماجی، مذہبی اور خانہ جنگی کی بناء پر آندھراپردیش اور مہاراشٹر سے نقل مکانی کی؟ اگر واقعی براہوئیوں نے ان علاقوں سے نقل مکانی کی ہے تو وہاں ضروران کی باقیات ہوں گے وہ کون ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ کس نام سے مشہور ہیں؟ اوراب ان کی زبان کس نام سے معروف ہیں؟ الفبائن نے کوئی ثبوت نہیں دیا ہے۔

٤۔ براہوئی جن علاقوں سے بلوچستان آئے وہ علاقے میدانی، آبی اور زرعی تھے مگر

براہوئیوں نے ان کے برعکس پہاڑی علاقوں میں کیوں بود باش اختیار کی؟ کیا وجہ ہے؟ آج بھی براہوئی زبان میں زرعی، آبی نام دراوڑی اور منڈاری ہیں۔

٥۔ اگر براہوئی، آندھرا پردیش اور مہاراشٹر سے آئے ہیں تو وہ ضرور اپنی لوک شاعری میں ان علاقوں کے شہروں اور علاقوں کے نام کو یاد کرتے مگر ایسا کچھ نہیں۔ براہوئی ان علاقوں کے نام تک نہیں جانتے۔ ان کے برعکس براہوئی لوک شاعری میں سندھ اور بلوچستان کے مختلف شہروں کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔ مثلاً

بندغ نا بازی کنے دیر ایتے
مزل کہ قاضی کنے دیر ایتے
سرو نا سیھڑ
کنے دیر ایتے
جاگہ نا میھڑ کنے دیر ایتے
کیوہ نے خرید کنے دیر ایتے
جاگہ نا فرید کنے دیر ایتے
مونو نا چنڑی کنے دیر ایتے
جاگہ نا تھرڑی کنے دیر ایتے

ترجمہ:
اے جم غفیر مجھے پانی پلا
منزل میری قاضی مجھے پانی پلا
بالائی سیھڑ (علاقہ)
مجھے پانی پلا
جگہ آپ کا میھڑ مجھے پانی پلا
آپ کولوں خرید مجھے پانی پلا
جگہ آپ کا فرید مجھے پانی پلا
ٹخنے کی سیڑھی مجھے پانی پلا
آپ کی جگہ تھرڑی مجھے پانی پلا

☆ کسر ہمو دے سکھر روہڑی
صحب نا راگ ءِ للت ٹوڑی

ترجمہ: راستہ وہی ہے سکھر روہڑی
صبح کا راگ ہے للت ٹوڑی

☆ داکان ہنار اوار سندھ آ
سر مسر لاڑکانہ نا جند آ(۷۱)

ترجمہ: یہاں سے ساتھ سندھ گئے
سیدھے لاڑکانہ پہنچ گئے

☆ ہُلی ئے سنج کرین سندھ کے
اُست کہ دیر نا جند کے

ترجمہ: گھوڑوں کو تیار کیا سندھ کے لیے
میں بہت پریشان ہوں آپ کے لیے

☆درک نی سلامے سنگت نا کہ جند آ
الے دا مش تے پُھل ہمپن کان سندھ آ

ترجمہ: لے جا سلام میرے دوست کے پاس
چلے سندھ چھوڑ کر کوہسار

☆ایلم کنا ارے پارو
سندھ آ کاوہ کسرک چارو

ترجمہ: میرا بھائی ہیں پارو
سندھ جاؤں گا راہ ہیں چار

☆مہرک اریر ننا زند نا
خواپک او بھاڑو سندھ نا

ترجمہ: محبتیں ہیں ہماری زندگی کے
وہ سندھ کا کرایہ نہیں مانگتے

☆غلہ نا پلی نارو ڈورو
سندھ سخی ءِ چاچڑ مورو(۷۲)

ترجمہ: گندم کی بوری نارو ڈورو
سندھ سخی ہے چاچڑ و مورو

۶۔ اگر براہوئی بلوچستان میں ۹ یا ۱۰ ویں صدی عیسوی میں آئے تو اس وقت یہاں عربوں کی حکومت آخری سسکیاں لے رہی تھی۔ مقامی حکومتیں وجود میں آ رہی تھیں اور محمود غزنوی کی حکومت کا ابتدائی دور تھا۔ اس دور میں نہ صرف سندھ بلکہ بلوچستان میں براہوئیوں کے نقل مکانی کرنے کی داستان نہیں ملتی اور نہ ہی کسی حکومت یا لوگوں کا براہوئیوں کے خلاف مزاحمت کا ذکر ملتا ہے۔

۷۔ ''سرپرّہ'' جو براہوئی قوم کا ایک نامور قبیلہ ہے وہ یونانیوں کے دور میں سرپرائے کے نام سے موجود تھا۔ آج بھی یہ قبیلہ براہوئی زبان بولتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ یونانیوں کے دور میں بھی براہوئی بولتا تھا۔ اگر وہ اس وقت کوئی اور زبان بول رہا ہوتا تو آج کسی اور قوم کا حصہ ہوتا۔

۸۔ براہوئی قوم کے ساجدی اور ساتکزئی دو ایسے قبیلے ہیں جو نسلاً ستھین یا ساک ہیں جو پہلی صدی عیسوی کے دوران بلوچستان اور سندھ میں وارد ہوئے اور ۵ صدی عیسوی تک یہاں حکومت کی۔ رفتہ رفتہ کمزور ہو کر براہوئیوں میں ضم ہوئے۔ چونکہ پہلی قبل مسیح سے ۵ صدی عیسوی تک کے دور میں بلوچستان میں براہوئیوں کی اکثریت تھی۔ اس لیے یہ دونوں قبیلے اقلیت میں ہونے کی بناء پر براہوئی قوم میں ضم ہو کر براہوئی بن گئے۔

۹۔ براہوئی قوم کے ماما شاہی (محمد شہی) قبیلہ کے خدرانی طائفہ میں ایک ذیلی طائفہ ''سیوازئی'' کے نام سے مشہور ہے جو رائے خاندان کی طرف سے قلات اور خضدار کے علاقوں کے گورنر تھے۔ جن کا لقب ''سیوا'' تھا۔ ان کی حکومت چچ برہمن کے ہاتھوں ختم ہوئی۔ انہوں نے چچ برہمن کے سیاسی ظلم و جبر سے بچنے کے لیے براہوئی قوم کے محمد شہی قبیلے میں شامل ہوئے جسے براہوئی میں ''ہڈ پرغنگ'' کہتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت براہوئی قوم کے مختلف قبیلے اپنے سیاسی اور قبائلی طاقت کی وجہ سے بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ ان

سیواؤں نے براہوئیوں میں ضم ہونے کو اپنی عافیت سمجھی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ براہوئی پانچویں صدی عیسوی میں بلوچستان میں بڑی سیاسی طاقت کے ساتھ موجود تھے۔

۱۰۔ سکندر اعظم جب براہوئی علاقہ (مولہ خضدار رلس بیلہ) سے گذرا تو ان پر فتح حاصل کر کے کئی لوگوں کو قیدی بنالیا اور کچھ کو اپنی فوج میں بطور سپاہی، مخبر اور ترجمان رکھا۔ ان میں سے ایک براہوئی جو سکندر کی فوج میں سپاہی شامل تھا نے ایک کتبہ کندہ کرایا۔ جس پر یہ تحریر لکھی تھی:

''براہوئی مَش ئنا سپاہی سکندرنا''

ترجمہ: براہوئی پہاڑوں کا سپاہی سکندر کا۔(۷۳)

اس کتبہ کے تحریر سے حسب ذیل نتائج سامنے آتے ہیں

الف: سکندر کے دور میں ''براہوئی'' لفظ مستعمل تھا۔

ب: سکندر کے دور میں براہوئی لکھی اور پڑھی جاتی تھی۔

ج: سکندر کے فوج میں براہوئی شامل تھے۔

د: براہوئی زبان پر فارسی کے اثرات تھے۔ کتبہ میں ''سپاہی'' لفظ استعمال کیا گیا جو فارسی ہے۔

۱۱۔ کرخ زبان بولنے والے اُراؤن جو چھوٹا ناگپور، جنوبی اور وسطی بہار کے رانچی، پلمان، پرینا، سنگھ بھوم، اوڑیسہ کے سندر گڑھ، مدھیہ پردیش کے رائے گڑھ، سرگوجا اور آسام کے کچھ ضلعوں میں رہتے ہیں۔ ان کے قومی اور لوک روایات میں ہے کہ وہ بلوچستان سے ہندوستان گئے ہیں۔ جیسے کہ فرڈھان لکھتے ہیں:

"According to their tradition the Oraos came to India from the west, probably via Baluchistan, wehre Brahui is spoken..."(74)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرخ بھی بلوچستان سے ہندوستان گئے۔

۱۲۔ ڈاکٹر کے ایم مترے (Dr. K.M. Mitry) جو کناڈا یونیورسٹی میں سوشل سائنس ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ، ڈین اور گونڈی زبان کے نامور ماہر لسانیات ہیں۔ ڈاکٹر موتی راون (Dr.

Motiravan Kangali) جو گونڈی کلچر اور زبان کے ماہر لسانیات ہیں۔ پرکاش سلیمی (Parkash Salame) جو گونڈی زبان کے ماہر اور متذکرہ عالموں کا علمی وتحقیقی معاون ہے۔ گونڈی زبان کے ان ماہرین کی ٹیم نے واضح طور پر کہا ہے کہ گونڈی لوگ انڈس سولائیزیشن یعنی براہوئستان (جدید بلوچستان) سے ہندوستان گئے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ The Daily Hindu اخبار کے عادل آباد (حیدر آباد دکھن) کے نمائندہ ہرپل سنگھ (Harpal Singh) کو انٹرویو دیتے ہوئے کہی۔ رپورٹ کا متن یہ ہے:

"(S. Harpal Sing- Adil Abad)

"**Gonds May have migrated from Indus Valley**"

"On the goddess kotamma temple woollen markot way there is a rocky roof shelter for shepherds and sheep to stay at night up to morning." This innocuous sounding statement could actually be revolutionary find linking the adivasi Gond tribe to the Indus Civilization, which flourished between 2500 B.C. and 1750 B.C.

The sentence emerged after a set of 19 pictographic from a cave in Hampi were deciphered using root morphemes of Gondi language, considered by many eminent linguists as a Proto-Dravidian langauge. Eleven of the Hampi pictographs resemble those of the civilisation, according to Dr. K.M. Metry, Head and Dean, Social Sciences, Kannada University, Hampi; Dr. Motiravan Kangali, a linguist and expert in Gondi language and culture from Nagpur, Maharashtra; and his associate Parkesh Salame, also an expert in Gondi.

There were in utnoor to participate in the 4th National workshop on standardisation of Gondi dictionary when they spoke tothe

Hindu about their study of the pictographs. Though the 'discovery' is yet to be authenticated, Dr. Metry and his associates are very apimistic about their work.

"Instead of looking at the painting from an archaeological or purely linguistic point of view, we took the cultural way to decipher the pictographs. Gondi culture being totemic, has a lot of such symbols also associated with Ghotul Schools".Said Dr. Metry.

"Gondi is a Proto-Dravidian langauge and gives enough scope fro studying the pictographs though its root morphemes" observed Dr. Kangali "Application of the root morphems helped us in deciphering the 19 pictographs", he added if the discovery stands the scrutiny of experts in the field,it would mean that the Ghonds living in central and southern India could have migrated from the Indus valley civilisation. "Meanwhile, we will continue with our work applying it ot other paintings in the Hampi area to establish a Gondi-Harappan link", the professor Said....."(75)

۱۳۔ جیمس رپسن براہوئیوں کی ہندوستان سے باہر نقل مکانی کو رد کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ براہوئی ہندوستان گئے۔ ہندوستان سے سندھ نہیں گئے۔

"The large Island of Dravidian speech in the mountainous region of distant Baluchistan which lie near the western routes into India. Is Brahui a surviving trace of the immigration of Dravidian- speaking people into India from the west? Or does it mark the limits of an overflow from India into Baluchistan? Both theories have been held; but, as all the great movement's of people have been into India and not out of India........."(76)

۱۴۔ ڈیوڈ میک الپن، براہوئیوں کو ہندوستان سے آنے والے نہیں بلکہ انہیں یہاں پر ہزاروں برس سے بودوباش رکھنے والے قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ:

"David McAlpin has given the linguistic data that argues for an ancient date, for Brahui in Pakistan.

David McAlpin has shown that Brahui's are in their current location for millennia, and that first to branch off from proto-Dravidian.......[.77)

۱۵۔ زون احمد خان واضح طور پر براہوئیوں کو مہر گڑھ سے موجودہ دور تک مسلسل یہاں رہنے والے باسی قرار دیتا ہے:

"Archaeological evidence has revealed presence of Brahuis as far back as 6000 B.C.E. Brahuis, the Dravidian stock, lived during the Mehrgarh civilization around 6000 B.C. Their descendants cantinue to live in the region and have a dialect distinct from any other in the expanse."(78)

۱۶۔ کرشنا مورتی واضع الفاظ میں جوزف الفبائن کے نقل کردہ مفروضہ کو رد کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"Elfenbein say that Brahui is emigrant to their present habital 1000 years ago...... but he dose not give lingustic arguments."(79)

۱۷۔ آسکو پر پولا، جوزف البائن اور جیولز بلاخ کے مفروضہ کو لسانیاتی شواہد اور قدیم تاریخی ثبوتوں اور دلائل کی روشنی میں رد کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ:۔

"I disagree with Elfenbein' however' about the location of the North Dravidian hameland. In my opinion it was in Baluchistan rather than in'central west India' which means that the Prot-.Brahui speakers were already in Baluchistan when the Baluch came'rather than vice versa.

Baluchistan was hardly uninhabited when

the Baluch arrived there' as there is a archaeological evidence of more or less continuous occupation from the seventh millennium BC. All this time nomadic people have migrated seasonally between highlands and lowlands'spending the hot summers in the coolness of the hills and the cold winters in the mildness of the plains......
Many groups extended their winter wandering to Gujarat and Rajasthan. It is easy to imagine that the Kurukh and Malto represent one such nomadic tribe which continued its migration to the hills of central and eastern lndia when once its way back to Baluchistan had become blocked. It is more difficult to imagine that people of the plains forced their way into the rugged mountains of Baluchistan' especially if those mountains were already occupied by such hardy tribes as the Baluch.And would the Baluch have accepted such plains people into their fold' respecting them as much as or even more than themselves?
If the Brahuis were not the indigenous inhabitants of Baluchistan' who were? Certainly not the Baluch, who came from northern lran in the tenth century A.D or later.
The conclusion that the Brahui and Kuruk, Malto repersent removents of the languages spoken by the descendants of the Early Harappan populaition of Baluchistan is supperted by the evidence of old Indo-Aryan......"(80)

۱۸۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جوزف الفبائن ''براہوئی زبان پر بلوچی اثرات اور براہوئی قبائل کو بلوچ یا غیر براہوئی قرار دینے کے موضوعات پر کیوں لکھتا ہے؟ اس کے برعکس براہوئی کا

دوسرے ہند یورپی اور دراوڑی مماثلت اور براہوئی کا بلوچی زبان پر لسانیاتی اثرات اور بلوچ قبائل کی نسلی اصلیت کے متعلق کیوں نہیں لکھتا؟۔

دراصل جوزف الفبائن کو ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۵ء کے درمیان بلوچستان یونیورسٹی میں شعبہ شماریات کے چیئرمین رہے۔ اپنے متعلقہ شعبے کو یکسر نظر انداز کر کے انھوں نے براہوئی مخالف عناصر سے مل کر قومی، سیاسی، لسانیاتی، ادبی اور تاریخی حوالے سے براہوئی کو بلوچ بنانے کے لیے کام کیا۔ ان کے متعلق ایک بلوچ سیاسی کارکن، بلوچی ادب میں کام کرنے سے متعلق پردہ اٹھاتا ہے کہ:

''اُسی کی دہائی میں ڈاکٹر الفنبائن جو کچھ عرصہ بلوچستان یونیورسٹی کے استاد بھی تھے انہوں نے بلوچی افسانوں کے انگریزی تر جمے کئے تھے تو انہیں عوامی طور پر خاص کر ہمارے افسانوں میں جو انیس سوستر میں بلوچوں پر فوج کشی، جبر تشدد اور ذلت آمیز رویوں کے پس منظر میں لکھے گئے تھے (پروش ءِ سوب، بوئے بوئے آدمی، کپ ءِ پل) اپنوں نے تعارف میں اس تلخی اور غصہ کی طرف واضع اشارہ کیا تھا۔'' (۸۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوزف الفبائن یا جیولز بلاخ کا براہوئیوں ۹ یا ۱۰ ویں صدی میں ہندوستان سے بلوچستان آنے کا مفروضہ صحیح نہیں ہے۔

لیکن دراوڑ اور براہوئیوں کا ہندوپاک میں قدم رکھنا یا باہر جانے کے متعلق یہ دو متضاد رائے رکھنے والے ماہرین لسانیات اور ڈریویڈالاجسٹوں کے برعکس تیسرا گروہ ان ہر دو مکتبہ فکر کی رائے کو تسلیم نہیں کرتا۔ ان کے کہنے کے مطابق دراوڑ باہر سے نہیں آئے بلکہ یہیں کے مقامی تھے اور دو ہزار قبل مسیح میں ان کا عروج تھا اور سارے ہندوستان میں ہر جگہ موجود تھے۔ اس تیسرے گروہ میں ایس وی فرنکٹ سرفہرست ہیں۔ وہ رقمطراز ہے کہ:

''دراوڑ قبائل قطعاً باہر سے سمندر کے راستے یا درہ خیبر کے راہ سے اس ملک میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ یہ لوگ اصلاً یہیں کے باشندے تھے...... یہ لوگ ہندوستان بھر میں آباد دراوڑ سمندر پار کے ملکوں کے مابین تجارتی تعلقات قائم کیے ہوئے تھے۔ یہ بروہی (جو دراوڑوں کے ہم نسل تھے) اپنی قوم (دراوڑ) کی

طرف سے ساحل سمندر پر اس لیے رہتے تھے کہ ان کی تجارت کی نگرانی کریں......''(۸۲)

آ ثار قدیمہ کے بہت سے ماہرین بھی اس بات سے متفق ہیں کہ سندھ کی تہذیب (بشمول بلوچستان) کو باہر کی تہذیب یا لوگوں نے عروج پر نہیں پہنچایا بلکہ وہ یہاں کے اصل مقامی لوگوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر رفیق مغل کہتا ہے کہ:

"It does suggest that the Indus civilization was an indiginous development that arose out of the evolution of developed village culture in a favourable environment. It emphasize the Sub- Continental roots and the consequent style a which gives the civilization its uniqueness......."(83)

رفیق صاحب ایک اور جگہ کہتا ہے کہ:

"I disproved with actual evidence that Indus civilization came from other areas of the world, like Mesopotamia or Iran. I proved that it was as indigenous growth and originated with Indus valley, developed and declined here......"(84)

مارک کنائر بھی سندھ و بلوچستان کی قدیم بستیوں' شہروں کو باہر کے لوگوں کے ہاتھوں بنانے کی رائے کو مسترد کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ:

"Indigenous people and not the outsiders built the cities of the Indus Valley Civilization, because there is no evidence that any people came from out side the area of to settle here"(85)

روس کا نامور ماہر بشریات یوری گنکوفسکی لکھتا ہے کہ:

''آ ثار قدیمہ کے شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ سندھ کی تہذیب اپنی ہی سرزمین پر پروان چڑھی اور وہ برصغیر کے شمال مغربی علاقے میں اصل زرعی ثقافتوں کے ترقی پسند تاریخی ارتقاء کا نتیجہ تھی۔''(۸۶)

جین فرینکوئس جرج (Jean Francois Jarriage) جنھوں نے ''مہر گڑھ'' کی کھدائی اور اس تہذیب پر تحقیق کے حوالے سے اہم کام سرانجام دیا وہ بھی مہر گڑھ کو مقامی الاصل قرار دے کر ان کا ایران اور وسط ایشیاء سے مقابلہ کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''یہاں (مہر گڑھ) سے دستیاب شواہد کی رو سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ بلوچستان کے اولین آبادی کے لوگوں کا سندھ کی تہذیب' ایران اور وسط ایشیاء کے لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم تھے۔ کھدایوں اور تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بلوچستان کی آبادیوں کے بنانے کی ساخت مقامی ہے۔ ان کے اس ہنر اور کاریگری کا ایران اور وسط ایشیاء کے چیزوں سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔''(۸۷)

ماہرین بشریات اور آ ثار قدیمہ کے تحقیقات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سندھ اور بلوچستان کی تہذیب باہر سے نہیں آئی بلکہ وہ یہاں کے مقامی لوگوں کی اپنی کوششوں سے پیدا ہوئی اور پروان چڑھی ہے۔

جدید تحقیقات کے حوالے سے براہوئیوں کے نسلی اور لسانی بنیاد کے سلسلے میں آ ثار و شواہد وسط حجری دور میں ملتے ہیں۔ نچلے قدیم حجری عہد سے بلند قدیم حجری دور تک عبور نے انسانیت کے ارتقاء میں اہم ترین دور کی ابتداء ہوئی۔ اس دور میں حیاتی نوع کی حیثیت سے انسان کی تشکیل ہوچکی تھی۔ بلند قدیم حجری عہد کئی ہزار برسوں تک جاری رہا۔ اس دور میں بنیادی یوریشیائی یا منگولیائی نسلی شمال مشرقی میں وجود میں آئی' جبکہ برصغیر ہندوپاک کی آبادی کے قدیم ترین باشندوں کی بنیادی نسل' خط استوائی یا نیگرو آسٹریلیائی (جن کو نیگرائڈ اور پروٹو آسٹرلائڈ کہا جاتا ہے) سے تعلق رکھتی ہے۔ اس نسل کا ارتقاء افریقی اور ایشیائی براعظموں کے وسیع وعریض خط استواء کے منطقے میں ہوا تھا۔(۸۸) بلند قدیم حجری دور کے بعد وسطی حجری دور شروع ہوا۔ جو پندرہ ہزار قبل مسیح سے چھ ہزار قبل مسیح تک چلا۔ گورڈن چائلڈ بھی اس دور کو دس ہزار سے چھ ہزار سال قبل مسیح تک قرار دیتا ہے۔ اے ایل باشم بھی اسی رائے کے ہیں۔(۸۹) مہر گڑھ کے iA, iiA اور iB کے دور قدیم وسطی حجری دور سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ بہت سے قلم کار غلطی سے ان ادوار کو جدید حجری دور میں شمار کرتے ہیں۔ جب کہ جین فرینکوئس جیرج نے خود ان کو آٹھ تا سات ہزار قبل مسیح کا قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''مہر گڑھ کے قدیم ٹیلے کی کھدائی اور تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی کہ......

کسی بھی طرح سات ہزار ق۔م سے کم نہیں...... تجربہ سے پتہ چلا کہ ایک دور سے وابستہ دو سطحوں کا نتیجہ بالکل مختلف آیا جو 9385+290-B=7400 ق۔م اور 3500=B P.180+55530 ق۔م نکلا...... کہا جاسکتا ہے کہ...... یہ ٹیلا سات ہزار قبل مسیح سے بھی کم نہیں...... اس کے علاوہ ریڈیو کاربن کے شواہد اور مشرق قریب کے زراعتی سماج سے وابستہ سطحوں اور آبادیوں کے تقابلی مطالعہ اور سطح زمین کی شکل وصورت اور ساخت کے مطالعے کے بعد ایک اندازہ کے مطابق یہ آبادی اور سطح آٹھ ہزار ق۔م سے تعلق رکھتی ہے......''(۹۰)

مہر گڑھ کے ان ادوار سے وابستہ انسان یا نسل نیگرائڈ اور پروٹو آسٹرلائڈ تھے جو بنیادی طور پر شکاری تھے اور جن کا گذر بسر شکار پر تھا۔ جان اسٹیوٹ بومین لکھتے ہیں:

"12,000- 5,000 B.C During this period, most people in South Asia continue to obtain nourishment by hunting, fishing, and food gathering......"(91)

جین جیرج بھی مہر گڑھ کے ان ادوار سے تعلق رکھنے والے انسانوں کو بنیادی شکاری قرار دیتا ہے۔ وہ تحریر کرتا ہے کہ:

''امکان یہ ہے کہ قدیم حجری (وسطی حجری) دور سے تعلق رکھنے والے نسل شکاری (Hunters) اور اکٹھا کرنے والے (Gathers) قبیلوں نے اس جگہ کو اشیاء خورد نوش کو فطری وسائل سے مالا مال دیکھا اور موسم موافق ہونے کی وجہ سے ہجرت کرکے یہاں آئے ہوں گے......''(۹۲)

اس دور میں یوریشیائی لوگ یعنی بحیرہ رومی (جو اب جدید تحقیقات کے مطابق کاکیشائی نسل کا تیسرا بڑا گروہ ہے) نسل کے لوگ پروٹو آسٹرلائیڈ نسلی گروہوں کے علاقے میں پہنچے جن کے اتصال اور امتزاج سے وسطی حجری دور کے اواخر میں ایک دراوڑی نسلی گروہ نے جنم لیا۔ (۹۳) جیسا کہ اے ایل باشم رقمطراز ہے کہ:

''ہڑپا کے لوگوں میں ابتدائی آسٹریلیائی عنصر تھا جو کہ سارے ہندوستان میں

پھیلا ہوا تھا اور بس اس پر بحیرہ رومی کا عنصر حاوی ہوگیا یہ عنصر ہندوستان میں بہت پہلے (قدیم وسطی حجری دور کے طرف اشارہ ہے) داخل ہوا اور اپنے ساتھ اپنی تہذیب کے عناصر لایا پھر متعدد حملوں کے دباؤ سے یہ بحیرہ رومی عنصر سارے ہندوستان پر غالب ہوگیا۔ ازاں بعد یہاں کے اصلی باشندوں سے مل جل کر اس نے دراوڑوں کی تشکیل کی''(۹۴)

پروفیسر رنگ آچاریہ بھی قدیم وسطی حجری دور میں نیگرائڈ اور پروٹو آسٹرلائڈ کے اتصال سے دراوڑ نسل کے پیدا ہونے کو تسلیم کرتا ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ:

''قدیم حجری دور میں یہاں کے پہلے آبادکار لمبے سروں والی نسل افریقہ کے نیگرو اور آسٹریلیا کے لوگوں سے مشابہہ ہیں۔ یہ بات ممکن ہے کہ ان قبائل کے اختلاط نے ان دراوڑوں کو جنم دیا جن کی اولاد اب بھی ہندوستان کے پہاڑوں اور میدانوں میں رہتی ہے۔ اپنے چھوٹے قدوں، تنگ پیشانیوں، چوڑے چپوں، چپٹی ناکوں اور سیاہ (سانولے) رنگتوں کے سبب یہ اب بھی نیگرو نسل سے مشابہہ نظر آتی ہے اور سیلوں کے ویدوں ملایا کے ساکوں اور آسٹریلیا کے قدم باشندوں سے ان کا اشتباہ ان کے آسٹریلون ہونے پر دال ہے۔''(۹۵)

ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"Dravidian are Indian born race. Dravidians, origin is Proto-Austroid and Proto-Negroid...."(96)

روس کے نامور ماہر بشریات یوری گنکوفسکی بھی یہی بات کہتے ہیں کہ:

''وسطی حجری دور میں یوریشیائی لوگ جو شمال مغرب سے آئی ہوئی بنیادی نسل سے تعلق رکھتی تھی تیزی سے نیگرو آسٹریلیائی گروہوں کے علاقے میں داخل ہوئی۔ ان دونوں کے اتصال سے وسطی حجری عہد کے آخر میں برصغیر ہندو پاکستان کی سرزمین پر انسانیاتی قسم کے دراوڑ گروہ نے جنم لیا۔ جس کا جنوبی یوریشیائی (یا ہندرومی......) کی اقلیتی نسل سے تعلق تھا......''(۹۷)

ایک اور مؤرخ بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ:

''دوسرے لفظوں میں وادی سندھ کے دراوڑ، قدیم مقامی الاصل حجری انسان رومی نسل اور پروٹو آسٹرلائیڈ نسل کے امتزاج کا نتیجہ ہے۔اس کثیر الماخذ نسل کے کچھ عناصر ترکیبی مغربی ایشیا سے لے کر نہیں آئے تھے یہ تہذیب قدیم حجری ثقافت کے قدرتی اندرونی اتصال سے وجود میں آئی تھی.....''(۹۸)

گرفتھ ایلیٹ اور سمتھ، گلبرٹ سیلٹر اور ویلز یونیورسٹی کالج میں ماہر بشریات ڈاکٹر ایچ جے فلیور بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔خاطر غزنوی ان کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

''قدیم زمانے میں پاکستان میں آنے والی نسلیں مشرقی افریقہ سے تعلق رکھتی تھیں۔اس سرزمین میں آباد ہونے کے بعد یہاں کے اصل باشندوں سے ان کا نسلی اختلاط شروع ہوا۔ان نئی ثقافتوں کے حاملوں اور یہاں کے باشندوں (پروٹو آسٹرلائڈ) میں جب خونی آمیزش شروع ہوئی تو اس کے نتیجے کے طور پر جو قوم پیدا ہوئی وہ ''دراوڑ'' کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔چنانچہ دراوڑی کو مغرب (افریقی اور پروٹو آسٹرلائڈ) اور قدیم پاکستان کی ایک مخلوط نسل قرار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ اختلاط ثقافت سنگ (Stone age) کے زمانے سے صدیوں قبل (قدیم ہجری دور کے قدیم کے وسطی ہجری عہد کی طرف اشارہ ہے) ہوا۔

گلبرٹ سیلٹر بھی اس رائے کا مؤید ہے۔اس آخرالذکر کو مصنف کی تصنیف ''ہندوستان ثقافت میں دراوڑی عنصر'' کے حواشی میں ویلز یونیورسٹی کے علم الانسان کے پروفیسر ڈاکٹر ایچ جے فلیور کا بیان ہے کہ آریاؤں کے برصغیر میں آمد سے کم از کم ایک ہزار سال قبل جو ثقافتی اثرات یہاں پہنچے۔انھوں نے یہاں قدیم زمانے سے آباد باشندوں سے مل کر دراوڑی ثقافت کا وادی سندھ کی تہذیب کی بنیاد رکھی...... ''(۹۹)

قدیم وسطی حجری عہد کے دراوڑی نسلیاتی گروہ کا موجودہ ہندوستان کے دراوڑوں کے ساتھ کوئی نسلیاتی اور لسانی تعلق نہیں ہے جیسا کہ گنکوفسکی لکھتا ہے کہ:

''اس (دراوڑی نسلی گروہ) کا جنوبی ہندوستان کے موجودہ دراوڑی گروہ سے تعلق نہیں ہے.....''(۱۰۰)

ایک اور مؤرخ بھی گنکوفسکی کی تائید کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ:

''ارض پاکستان کے قدیم دراوڑ اگر انھیں دراوڑ کہنا ضروری ہے تو ان کا کوئی قریبی تعلق جنوبی بھارت کے موجودہ دراوڑوں سے نہیں ہے.....''(۱۰۱)

کیونکہ موجودہ جنوبی بھارت میں موجودہ دراوڑی نسلی گروہ اس وقت نہیں تھا بلکہ اس وقت سارے ہندوستان کے باہر کے حصے میں پروٹو نیگرو آسٹریلیائی نسلی گروہ سے پیدا شدہ دراوڑی نسلی گروہ پھیلا ہوا تھا جبکہ اندرونی تہذیبی مراکز میں نیگرو آسٹریلیائی اتصال کا عمل سست رہا اور وہاں صرف نیگرو آسٹریلیائی نسل ہی غالب تھا۔یہ پہلا اور نیا دراوڑی نسلی گروہ جسے ماہرین بشریات نے ''دراوڑی نسلی گروہ'' کا نام دیا ہے۔ہم انھیں ''قدیم ترین وڑا کوئی'' یعنی قدیم ترین ''براہوئی'' کا نام دیتے ہیں اور جو موجودہ براہوئیوں کے آباؤاجداد تھے۔

مہر گڑھ کا پہلا iA،iiA دور جو قدیم وسطی حجری عہد سے وابستہ تھا اور آٹھ تا سات ہزار قبل مسیح پرانا ہے، سے اور دوسرے متعدد مقامات سے جو انسانی ڈھانچے اور مجسمے ملے ہیں ان کی سندھ کی تہذیب کے جدید حجری دور کے مجسموں سے بہت مشابہت ہے ان کا رنگ سیاہ اور ہونٹ موٹے آنکھیں باہر کو اُبلی ہوئی ہیں۔یہ سب پروٹو آسٹرلائیڈ نسلی مجسمے ہیں۔بلوچستان کے مکران علاقہ کا قدیم نام ''گدروشیا'' کے معنی کالے لوگوں کا وطن ہے۔لیکن سندھ کے پروہت کا مجسمہ ایک علیحدہ نسل کی نشاندہی کرتا ہے۔جس میں پروٹو آسٹرلائیڈ نسل اس علاقے میں پہلے موجود رومی اور مقامی قدیم حجری نسل کے ساتھ مدغم ہو چکی تھی۔(۱۰۲)

اس کے بعد جدید حجری دور شروع ہوا جو چھ ہزار قبل مسیح سے تین ہزار قبل مسیح تک محیط ہے۔اس دور میں بلوچستان سے لے کر بنگال تک برصغیر کا تقریباً تمام شمالی علاقہ لوگوں سے آباد تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آبادی بڑھی اور گذر سفر کے لیے نقل مکانی ناگزیر ہوگئی اور تہذیب میں اہم تبدیلیاں اور ترقی رونما ہوئی۔اس لیے جدید حجری دور میں نسلی آبادی غیر متوازن رہی۔اس میں زیادہ تر جنوبی یوریشیائی (یا ہندورومی) اقلیتی نسل سے تعلق رکھنے والی نسلی قسمیں (قدیم ترین دراوڑی گروہ) موجود تھیں کچھ انسانیاتی قسم کی خصوصیات دجلہ وفرات اور جنوب مغربی کی قدیم آبادی کی خصوصیات بھی مشترک

تھیں۔ یہ بھی یقینی ہے کہ اصل آسٹریلیائی (نیگرو آسٹریلیائی) اور قدیم ترین وڑاکوئی یعنی قدیم ترین براہوئی، ایران، افغانستان اور وسطی ایشیاء کی ریاستوں تک نقل مکانی کی وجہ سے وہاں آباد ہوئیں۔ اس لسانی گروہ کے کچھ گروہ چار ہزار قبل مسیح سے دو ہزار قبل مسیح تک جنوبی ترکمانیہ اور بحیرہ آرال کے جنوبی علاقوں اور ایلام تک پھیلے ہوئے تھے۔ ایران میں کوچ اور کوج کا ذکر ملتا ہے وہ وڑاکوئی نسلی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ تین ہزار سے دو ہزار قبل مسیح تک ایک نئے بحیرہ رومی نسلی گروہ نے نقل مکانی کر کے ہندو پاک میں قدم رکھا۔ جنھیں بہت سے ماہرین بشریات اور لسانیات ''دراوڑ'' قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ گنکوفسکی تحریر کرتا ہے کہ:

دراوڑی ۲۹۰۰ سال ق۔م شمال مغربی دورں بولان اور خیبر سے برصغیر پہنچے......''(۱۰۳)

کچھ ماہرین نے انہیں بحیرہ روم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سید محی الدین قادری رقمطراز ہے کہ:

''وہ بحیرہ رومی کے قرب وجوار کی نسل سے تعلق رکھتے تھے......''(۱۰۴)

اس نئے بحیرہ رومی نسل کے آنے سے یہاں موجود قدیم ترین دراوڑی یا قدیم ترین وڑاکوئی نسل کے ساتھ ایک نیا نسلی اور لسانی اور تہذیبی میلاپ ہوا اور اتصال کے نتیجے میں ایک نیا نسلی اور لسانی دراوڑی گروہ پیدا ہوا۔ یہ قدیم ترین دراوڑوں کی دوسری نسلی اور لسانی تبدیلی تھی۔ جنھیں اب ہم صرف قدیم وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی کے نام سے تحریر کریں گے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو پہلے قدیم ترین وڑاکوئی اور بحیرہ رومی کے اتصال سے قدیم وڑاکوئی کے روپ میں ظاہر ہوئے۔ جو جدید حجری دور کی عظیم الشان تہذیب کے مالک بن گئے۔ موہن جو دڑو، ہڑپہ اور اس جیسے ہم عصر تہذیبوں کے مالک یہی ہیں اور آگے بنگال، ہندوستان اور دوسرے علاقوں تک انہی لوگوں نے اپنی عظیم تہذیب استوار کی۔ یہ دور سارے ہندوستان میں وڑاکوئیوں یعنی براہوئیوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ ڈاکٹر آسکو پار پولا واضح طور پر قدیم وسطی حجری عہد اور جدید حجری دور میں دو باقاعدہ اور علیحدہ دراوڑی زبانوں (نسلوں) کو ایک دوسرے سے پیدا شدہ ہونے کی بات کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''دوسری باتوں کے علاوہ میں یہاں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ سندھ تہذیب میں جو زبان مروج تھی وہ قدیم شمالی دراوڑی (جدید حجری دور کے دراوڑی نسل یعنی

جدید وڑاکوئی (براہوئی) کے طرف اشارہ کرتا ہے) تھی جو قدیم سندھی ثقافت کے دراوڑی (قدیم وسطی حجری مہرگڑھ کے شروعاتی دور کے نسل اور زبان اور قدیم دراوڑی نسل (یعنی وڑاکوئی زبان اور نسل کے طرف اشارہ) نسل سے پیدا ہوئی............''(۱۰۵)

آسکو پار پولا کے کہنے کا مقصد واضح طور پر یہ ہے کہ سندھ میں جو دراوڑی زبان بولی جاتی تھی وہ شمالی تھی۔ براہوئی بولنے والے اور ان کی زبان بھی شمالی جغرافیائی حدود میں واقع ہیں۔ ارنسٹ ٹرمپ، براہوئی زبان کو سندھ کے شمال کی زبان بتاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"The language of the Brahui in the north of Sindh and on the east of Baluchistan, on the north-west of British India."(106)

یعنی شمالی دراوڑی زبان دراصل براہوئی زبان ہی ہے اور یہ زبان قدیم سندھی ثقافت کی دراوڑی نسل سے پیدا ہوئی ہے یعنی قدیم وسطی حجری دور میں جو نیگرو آسٹریلیائی اور بحیرہ رومی کے اتصال سے دراوڑی نسلی گروہ پیدا ہوئی، سے مشتق ہے۔ اس طرح آسکو پار پولا بھی قدیم وسطی حجری عہد اور جدید حجری دور میں دو- دراوڑی نسل ہونے کو تسلیم کرتا ہے۔

سُبرامنیام نے اپنے ۱۹۷۱ء میں پیش کردہ نظریہ پر نظر ثانی کر کے آخر میں حتمی طور پر دو پروٹو دراوڑی زبانوں کا ہونا قرار دیا ہے۔ وہ ایک پروٹو دراوڑی جس سے تین اہم دراوڑی محاورے (dialect) وسطی، شمالی اور جنوبی وجود میں آئے پھر تین اہم محاورے (dialects) مزید مقامی زبانوں کے اثرات کی وجہ سے مزید شاخوں اور سب محاوروں (sub-dialect) میں بٹ گئے۔ انھوں نے وسطی، جنوبی اور شمالی محاوروں کو بھی پروٹو دراوڑی قرار دیا ہے۔ انھوں نے پروٹو دراوڑی سے پروٹو شمالی دراوڑی مشتق بتایا ہے۔ پھر اسی پروٹو شمالی دراوڑی سے براہوئی اور پھر تیسری پروٹو کرخ اور مالتو سے کرخ اور مالتو زبانیں پیدا ہونا قرار دیا ہے۔ (۱۰۷)

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پروٹو دراوڑی جو قدیم وسطی ہجری دور میں بولی جاتی تھی جسے ہم قدیم ترین ''وڑاکوئی'' کہتے ہیں اور دوسری پروٹو دراوڑی جدید ہجری دور میں بولی جاتی تھی۔ اس دور کی پروٹو دراوڑی زبان کو ہم قدیم وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی قرار دیتے ہیں۔

قدیم وڑاکوئی (قدیم براہوئی یا قدیم دراوڑ) آریاؤں سے قبل موجودہ ہندوپاک' سری لنکا' افغانستان' ایران اور دوسرے قریبی ممالک میں نہ صرف ایک ساتھ موجود تھے بلکہ ان کی زبان قدیم وڑاکوئی عوامی زبان تھی۔ آر بخشی جنوبی ایران میں قدیم دراوڑوں (یعنی قدیم براہوئیوں) کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہیں اوران کے بابل اور ہندوستان کے ساتھ تعلقات تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"It recently was proved that in Baluchistan there exists a Dravidian population, "the Brahui;" the Dravidian type is noted in Southern Persia; and perhaps, the non-Aryan people of ancient persia were of the Dravidian race, who formed connection between Babylonia and India."(108)

رام شرن شرما' دراوڑی زبانوں معہ براہوئی کے ساتھ کو آریاؤں سے قبل جنوبی ایران' افغانستان' بلوچستان اور دوسرے علاقوں کی عوامی زبان قرار دیتا ہے۔ رقمطراز ہے کہ:

"The Dravidian Languages which includes Brahui. All this shows that vast area with a pre-Aryan population extended from South-Iran through Afghanistan to Baluchistan............"(109)

جرناٹ ونڈفہر' براہوئی کو ایلامی اور اسے آریاؤں سے قبل جنوبی ایران اور ہندوستان کی زبان کہتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"Brahui is spoken in Iranian Baluchistan and in the adjacent areas of Afghanistan and Pakistan. The language is the northermost remnant of the Dravidian languages which are now found mainly in the Southern India subcontinent, but prehistorically may once have been more widely found in Iran. This is suggested is particular by the possible distant relationship between Proto-Elamite and Proto-Dravidian. It is therefore not un likely that the unknown ancient non-Iranian languages in the south of Iran form Elam to India may have included Dravidian speakers......."(110)

جب آریاؤں نے برصغیر ہندوپاک میں ۱۲۰۰قبل مسیح سے ۱۰۰۰قبل مسیح کے درمیان قدم رکھا تو یہاں کiمقامی نسل' زبانوں اور تہذیب پر اپنے اثرات مرتب کیے اور کچھ مستعار لیے۔ جب وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے گنگا اور جمنا وادیوں تک پہنچے تو اس سارے علاقے میں موجود وڑاکوئیوں (براہوئیوں) سے کئی لڑائیاں لڑتے ہوئے ان کی شاندار تہذیب اور شہروں کو روند ڈالا۔ آریاؤں نے وڑاکوئیوں (یعنی براہوئیوں) پر پرواکہ (Parvaka) نام رکھا۔ جس کے معنی شمالی پہاڑی لوگ کے ہیں۔ اس طرح جہاں اور کہیں وڑاکوئی قبیلے یا لوگ بسے ہوئے تھے ان پر دشمنی اور مخالفت کے بناء پر اپنی آریائی زبان میں بھیانک اور غیر انسانی نام رکھے مثلاً داس' داسیو (غلام) اناسا (چپٹی ناکوں والے)، اکرمانا (تہذیب سے نا آشنا)، اوراتہ (قانون کے مخالف)، ابرھانہ (دیوتاؤں کے دشمن)، دیواپیوؤ (دشمنان مذہب) ملیچھ (براہوئی میں "ملخ" کہتے ہیں) وغیرہ۔

سندھ کے نامور ماہر لسانیات' مؤرخ اور محقق پروفیسر محبوب علی چنا آریاؤں کا براہوئیوں پر دسیوس اور دوسرے نام رکھنا کے حوالے سے تحریر کرتا ہے کہ:

"یہ (براہوئی) دراوڑی قوم آریاؤں کے حملہ کا پہلا شکار ہوا اور جن کو ویدوں میں "دسیوس" کہا گیا ہے یعنی ڈاکو اور رہزن اور ایک کہاوت کے مطابق یہ "شیطان اور دیووں" میں تبدیل ہوگیا......اس سے سندھی لفظ "دیوس" مشتق ہے جو ابھی اسی اندھیرا کے معنی میں سندھی میں مستعمل ہے......" (۱۱۱)

ایلینا کزمنا' پروفیسر محبوب علی چنہ کی طرح لکھتی ہیں:

"The varnas of Aryan priest (brahmana) and warriors (ksatriya or rajanya) were opposed to the varnas of the aboriginal Dasa, called 'black-skinned' (Rigveda 1.130.8). Modern researchers propose that the Dasa were Dravidians creaters of the Harappan culture and script. Their homeland in the Punjab is proved by the Brahui who have preserved Dravidian language in the North........"(112)

آج بھی جنوبی ہندوستان سے تعلق رکھنے والے درواڑی نسل کے قبائل اور زبانوں کے نام

موجودہ براہوئی قوم کے علاقہ، قبائل اور براہوئی لفظ کے ساتھ مکمل اشتراک اور مماثلت رکھتے ہیں۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ ہندوستان کے دراوڑی قبیلے پہلے بلوچستان کے مختلف علاقوں، پہاڑوں اور نالوں پر بود و باش رکھتے تھے۔ جب ان میں سے کچھ یہاں سے ہندوستان گئے تو ان قبائل اور زبانوں کے نام آج تک براہوئی علاقہ کے ناموں سے اشتراک رکھتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ براہوئی اور ہندوستان کے دراوڑی قبیلے اور زبانیں ایک ہی نسلی اور لسانی بنیاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ حسب ذیل کچھ دراوڑی قبائل اور زبانوں کے ناموں کا براہوئی علاقہ، قبائل کے ناموں سے اشتراک کی مثالیں پیش ہیں۔ مثلاً:

۱۔ کُرخ ایک دراوڑی خاندان کی زبان ہے جسے ماہرین لسانیات نے شمالی دراوڑی زبان کی گروہ سے قرار دیا ہے۔ کرخ (Kurukh) نام سے ملتا جلتا، ایک علاقہ ''کرخ'' (Karkh) بلوچستان میں ضلع خضدار کی ایک تحصیل کا نام ہے۔ جس میں براہوئی اور سندھی قبائل اور زبانیں موجود اور بولی جاتی ہیں۔ آسکو پرپولا ''کرخ'' (Kurukh) لفظ کی بنیاد، وجہ تسمیہ اور معنی کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

> "The name Kurukh (phonemically/ Kurx/ phonetically [Kurux]) has been etymologically connected with Kodagu, the name of a Dravidian people and Language in Karanataka. However, because of Tamil Kutakku "West' the PDR root reconstructed here [Kut-V-k] may originally have denoted the point of the compass, and only later on came to be used as the name of people...... The Tamil word Kuta setting Sun' indeed suggests that the ultimate etymology of these words may be the proto-Dravidian verb Kita to lie down rest fall down for the change i>u before retro-flexes in common in Dravidian......"(113)

پرپولا نے کرخ لفظ کی بنیاد کو ''کڑخ'' (Kurux) بتایا ہے۔ جو تامل لفظ کٹکو (Kutakku) اور کٹہ (Kita) سے مشتق ہے۔ تامل لفظ کٹکو کی بنیاد کٹ-و-ک (kut-v-k) ہے جو پروٹو دراوڑی لفظ ہے اور اس کی معنی مغرب ہے۔ یہی لفظ براہوئی زبان میں ''کیہلنگ''، یعنی غروب ہونا، ڈوب جانا، مرنا، ختم ہونا، سونا کے معنوں میں مستعمل ہے۔ دوسرا لفظ ''کُٹا'' (kuta) ہے جو پروٹو دراوڑی لفظ ''کٹہ'' (Kita) سے مشتق ہے۔ جس کے معنی گرانا، آرام کرانا ہے۔ یہی لفظ براہوئی میں ''کُٹہ'' (Kuta) کے روپ میں مروج ہے۔ جس کے معنی مارنا، پیٹنا، گرانا کے ہیں۔ یعنی ''کُرخ'' یا ''کُڑخ'' لفظ ایک ہی بنیاد کے الفاظ ہیں۔

براہوئی قوم کے ایک قبیلہ کا نام ''سیاہ پاد'' ہے۔ اسی قبیلہ کے ایک طائفہ کا نام ''کرخی زئی'' (karkhizai) ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کرخی زئی طائفہ پہلے اپنے آبائی علاقہ کرخ (کرخ) میں بود و باش رکھتا تھا۔ پھر وہ سیاہ پاد قبیلہ میں ضم یا شریک ہوا مگر اس نے اپنے علاقہ کے نام کو برقرار رکھا۔

اُراؤں کے لوک ادبی روایات میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ براہوئستان یعنی جدید بلوچستان سے ہندوستان گئے ہیں۔ فرڈھان لکھتا ہے:

> "According to their tradition the Oraons to India from the west, probably via Baluchistan, where Brahui is spoken. They were settled for some time in the Karnatic, where Kanarese prevails, which like Brahui is some what connected with Kurukh."(114)

لسانیاتی اعتبار سے براہوئی زبان کرخ زبان سے صوتی، صرفی اشتراک رکھتا ہے۔ اس لیے ماہرین لسانیات نے براہوئی کے ساتھ کرخ اور مالتو کو بھی دراوڑی زبانوں کے شمالی گروہ کی زبانیں قرار دیا ہے۔ براہوئی اور کرخ زبانوں کے مابین لسانیاتی مماثلت اس بات کی عکاس ہے کہ ہندوستان کے کُڑخ زبان بولنے والے پہلے یہاں بلوچستان کے علاقہ کُرخ تحصیل کے باسی تھے اور قدیم وڑا کوئی نسل سے تعلق رکھتے تھے جو بعد میں ہندوستان چلے گئے اور وہاں بھی اپنے اصلی نام کو برقرار رکھا۔ یعنی کرخ اور کڑخ ایک ہی زبان کے دو مختلف نام ہیں۔

۲۔ ایک دراوڑی زبان کا نام کودا گو جسے (کوڈا، کودک، کوڈگ، کوڈا، کودا) ہے جسے کورگ کورگی، کوڈگی اور کوڈا وا بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کالڈویل تحریر کرتا ہے کہ:

"Kodagu, properly Kudagu, from Kuda, west a meaning of the word which is usual in Ancient Tamil..."(115)

ماہرین لسانیات نے کودا گو یا کودک زبان کو جنوبی دراوڑی زبان کے خاندان سے قرار دیا ہے۔ اس کے بولنے والے کرناٹک اور کیرالہ صوبوں کے درمیانی پٹی میں بود و باش رکھتے ہیں۔ ان کی تعداد تخمیناً ۹۳۰۰۰ ہزار ہے۔ یہ صوبے میں کناڈا زبان کو بطور تعلیمی اور سرکاری زبان استعمال کرتے ہیں۔(۱۱۶)

دراوڑی زبان کے نام سے آج بھی بلوچستان کے علاقہ جھلاوان میں ''کودا'' (جسے کودگ بھی کہا جاتا ہے) کے نام سے ایک پہاڑ موجود ہے۔ جہاں براہوئی قوم کا نامور قبیلہ ''ساجدی'' رہتا ہے اور وہاں عرب دور کی کئی کاریزات موجود ہیں۔ کودگ وادی اور پہاڑ کے بارے میں ایک جگہ تحریر ہے کہ:

"Koda or Kodak valley lies in the western part of Jhalawan and is enclosed on the west by the lofty Mukk hills. This plain is tolerably extensive, stretching north-north-west and south-south-west for a considerable distance. This valley, as well as korask which lies to its south, originally belonged to the Sajdi's and there are traces of ancient Karazes ascribed to the Arabs and now rains which indicated that in ancient times there was considerable amount of cultivation...."(117)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کالڈویل نے کودگ یا کودا گو لفظ کی معنی مغرب بتایا ہے اور کودگ پہاڑ بھی جھلاوان کے مغرب میں واقع ہے۔ یعنی کودگ پہاڑ اور کودا گو زبان کے نام اور معنی دونوں میں مماثلت ہے۔

گریشہ وادی سے کیچ مکران جاتے ہوئے راستے پر ''کودا (کوڈا)'' نام ایک قدیم بستی کا نام بھی ہے۔ یہاں اور قرب و جوار کے بسنے والے کچھ لوگ اپنے کو ''کوہدا'' کہتے ہیں اور اپنے آپ کو بلوچ تصور کرتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ دراصل یہ کودا / کودگ دراوڑ ہیں۔ براہوئی قوم کے نامور قبیلہ ''محمد حسنی'' (مامسنی) کے ایک طائفہ کا نام بھی کودگ (کودک) ہے۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کودا گو یا کودگ دراوڑی زبان بولنے والے پہلے کودگ پہاڑ کے رہنے والے تھے اس زبان کے بولنے والوں میں سے کچھ یہاں رہ گئے جو اسی نام کودک (کودگ) سے مشہور تھے اور بعد میں وہ براہوئی قوم کے محمد حسنی قبیلہ میں ضم ہوئے اور دوسرے ہندوستان چلے گئے۔

۳۔ ''کوٹا'' (kota) ایک دراوڑی زبان کا نام ہے۔ اس نام سے ملتے جلتے کئی بستیاں گنداواہ (کچھی) میں واقع ہیں۔ مثلاً کوٹڑہ میر گوہر خان' کوٹڑا میر کرم خان' کوٹڑہ بی بی فتح خاتون (۱۱۸)'' ''کوئٹہ'' نام بلوچستان کے دارالحکومت کا شہر ہے جسے براہوئی کوئٹہ کے برعکس ''کوٹا'' بولتے ہیں۔ سرپرہ قبیلہ کے طائفہ رودین زئی میں ایک ''کُٹے زئی'' طائفہ موجود ہے۔ براہوئی قوم کے میرواڑی قبیلہ میں ایک طائفہ کا نام ''کوٹ وال'' (kotwal) بھی کوٹا نام سے ملتا جلتا ہے۔

ضلع نوشکی میں پلیا گاؤں اور علاقہ سے پہلے ایک پہاڑ اور موضع کا نام ''کوتل'' (Kotal) ہے جو کوٹا قبیلہ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ براہوئی زبان میں ناموں کے پیچھے ''اَل'' بطور لاحقہ صفت اور پیار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے

کوئٹہ سے کوٹل' خضدار سے خضدل
زیدی سے زیدل سمی بی بی سے سمل
نازبی بی سے نازل نوشکی سے نوشکل وغیرہ

لشی ئس ارفیسُن سندھل نا ساری ٹی
کوٹل آن سوار مسُّن جیکل نا لاری ٹی
'' سندھ کے دھان کاٹنے ہم درانتی اٹھائے ہیں
کوئٹہ سے جیکب آباد کی گاڑی میں بیٹھ کر آئے ہیں''(۱۱۹)

۴۔ ''کناڈا'' (Kannada) ایک دراوڑی زبان ہے۔ اس نام سے ملتی جلتی گاؤں ضلع کچھی کے تحصیل بھاگ میں ''کنڈا'' (kanda)' کناڑو (Kunaro) کے نام سے موجود ہیں (۱۲۰) مستونگ میں بھی ''کنڈاو'' نام سے ایک گاؤں ہے۔

۵۔ ایک دراوڑی زبان کا نام ''کُورگ'' (Coorg/Koraga) ہے جسے ماہرین لسانیات ایک جنوبی دراوڑی زبان قرار دے رہے ہیں جیسا کہ مائیکل شپیر ولکھتا ہے کہ:

"Koraga, earlier grouped with Tulu as a dialect of Tulu despite many differences, is classified as a Language or perhaps even two Languages......... Apparently the two dialects Kora and Mu:du; are quite distinct one not mutually intelligible with each other, with Tulu, or with Kannada. In fact Koraga seems to show some affinities with North Dravidian.......(121)

سندھ کے نامور ماہر آثار قدیمہ اشتیاق انصاری ''گورک'' لفظ کی معنی کے متعلق لکھتے ہیں:

"Many reasons are narrated about the name of Gorakh. People mention some myths, tradition, stories, topographical names and terms of other languages in this regard. A tradition previals in the area, that Gorakh is a name of bird, which stays always in the sky and comes to earth only in summer. Another tradition is that the Gorakh is a herb, beneficial for heart disease. Comprehensive Sindhi Dictionary describes "Gorakh" as a herb.

Some people are of the opinion that "Torav" means 'red' in Balochi and the western side of the hill seems red, so it was named as "Gorakh" or as Gorki goat. Dr. Nabi Bux Baloch describes gorki goat, as the goat which is red, red from neck to shoulders.

Some are of the opinion that Gorakh is derived from "Goragh" which means torents of rainfall' because it had been torrenttial rain in the past.

Some local people call this place Gorakh/ Gurag. Gurg means jackal in Balochi/ persian. It is said that the place had been remaind abode of jackals therefore it is

called Gurage. "Gorg" is written in the map of the Survey of Pakistan. H.T Lambrick, in his boot "Sindh" A General Introduction" has called Gorag to this peak. He writes, "Gorag" is the highest peak in the South of Gaaj........In comprehensive Sindhi Dictionary, some words are found about pertaining to this word. It is necessary to have a birds eye view of those words.

o گرک Gurakh: Gig hole.

o گورکھ Gorakh: A famous Saint; complicated.

o گورگ Gorag: Name of Shankar Bhagwan, Shri Gorakh.

o گورکھناتھ Gorakhnath: Cheif of Jogis.

There are different meanings of the word "Gorakh" in Hindi Gorakh means guard, sky, angle and thunder, god of earth, Ram god, Bazar god, and mountain god. All of those reflect to huge, difficult and guard.

Some researchers are of the opinion that the name Gorakh was kept after the name of Gorakhnath. About Gorakhnath, there is a detialed account in the book "Mother Earth" that Gupta General Patarka, who was valanbhi by cast, founded valanbhi panth and made valabhipur as his capital. In that valabhi period, Gorakhnath studied at Shri. Machundarnath Jogi. Gaj Gopichand and Raja Hari Bharti were also desciples of Shri Machundarnth............"(122)

مگر یہ سارے معنی اور وجہ تسمیات کے متعلق صحیح نہیں ہیں کیونکہ یہ سارے نام جدید دور کے ہیں اور مفروضات پر مبنی ہیں۔ان میں سے کوئی بھی نام ماقبل آریائی دور سے تعلق نہیں رکھتا۔

دراصل گورک نام سے بہت سارے قبائل اور مقامات آج بھی ہمارے قوم اور علاقوں میں

موجود ہیں، جو قدیم دور میں قدیم دراوڑوں کے دور میں اس علاقے میں رہتے تھے مثلاً:

براہوئی علاقہ میں ایک قدیم نالہ اور کاریز کا نام کوراگی (Koragi) ہے۔ (۱۲۳) کوراگی لفظ میں ''ای'' یائے نسبتی کا لاحقہ ہے اور اصل لفظ کوراگ یا کورگ ہے۔ جو دراوڑی زبان ''کورگ'' کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ براہوئی کے اہم قبیلہ میرواڑی میں ایک ذات کا نام ''کورک'' (korak) ہے۔ (۱۲۴) کورک اور کورگ میں ''ک'' اور ''گ'' آوازوں کا فرق ہے۔ دراوڑی زبانوں میں ''ک'' کی ''گ'' کی آواز میں تبدیلی عام بات ہے۔ میرواڑی قبیلہ کی یہی ذات، نال کور نالہ کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔ جہاں ان کا معتبر کریمداد ولد جلال خان (۱۹۰۳ء) میں رہتا تھا۔ (۱۲۵) براہوئی قوم کے محمد حسنی قبیلہ میں ایک ''کورک'' کے نام سے طائفہ ہے۔ اسی طرح دوسرا براہوئی قوم کا قبیلہ ساجدی ہے جس کے ایک طائفہ کا نام ''کورک زئی'' ہے۔

اسی طرح براہوئیوں کا ایک مشہور علاقہ کردگاپ میں گرگینہ، پڑین میں ''گُرگو'' ایک براہوئی طائفہ آباد ہے۔ جو دراوڑی قبیلہ اور زبان کورگ کے نام کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ جنہیں لاعلمی کی وجہ سے یہاں کے لوگوں نے کمتر سمجھا نتیجتاً ''گُرگو'' احساسِ کمتری کا شکار ہو کر براہوئی کے دیگر قبائل محمد شہی، بنگلزئی، بادینی اور اس کے ساتھ مگسی (سندھی) میں بھی شامل ہو گئے۔ یہ اقدام صحیح نہیں ہے۔ حالانکہ گُرگو ایک قدیم نسل اور قبیلہ ہے۔ جن کا تعلق قدیم وڑاکوئی (پروٹو وڑاکوئی (دراوڑی)) یعنی براہوئی قوم سے ہے۔ اسی طرح کھیر تھر پہاڑ پر سندھ کے جغرافیائی حدود میں ''گورکھ ہل اسٹیشن'' موجود ہے جو کورگ یا گورک دراوڑی قبیلہ کی اصل جنم بھومی ہے۔ وہ یہاں آریاؤں سے قبل بودوباش رکھتے تھے جب ان پر آریاؤں نے حملہ کیا تو کچھ ہندوستان چلے گئے اور جو باقی بچے انہوں نے براہوئی قوم کے مختلف قبائل میں ضم ہو کر اپنے نام اور شناخت کو برقرار رکھا۔

۶۔ ایک دراوڑی زبان کا نام بڑاگہ (بڑاگا، بداگا وداگو) ہے۔ جسے ماہرین نے جنوبی دراوڑی گروہ کی زبان قرار دیا ہے ان کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار ہے۔ دوسرے تخمینے کے مطابق چار لاکھ ہیں۔ تامل ناڈو ریاست اور نیلگری پہاڑوں میں بودوباش رکھتے ہیں۔ وداگو، بڑاگا کے معنی شمالی لوگ کے ہیں۔

آج بھی سوراب کے شمال میں بتاگو ربتگو (Bitagu) کے نام سے ایک پہاڑی چوٹی اور وادی موجود ہے جو زیادہ تر خشک وادی ہے اور یہ گنڈاگین اور مارآپ کے درمیان واقع ہے۔ (۱۲۶)

یہ علاقہ محمد حسنی قبیلہ کا ہے اور کسان سناڑی قبیلہ کے لوگ ہیں۔ جو ایک علیحدہ براہوئی قبیلہ ہے۔ براہوئی کے کئی قبائل کے طائفوں کے نام بڑاگا، بداگا سے اشتراک رکھتے ہیں۔ مثلاً زہری قبیلہ میں بٹازئی (بڑازئیBada-zai) ہیں۔ ضلع خضدار میں ساسول پہاڑوں کے وادی میں ایک دشت کا نام ''بڑوال'' ہے۔

اگر ''بڑاگا'' نام یا لفظ کا لسانیاتی جائزہ لیا جائے تو یہ پروٹو دراوڑی لفظ ''وڑاکوئی'' کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ بڑاگا یا بداگا لفظ میں تین اہم آوازیں ''ب، ڈ، گ'' ہیں جو پروٹو دراوڑی ''و، ڑ، ک'' آوازوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ براہوئی بولنے والے پروٹو دراوڑی ''و'' آواز کو ''ب'' میں تبدیل کرتے ہیں۔ جب کہ بہت سے دراوڑی زبانوں میں پروٹو دراوڑی ''ڑ'' آواز کا ''ر، ڈ، ت'' اور ''ک'' کا ''گ'' میں تبدیل ہونا عام بات ہے۔ ''ک'' آواز کا ''گ'' آواز میں تبدیل ہونے کے بارے میں بشپ کالڈویل لکھتا ہے کہ:

> "This change of 'r' into,l and the previous one of 'r' into 'd', for in the constituents of an important dialectic law. That law is, that the same consonant which is 'r' in Tamil is generally 'd' in Telugu, and always in modern Canares. Thus a fowl is Kor-i- in Tamil, Kod-I in Telugu, and Kol-i in canarese. Thus numeral seven is er-u in Tamil, od-u in Telugu....... This 'd' is same times softened down into the dental 'd' thus manushya, San: man, become in classical Tamil manda-n....."(127)

موجودہ دراوڑی زبان بڑاگا (بڑاگہ، بداگا، بداگہ) کے نام میں شامل آوازوں کو پروٹو دراوڑی آوازوں میں تبدیل کرنے کے بعد اصل ''وڑاکو'' لفظ کا روپ اختیار کرتا ہے۔ خاکہ ملاحظہ ہو۔

موجودہ روپ:	ب+ا	ڈ+آ	گہ+آ:	بڑاگا/بڑاگہ
موجودہ آوازیں:	ب	ڈ	گ	

پروٹو دراوڑی: و ڑ کہ

آوازوں کی تبدیلی: و+اَ ڑ+آ ک+اَ

اصلی پروٹو دراوڑی روپ: وڑاکہ

بڑاگا دولفظوں کا مرکب ہے۔ایک پروٹو دراوڑی لفظ ''وڑا (وڑا> بڑا> بڑا) ہے جس کے معنی شمال کے ہیں۔موجودہ دراوڑی زبانوں میں پروٹو دراوڑی لفظ ''وڑا'' یعنی شمال' ودا' بدااور وٹا کے تین روپوں میں ''شمال'' کے معنی میں مستعمل ہے۔مثلاً:

زبان	لفظ	معنی
تامل	وٹا	شمال
ملیالم	وٹا	شمال
کناڈا	بڑا	شمال
	بڑاگا	شمال
کوڈاکو	بڑاکی	شمال
تلو	بڑاکاہی	شمال
تیلگو	وڈاکو	شمال (۱۲۸)

دوسرا لفظ ''گا'' یا ''اگہ'' ہے۔جس کے معنی پہاڑ کے ہیں جو دراوڑی لفظ ''کو'' کی تبدیل شدہ صورت ہے۔اس طرح بڑاگا (بڑاگہ' بداگا' بداگہ) لفظ کی معنی شمالی کوہستانی لوگ کے ہے۔جیسا کہ کالڈویل لکھتا ہے کہ:

"Badagar (The northern people..."(129)

وڑاکوئی (جدید لفظ براہوئی) لفظ کے معنی بھی ''شمالی کوہستانی پہاڑی لوگ کے ہیں۔بڑاگا (بداگہ/بڑاگہ) اورسوراب میں واقع بتاگو/بتگو وادی اور براہوئی کے قبائل کے مختلف طائفوں کے نام مثلاً بڑازئی' بڑاوال'' یہ سب پروٹو دراوڑی لفظ ''وڑاکہ'' یا ''وڑاکوئی'' لفظ کی تبدیل شدہ صورتیں ہیں۔یعنی بڑاگہ اصل میں پروٹو براہوئی ہیں جو ہندوستان جانے کے بعد بھی اپنا نام برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

۷۔ براہوئی کے ''مینگل'' قبیلہ کے اصل جگہ کا نام ''وڈھ'' (Wadh) ہے جو دراوڑی لفظ ''ودا'' (vada) یا بدا (bada) کی تبدیل شدہ صورت ہے۔دراوڑی زبانوں میں ''و'' آواز کی ''ب'' میں تبدیلی عام بات ہے۔یہی طریقہ براہوئی میں بھی مستعمل ہے۔ودا لفظ پروٹو دراوڑی ''وڑا'' کی تبدیل شدہ صورت ہے اور ودا لفظ کا آخری مصوتہ a (آ) ہے۔براہوئی بولنے والے آخری لمبے مصوتہ (a) (آ) کو ساکن بناتے ہیں۔جیسا کہ پروٹو دراوڑی لفظ کا (a) کی معنی مرجانا ہے۔اس میں آخری مصوتہ لمبا(i-a) ہے جسے براہوئیوں نے ساکن بنا کر ''کہ'' (kah) میں تبدیل کر دیا ہے۔اس کے معنی بھی مرجانا کے ہیں۔اس طرح ودا یا بدا لفظ کے آخری لمبے مصوتہ کو ساکن بنا کر ''ھ'' میں تبدیل کر کے وڈھ لفظ میں تبدیل کر دیا۔وڈھ کے معنی بھی ''شمالی علاقہ'' کے ہیں کیونکہ یہ باران لک کے شمال میں واقع ہے۔

۸۔ ایک دراوڑی زبان ''کناڈا'' (Kannada) ہے۔جسے کنریز (Kanarese, Canarese) کو کرنڑناٹکا (Karantaka) بھی کہتے ہیں۔کنڑ لفظ کے لغوی معنی ''کالی مٹی والی زمین'' ہے۔(۱۳۰) یہ ہندوستان کے صوبہ کرناڈو (کرناٹک) کی صوبائی اور سرکاری زبان ہے اس کے بولنے والوں کی تعداد ساڑھے تین کروڑ سے زیادہ ہے۔اس میں ۱۹۹۹ء تک ۱۵۶۱ اخبارات چھپتے تھے۔جن میں ۳۱۴ روزنامے تھے۔ماہرین لسانیات اسے جنوبی دراوڑی گروہ کی زبان قرار دیا ہے۔(۱۳۱)

براہوئی زبان کا کناڈا زبان سے بہت صوتیاتی اشتراک پایا جاتا ہے۔اس کے بارے میں ڈینس برے لکھتا ہے کہ:

"Comparative phonology thus points to Brahui being closer to kanarese and Tulu than to Tamil....."(132)

آر۔ایس موگلی' ڈینس برے کے اس تحقیقی نکتہ کی بنیاد پر اپنی رائے ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ:

''یہ تعجب کی بات ہے کہ لیکن صحیح بھی کہ بلوچستان کے دور دراز شمالی مغربی سرحدی علاقے میں جو زبان ''براہوئی'' موجود ہے' اس میں دراوڑی عناصر بھرے ہوئے ہیں۔دانشوروں کا خیال ہے کہ وہ اس خاندان کی دیگر زبانوں کے مقابلے میں کنڑ اور تلو سے قریب تر ہے۔اگر مزید تحقیق سے اس کا ثبوت مل

جائے تو براہوئی کو کنڑا کی ایک اور بولی قرار دینا پڑیگا۔'' (۱۳۳)

یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ آریاؤں کے حملہ کے دوران دراوڑوں کے کئی گروہ بلوچستان اور سندھ سے جنوبی ہندوستان چلے گئے۔ اس سے پہلے وہ تقریباً یہاں ایک ہی زبان بولتے تھے مگر اس زبان کی کئی بولیاں مروج تھیں۔ براہوئی پہاڑوں میں پناہ لینے کی وجہ سے اپنی اصلی دراوڑی نسلی اور لسانی خصوصیت اور شناخت بچائے رکھنے میں کامیاب ہوئے جب کہ کناڈا زبان ہندوستان میں جانے کے بعد وہاں کے مقامی زبانوں کی اثرات کی وجہ سے اپنی شناخت تبدیل کی۔ اس طرح کناڈا براہوئی سے مشتق قرار پائی ہے نہ کہ کناڈا سے' کیونکہ کناڈا بولنے والے بلوچستان سے گئے نہ کہ جنوبی ہندوستان سے یہاں بلوچستان میں وارد ہوئے۔ اس کی بڑی واضح مثال یہ ہے کہ آج بھی کنڑ کے نام سے براہوئی کے علاقہ میں مختلف وادیوں زمینوں اور قبائل کے طائفوں کے نام ان کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ مثلاً براہوئی کا ایک قبیلہ ''نغاڑی'' کہلاتا ہے۔ اس میں ''ای'' یائے نسبتی لاحقہ ہے۔ اصل لفظ ''نغاڑ'' ہے۔ جس کو ڈینس برے نے براہوئی کا قدیم اور اصلی قبیلہ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"The Nighari aboriginal.........."(134)

اس قبیلہ کی اصل جگہ ''نغاڑ'' کہلاتا ہے۔ جہاں وہ بود و باش رکھتے ہیں۔ نغاڑ دراوڑی لفظ ''نگر'' (Nagaru) کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ جس کے معنی گھر' رہنے کی جگہ' شہر اور گاؤں کے ہیں۔ یہی دراوڑی لفظ ٹلو زبان میں Nagaru اور تیلگو میں Nagaru کی صورتوں میں انہی معنوں میں مروج ہے۔ (۱۳۵) نگر لفظ کا ''گ'' کا ''غ'' میں اور ''آ'' مصوتہ ''ا'' میں تبدیل ہوکر ''نغاڑ'' لفظ کا روپ دھار لیا ہے۔

نغاڑی قبیلہ کے ایک طائفہ کا نام ''کنڑی زئی'' ہے۔ براہوئی قبیلہ قمبرانڑی'' کے ایک طائفہ کا نام ''کناری زئی'' ہے۔ دوسرے قبیلہ کا نام'' رئیسانڑی'' ہے۔ اس کے ایک طائفہ کا نام اسماعیل زئی ہے۔ اس طائفہ کا ایک سب طائفہ کنڑزئی کے نام سے مشہور ہے۔ تیسرا قبیلہ میرواڑی ہے۔ اس کے ایک طائفہ کا نام کنڑزئی ہے۔

براہوئی قبائل اور طائفوں کے ناموں کے ساتھ کئی علاقوں' وادیوں اور زمینوں کے نام بھی کنڑ زبان کے نام سے اشتراک رکھتے ہیں مثلاً بلوچستان میں سارونہ پہاڑوں سے شاہ نورانی کی

طرف جاتے ہوئے بیچ میں ایک علاقہ کا نام ''کنڑ (kunnar) ہے۔ ضلع خضدار کی جغرافیائی حدود ختم ہونے کے بعد ضلع لسبیلہ شروع ہوتا ہے۔ اس بارڈر پر ایک قدیم بستی کا نام کنڑ'' (Kannar) ہے۔ (۱۳۶) سبی ضلع میں ایک جگہ کا نام کنڑی ہے۔ (۱۳۷) اور ناچ وادی کے جنوب میں کنارو (knaru) کے نام سے ایک پہاڑ ہے اور اسی وادی کے مغربی حصے میں کنارو (Kinaru) کے نام سے ایک زمین بھی واقع ہے۔ (۱۳۸)

براہوئی علاقوں کے نام اور قبائل کے طائفوں کے ناموں کا دراوڑی زبان کنڑ کے ساتھ مماثلت اس بات کا ثبوت ہے کہ کنڑ زبان بولنے والے پہلے بلوچستان کے مختلف علاقوں میں بود و باش رکھتے تھے۔ جب ان میں سے کچھ ہندوستان چلے گئے تو بقایا نے براہوئی علاقوں میں رہنا پسند کیا اور کچھ ہندوستان کے بجائے افغانستان چلے گئے۔ جہاں ان لوگوں نے اپنے ہی نام سے کنڑ علاقہ کا نام مشہور کیا اور بقایا ہندوستان چلے گئے۔

۹۔ دراوڑی زبانوں میں ایک زبان کا نام ''گونڈ'' (Gond) ہے جسے گونڈی (Gondi) اور مقامی طور پر کوئٹور (koytor) بھی کہتے ہیں جو وسطی ہندوستان کے پہاڑی اور جنگلی علاقوں کے ساتھ مدھیہ پردیش' گجرات اور آندھرا پردیش میں بھی بولی جاتی ہے۔ جسے گونڈ وانا کہتے ہیں۔ اس علاقے کی نسبت سے ماہرین لسانیات نے اسے جنوبی وسطی دراوڑی زبان قرار دیا ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد تیس لاکھ کے قریب ہے۔ اس کے پانچ محاورے (Dialect) ڈورلا' کویا' ماریا' مریا اور رراج گونڈ ہیں۔ گونڈ زبان کے نامور ماہرین لسانیات کی ٹیم نے واضح طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ گونڈ لوگ سندھ تہذیب (یعنی براہوئستان جدید بلوچستان) سے ہندوستان کو گئے (۱۳۹)

اس زبان کے نام سے براہوئی کے ساتکزئی قبیلہ میں ایک طائفہ کا نام گونڈ جسے مقامی طور گُونڈ اور گوانڈ بھی کہا جاتا ہے۔ مینگل قبیلہ کے بارانزئی طائفہ میں ایک چھوٹے سے سب طائفہ کا نام بھی ''گُونڈ'' ہے۔ بنگلزئی قبیلہ کے ایک طائفہ کا نام گُونڈ بَدُوزئی ہے۔ دشت کو لپور کے قریب گُونڈین علاقہ واقع ہے۔ یہ تینوں قبائل کے طائفے اور علاقوں کے نام دراوڑی قبیلہ گونڈ کے نام سے مشہور ہیں۔

۱۰۔ ایک دراوڑی قبیلہ کا نام کھونڈ (khond) ہے جسے ''کُو'' (ku) بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن

زیادہ تر کھونڈ کے نام سے مشہور ہے۔ اپنے پڑوسی قبائل میں یہ کھانڈ (Khand) کے نام سے مشہور ہے اور آندھرا پردیش کے شمال مشرقی ضلعوں میں بھی بولی جاتی ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد پندرہ ہزار ہے۔ یہ قبیلہ گونڈوانہ کے مشرق میں گم سورا اور اوڑیسا کے پہاڑوں میں رہتا ہے۔

بلوچستان کے ضلع چاغی میں ایک علاقہ ''کونڈی'' (kondi) ہے جو عام طور پر نوکنڈی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ سبی ضلع میں ایک قبیلہ کا نام کھونڈ ہے۔ (۱۴۰)

۱۱۔ ''کوی'' (kuvi) ایک دراوڑی زبان ہے جسے کُووِن (Kuvin)، کوڈُ (Kodu) بھی کہتے ہیں۔ یہ اوڑیسہ کے کوراپٹ' گنجام' آندھرا پردیش کے سریکاکلم' سکھا پٹنم ضلعوں میں بولی جاتی ہے۔ اسے ماہرین لسانیات نے وسطی دراوڑی زبان قرار دیا ہے۔ براہوئی کے نامور قبیلہ زہری کے زرکزئی طائفہ میں ''کوی زئی'' ایک چھوٹا سا طائفہ اب بھی دراوڑی زبان کوی کے بولنے والوں کی باقیات ہونے کی یاد تازہ کرتا ہے۔

۱۲۔ کُئی (Kui) ایک وسطی دراوڑی زبان ہے۔ جسے کُئنگا (Kuinga)، کےڈُو (Kedu) بھی کہتے ہیں۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد سات لاکھ ہے۔ اوڑیسہ کے گنجم اور پھل بانی ضلعوں میں بولی جاتی ہے۔ ان کے نام سے اب بھی بلوچستان کے مری و بگٹی علاقہ یعنی سلیمانی پہاڑوں میں ایک نالہ کا نام تلی (Talli) ہے (جسے بلوچی بولنے والے مندی مری' کرماری' منجرا اور گرک بھی کہتے ہیں) یہ کوہلو کے قریب پہاڑوں سے کئی (kui) نامی پہاڑی سے نکلتا ہے اور لونیان نامی آبادی کئی Kui اور بور پہاڑی چوٹیوں کے بیچ واقع ہے۔ (۱۴۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کئی Kui زبان بولنے والے آریاؤں سے پہلے یہاں سلیمانی پہاڑوں پر رہتے تھے۔ یہاں سے پھر ہندوستان چلے گئے۔

۱۳۔ پینگو (Pengo) کے نام سے ایک دراوڑی قبیلہ اور زبان موجود ہے۔ جسے ماہرین لسانیات نے وسطی دراوڑی زبانوں کے خاندان سے قرار دیا ہے۔ یہ اوڑیسہ کے ناور ناگپور' کوراپٹ' بنارنگاپور' کالاہنڈی ضلعوں ضلع میں بولی جاتی ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔ اسی نام سے آج بھی براہوئی کے علاقہ جھلاوان کے رودینجو وادی میں ایک پہاڑ جنوب میں ''پنگو'' (pango) کے نام سے موجود ہے۔ جس کے متعلق ایک جگہ لکھا ہوا ہے کہ:

"The Rodenjo valley is separated from the Kalat valley on the north by the Shah Mardan Hill. It is bounded on the north by Dasht-i-Badu, on the south by the Koh-e-but and pango hills, on the east by Saiad Ali and Kuki hills and on the west by Dasht-i-Goran......."(142)

دراوڑی نام ''پینگو'' (Pengo) اور براہوئی پہاڑ پنگو (Pango) میں ایک مصوتہ اے (e) اور آ (a) کا اختلاف ہے۔ براہوئی زبان بولنے والوں کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ وہ اے پروٹو دراوڑی مصوتہ کو آ کو میں تبدیل کرتے ہیں۔ کئی پروٹو دراوڑی الفاظ جن میں اے مصوتہ استعمال ہوا ہے۔ براہوئیوں نے اس لفظ کو آ میں تبدیل کیا ہے مثلاً:

براہوئی	تبدیلی	پروٹو دراوڑی
Hanen (sweet)	e<a	en
hal (rat)	e<a	eli
Harf (to rise)	e<a	eru
Khaf (ear)	e<a	Kevi
Khah (to die) (143)	e<a	ce

اسی طرح دراوڑی قبیلہ اور زبان کے نام ''پینگو'' کو براہوئی نے اپنے لب و لہجہ میں ''پنگو'' لفظ میں تبدیل کر دیا۔ اسی طرح خضدار اور سندھ کے درمیان ''ونگو'' (wango) کے نام سے ایک درہ ہے جو پینگو لفظ کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ پینگو دراوڑی زبان بولنے والے اصل میں اسی پہاڑ کے رہنے والے تھے جو بعد میں جنوبی ہندوستان چلے گئے۔ پنگو پہاڑ یا پہاڑی علاقہ آج بھی ان کے ہی نام سے مشہور و معروف ہے۔

دراوڑی قبیلہ کورگ میں ایک طائفہ کا نام پلیا (Paleya) ہے۔ جارج کلفورڈ لکھتے ہیں

"Paleya. The Kanarese form of Palaiya. Also the name of a wild tribe in Coorg.......(144)

مندرجہ بالا چودہ دراوڑی قبائل اور زبانوں کے نام براہوئی قوم کے قبائل اور علاقوں کے

ناموں سے مکمل اشتراک رکھتے ہیں۔ان کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جنوبی ہندوستان میں بولی جانے والی دراوڑی زبانیں اوران کے بولنے والے پہلے یہاں بلوچستان اورسندھ میں آباد تھے۔جب آریاؤں نے ۱۲۰۰ ق۔م کے دوران حملہ کیا تو وڑاکوئیوں کے کئی قبائلی لوگ جنوبی ہندوستان چلے گئے اور آج بھی وہاں انہی ناموں سے مشہور ومعروف ہیں جوسب وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی قوم کے نسل کی باقیات میں سے ہیں۔

براہوئی زبان کے نامور محقق اور ماہر آثار قدیمہ سلطان احمد شاہواڑی وڑاکوئیوں کا آریاؤں کے حملہ کے دوران جنوبی ہندوستان چلے جانے کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

''داجاگہ نا آبادکروکا اولیکو بندغاک دراوڑ یا براہوئی مسُّنو...... ہراوخت آریہ نسل نا بندغاک ہندوستان آ اُرش کریر۔دراوڑاک ہراوخت کہ تینا جاگہ ءِ یلہ کریرتو گڑاس تا سمندرٹی منزل خلسا قطبی ہندوستان ٹی آبادمسُّر۔ ہرا اینو اسکان ہموڑے تینا بھلوآبادی سےتو موجوداریر۔گڑاس سری لنکا وایب کھیب ناجاگہ غاتے ٹی آبادمسُّر ۔دراوڑآ تاہموشلوار ہراکہ براہوئی پاننگک اوفک بھلا بھلامَش تے ٹی تینے ڈھکاراوپداتینا جاگہ غاآ بسُّروآبادمسُّر......داٹی ہچو شکس ئس اف کہ خضدارنادھرتی ٹی رہینگوکا قدیمی آبندغاک ''براہوئیک''مسُّنو۔داہم اینو اسکان ثابت ءِ کہ آریہ غاتا اسہ چنکو وخت سے آن بیدس دا علاقہ ہمیشہ براہوئی تا قبضہ ٹی مسُّنے۔''(۱۴۵)

ترجمہ: اس سرزمین کوآباد کرنے والے پہلے لوگ دراوڑ یعنی براہوئی تھے...... جب آریہ نسل کےلوگوں نے ہندوستان پرحملہ کیا تو دراوڑوں نے اپنے علاقوں کو خالی کردیا۔کچھ سمندر کے راستے منزلیں طے کرتے ہوئے قطبی ہندوستان میں جاکرآباد ہوئے جوآج تک وہاں اپنی بڑی اکثریت کے ساتھ آباد ہیں۔کچھ سری لنکا اورآس پاس کے علاقوں میں آباد ہوئے۔ دراوڑی نسل کے وہ لوگ جو براہوئی کہلاتے ہیں انھوں نے بڑے بڑے پہاڑوں میں قیام کیا اور بعد میں واپس اپنے اصل مقاموں کولوٹے......اس میں کوئی شک نہیں کہ خضدار کی سرزمین پر رہنے والے قدیمی لوگ ''براہوئی'' تھے۔یہ اب تک ثابت ہوچکا ہے کہ آریاؤں کے ایک مختصرالمعیاد قبضہ کے علاوہ یہ علاقہ ہمیشہ براہوئیوں کے قبضہ میں رہا ہے۔''

وڑاکوئی (قدیم براہوئی) ہندوستان میں اپنے پرانے قبائلی وعلاقائی ناموں سے مشہور ومعروف رہے اور وہی قدیم وڑاکوئی زبان بولتے رہے جو بعد میں ہندآریائی' منڈا' مون کھمیر اور دوسرے غیرقدیم وڑاکوئی زبانوں کے لسانی اثرات کی وجہ سے کچھ تبدیل ہوگئی۔لیکن آج بھی ان زبانوں کا براہوئی زبان کی بنیادی ساخت اور بنیادی ذخیرہ الفاظ مشترک ہیں جو قدیم دور میں ایک نسل اور ایک زبان بولنے والے ہونے کی دلیل ہے۔

جنوبی بھارت کے وڑاکوئیوں (براہوئیوں) پر دراوڈا(Dravida) لفظ کا اطلاق پانچویں صدی عیسوی میں پانڈیہ قبیلہ پر ہوا۔ جومَنو کے قوانین کے رو سے دراوڈا(Dravida) کھشتری آریائی قبیلہ تھا جو مقدس آریائی رسموں اور برہمنوں سے منحرف ہوکر''ورشالا'' ہوگیا تھا۔ رگوید میں انہی وڑاکوئیوں کو چولا اور کالنگا وغیرہ سے ممتاز کیا گیا ہے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ صرف پانڈیہ قبیلہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ساتویں صدی عیسوی میں کمارلا بھٹ نے جنوبی ہند کی زبانوں کوایک زبان سمجھ کرآندھرادراوڈابھاشا کے نام سے موسوم کیا تھا۔آندھرا سے اس کی مرادآندھرا پردیش کی زبان''تیلگو'' اور دراوڈا سے تامل ہوگی۔(۱۴۶)اس طرح بعد کی تحقیقات سے واضح ہوگیا کہ''دراوڈا'' دراصل''تامل''لفظ کی تبدیل شدہ صورت ہے۔جیسا کہ کالڈویل لکھتا ہے کہ:

"Tiravida or Tirami.da to have been converted into Dravi.da.......The oldest form of Dravida or at least, the form which appears to have been most widely in use-appears to have been Drami.da; and this is the first step towards identifying that two words, Dravida and Tamir. Both forms of the word are known in Tamil, but Dramida (wriiten Tiramida) is preferred by the classical, and is placed first is ancient Tamil vocabularies......"(147)

کرشنا مورتی' دراوڑ لفظ کے معنی پانی یا سمندر یا سمندر کے کنارے بسنے والے لوگ ہیں' بتاتا ہے۔ وہ اس کے بارے میں رقمطراز ہے کہ:

> "The word Dravida may also have the origin from Sanskrit Drava- meaning water or sea.....the word Dravidian may have been used to identify people living in India...... Close to the sea..... Since southern India is surrounding by sea on three sides.... The word may be used pre dominantly, to identify the inhabitant of these areas....."(148)

حاصل مطلب یہ کہ جنوبی بھارت میں بسنے والے دراوڑوں پر دراوڑ نام بعد میں پڑا۔ ان سے پہلے آریاؤں تک ان کا نام ''وڑا کوئی'' (براہوئی) تھا اور یہ قدیم براہوئی زبان بولتے تھے۔ جسے ماہرین لسانیات نے قدیم دراوڑی (Proto-Dravidian) قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ جارج اِراڈو سے لکھتے ہیں:

> "There was at some time in the past a single speech community which we usually call "Proto-Darividan"............"(149)

جو سارے ہندو پاک میں بولی جاتی تھی۔ جیسے کہ وال برگا لکھتے ہیں:

> "It seems established the Proto-Dravidian was spoken all over the Indian sub-continent when the first Indo-European arrived............"(150)

آریاؤں کے بعد وڑا کوئی نسل کے لوگ ہندوستان کے مختلف وسطی' جنوبی اور شمالی حصوں میں تقسیم ہو کر رہنے لگے تو ان کی زبان بھی مقامی اور آریائی اثرات کی وجہ سے لسانی تبدیلیوں سے دوچار ہوئی اور ہر تین حصوں کے بولنے والوں کی زبان وڑا کوئی سے مختلف شکل اختیار کر کے تین محاوروں (Dialects) میں تقسیم ہوگئی۔ بعد میں یہ تین محاورے مزید محاوروں اور زبانوں میں تقسیم ہوگئیں۔ جیسا کہ تامل زبان کا نامور ماہر لسانیات مورو دَراجن لکھتا ہے کہ:

> ''بہت ہی قدیم زمانے میں ہندوستان بھر میں ایک زبان بولی جاتی رہی ہے جسے قدیم دراوڑی زبان (Proto-Dravidian) کہا جاتا ہے۔

> آریائی شمالی ہندوستان کے عوام کے ساتھ گھل مل کر ایک ہوگئی............ اس وقت شمالی ہند میں بولی جانے والی قدیم دراوڑی زبان کئی تبدیلیوں سے دوچار ہوئی تھی۔ پراکرت اور پالی وغیرہ نے جنم لیا تھا۔ ایسی صورتحال میں بھی بعض حصوں میں قدیم دراوڑی زبان کی مختلف شکلیں بولی جاتی رہیں۔ دراصل ان زبانوں کو بولنے والے عوام دوسروں کے ساتھ نہ مل کر الگ تھلگ اپنی زندگی گذارنے کے باعث ایک طویل عرصے تک وہ دراوڑی زبانوں کی حیثیت ہی سے یہاں وہاں باقی رہ گئی تھیں............''(۱۵۱)

کنڑ کے نامور ماہر لسانیات آر۔ ایس۔ موگلی بھی اس بات سے متفق نظر آتے ہیں۔ تحریر کرتا ہے کہ:

> ''ایک اصل اور اولین دراوڑی زبان تھی...... جو تامل سے قریب لیکن کنڑ سے مختلف تھی...... اور تامل' کنڑ اور اس گروہ کی دوسری زبانیں اس سے نکلی ہیں......اور آگے چل کر اپنے اپنے طرز پر بڑھتی ہوئی اور سنسکرت سے کم و بیش غذا حاصل کرتی ہوئی مختلف شاخوں میں بٹ گئیں......''(۱۵۲)

آج سارے دراوڑی زبانوں کے ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ جنوبی' شمالی اور وسطی دراوڑی زبانیں' کسی ایک قدیم دراوڑی زبان (Proto Dravidian Language) سے پیدا ہوئی ہیں۔ جنھیں ماہرین پروٹو جنوبی' پروٹو شمالی اور پروٹو وسطی کا نام دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک جگہ لکھا ہے کہ:

> "Dravidian speakers moved 1500 B.C ....There distinct dialects groups probably existed proto-North Dravidian, Proto-Central Dravidian and Proto-South Dravidian......"(153)

تھامس ٹراٹ مین بھی جدید دراوڑی زبانوں کو پروٹو وسطی' پروٹو جنوبی اور پروٹو شمالی سے مشتق قرار دیتا ہے اور پھر ان تینوں کو کسی ایک قدیم دراوڑی سے مشتق قرار دیتا ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ:

> "In historical linguistics Dravidian signifies a family of Languages believed to be related to

one another by common descent from ancestral Languages such as proto South-Dravidian, Proto Central Dravidian and Proto- North-Dravidian, which themselves descend from a single apical ancestor called proto-Dravidian......."(154)

ماہرین لسانیات نے جن زبانوں کو پروٹو جنوبی' پروٹو شمالی اور پروٹو وسطی قرار دیا ہے۔ دراصل وہ پروٹو وڑاکوئی (Proto-Varakoi) یعنی قدیم براہوئی زبان کی شاخیں اور محاورے تھے کیونکہ اس دوران براہوئی زبان سندھ' بلوچستان اور دوسرے علاقوں میں قدیم وڑاکوئی (قدیم دراوڑی) روپ میں بولی جاتی تھی' جیسے کہ رچرڈ فرے لکھتے ہیں:

"The Proto-Brahuis may have been the dominant people in Baluchistan and even Sind when the Aryans expended. Whether they were the inhabitants of Moen-jo-Daro and carries of the Indus civilization......."(155)

آریاؤں کے حملے کے بعد جنوبی ہندوستان کے وڑاکوئی لوگوں کا بلوچستان کے شمالی وڑاکوئی (براہوئی) لوگوں سے رابطہ ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے وہاں کی زبانوں نے علیحدہ اپنے ماحول اور تہذیب کی توسط سے اپنی ساخت تبدیل کر کے مختلف زبانوں کا روپ اختیار کیا جبکہ یہاں وڑاکوئی زبان نے مقامی آریائی' ایرانی' تورانی' یونانی اور عربی اثرات کی وجہ سے اپنا لسانی رنگ ڈھنگ تبدیل کر کے موجودہ روپ اختیار کیا۔ جس کی وجہ سے ہزاروں سالوں سے ایک نسل اور ایک زبان میں بڑا لسانی تضاد پایا جاتا ہے لیکن بنیادی اور تحقیقی طور پر جنوبی ہندوستان کی دراوڑی زبانیں اور یہاں کی براہوئی زبان میں بنیادی ذخیرہ الفاظ' لسانی ساخت اور نسلی وحدت میں مماثلت پائی جاتی ہے جو قدیم دور میں ایک ہی نسلی اور لسانی بنیاد کے ہونے پر دال ہے۔

کامل القادری براہوئیوں اور دراوڑوں کو نسلی طور پر ایک قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''بلحاظ رنگ اور دوسرے تمام خصوصیات یہ لوگ (براہوئی) جنوبی ہند کے باشندوں سے زیادہ مشابہہ ہیں......''(۱۵۶)

ڈاکٹر مظفر حسن ملک بھی اسی رائے کے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں کہ:

''تمام محققین لسانیات اس امر پر متفق ہیں کہ براہوئی زبان کا دراوڑی خاندان السنہ سے تعلق ہے' اگر اس نظریے کو درست مان لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ براہوئی بھی دراوڑی نسل ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔''(۱۵۷)

خاطر غزنوی تحریر کرتا ہے کہ:

''رنگت اور دوسرے جسمانی ساخت کے لحاظ سے وہ (براہوئی) جنوبی ہندوستان کے دراوڑ لوگوں سے ملتے جلتے ہیں......''(۱۵۸)

سندھ کے نامور محقق حبیب اللہ صدیقی لکھتا ہے کہ:

''لسبیلہ' قلات' خاران اور چاغی کے بروہی بھی دراوڑی النسل ہیں......''(۱۵۹)

وہ آگے تحریر کرتا ہے کہ:

''بلوچستان کے بروہی' سندھ کے مانگر مُہانے سری لنکا اور تامل ناڈو (جنوبی ہندوستان) کے تامل دراوڑی نسل کا تسلسل ہیں......(۱۶۰)

یوری گنکوفسکی رقمطراز ہے کہ:

''آج کل کے پاکستان میں بروہی قومیت جو بلوچستان کے مرکز میں آباد ہے قدیم دراوڑی بولنے والی آبادی کی ہی باقیات ہے......(۱۶۱)

جارج ایف ڈیلیس کے کہنے کے مطابق ماہرین بشریات کی تحقیق کے مطابق نسلی طور پر وادی سندھ (بشمول بلوچستان) کے قدیم باشندوں اور موجودہ دور کے لوگوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔(۱۶۲)

ڈاکٹر مظفر حسن ملک ایک بھارتی ماہر کے حوالے سے تحریر کرتا ہے کہ:

''ایک بھارتی ماہر نے تقریباً دو سو ڈھانچوں کا تفصیلی معائنہ کیا ہے۔ اسے جو کاسہ ہائے سر ملے ہیں ان کی بناء پر اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس دور میں بھی ہڑپہ اور موہن جودڑو کی آبادی آج کی پنجاب اور سندھ کی آبادی سے چنداں مختلف نہ تھی......''(۱۶۳)

اگر ماہرین کی تحقیق کے مطابق سندھ اور پنجاب کی قدیم اور جدید آبادی اور نسلوں میں کوئی

فرق نہ تھا بلکہ ایک تھے تو یہ آخر کون تھے؟ اس کے متعلق ایک نامور محقق لکھتا ہے کہ:

''سندھ وادی کی مجموعی کھدائی سے چالیس انسانی ڈھانچے ملے ہیں۔ ان کی جانچ پڑتال سے ماہرین کے مطابق وہ دراوڑ نسل سے مشابہت رکھتے ہیں۔......''(۱۶۴)

یہی محقق آگے رقمطراز ہے کہ:

''کچھ کھوپڑیاں موہنجودڑو کی کھدائی سے سنتھالوں' کولوں کے ساتھ دراوڑوں کی ملی ہیں......''(۱۶۵)

قدیم سندھ' بلوچستان اور ہڑپہ کی آبادی دراوڑ تھی۔ براہوئی اور قدیم سندھی نسلیں بھی دراوڑ ہیں۔ اس لیے آج بھی قدیم اور جدید سندھی بلوچستان اور پنجاب کی نسلوں میں وہی پرانا خون اور نسلی تسلسل برقرار آ رہا ہے۔

قدیم براہوئی اور قدیم سندھی نسل کے لوگوں (شکاری اور مچھیرے مہانے) کا ایک ہی نسل سے تعلق تھا۔ ڈاکٹر گوہا نے ۱۹۳۱ء میں بشریاتی تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ سندھی' براہوئیوں کے مقابلے پر تھوڑے سے لمبے اور گول سر والے ہیں' اور کی ناک لمبی ہیں لیکن سندھیوں کے ہاں سر کا گنبد ذرا اونچا اور حلقہ ہائے چشم کی درمیانی چوڑائی براہوئیوں کی نسبت زیادہ ہے۔ یہ اعداد و شمار دونوں نسلوں کے درمیان جہاں نسلی ارتباط کے مظہر ہیں وہاں اس بات کی غماز بھی ہیں کہ براہوئیوں کے ہاں ایک چوڑی ناک والی لمبی اور اونچی کھوپڑی والی نسل بھی بنیادی طور پر موجود ہے(۱۶۶) بلوچستان کے علاقوں قلات' نال' شاہی تمپ اور سندھ کے متعدد مقامات سے دستیاب شدہ ڈھانچوں کے بشریاتی تجزیہ سے یہ واضح ہوا ہے کہ یہ سارے ڈھانچے ڈولیچوسیفا لک نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔(۱۶۷)

ہڑپہ کوٹ کے جنوب میں واقع قبرستان کی کھدائی سے ایک سو آٹھ انسانی لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ ان کی کھوپڑیوں کے تحقیقی مطالعہ سے ثابت ہوا ہے کہ وہ سب ڈولیچوسیفا لک خصوصیات کی ہیں۔(۱۶۸) ڈولیچوسیفا لک خصوصیت بحیرہ رومی نسل کی اہم خصوصیت تھی اور وہ دراوڑی نسل کے لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ رولینڈ جی۔ ایل برٹن تحریر کرتا ہے کہ:

"The fair Mediterranean type is predominant in northwest India but may be found in

smaller proportions all over north India up to the Dravidian speaking south....."(169)

بلوچستان' سندھ' پنجاب اور دوسرے مقامات کے ٹیلوں سے ملنے والے برتنوں پر نقش' رنگوں اور تصاویر کو ماہرین آثار قدیم نے ''بحیرہ رومی'' لوگوں کی یادگار قرار دیا ہے۔ جیسے کہ سر جان مارشل لکھتا ہے کہ:

"The Indus valley was an intrusive civilization emanating from further west. Painted pottery and other objects somewhat analogous to those from Mohen-jo-Daro and Harappa have been found in Balochistan and there are linguistic reasons for believing that it was by way of Balochistan; that the Dravidian races Thought by some writers to have been originally connected with the Mediterranean) entered India......"(170)

برٹن آگے جنوبی ہندوستان کے دراوڑ نسل کے لوگوں بمعہ براہوئیوں کو ڈولیچوسیفا لک خصوصیات کا مالک قرار دیتا ہے۔ وہ رقمطراز ہے کہ:

"Dolichocephalic (long-headed), brown-skinned, with wavy hair, is also found in the western Ghats...... Examples are the Kannada- speaking Kurumbas from the Nilgiri hills, the Telugu- speaking chenchus and Tamil- speaking yeruvas from the Eastern Ghats...... This category is also widely represented among the adivasis from central India, the Dravidian-speaking khonds and Oraons, the Munda, speaking juangs, Birhors, etc,...... In the ...... Dravidian-speaking Todas...... the Kodagus from coorg, and the Nayars from Kerala, for instance, belong to one or the other of these types.... that The Dravidian Brahuis.... in the north of sub continent...."(171)

یعنی قدیم وڑاکوئی یا قدیم براہوئی' موجودہ ہندوستان کے دراوڑ' سندھ اور بلوچستان کے

قدیم نسلی گروہ ایک ہی نسلیاتی خصوصیت ڈولیچوسیفا لک کے مالک ہیں جن کا ہندیورپی نسلیاتی گروہ سے کوئی تعلق اور اشتراک نہیں ہے کیونکہ وہ برانیکوسیفا لک خصوصیات کے مالک ہیں۔

قدیم سندھی تہذیب بشمول بلوچستان اور پنجاب کے آثارات سے جو تحریری نمونے ملے ہیں۔ ماہرین کے ان کو دراوڑی زبانوں کی ساخت سے اشتراک کی گواہی دی ہے۔ جیسا کہ اراوا تھام مھادیون لکھتا ہے کہ:

"Systematic studies of the Indus script, using scientific methods of statistical positional analysis have led the investigators to the conclusion that the Harappan language is typologically non Indo- European and resembles the Dravidian languages closely……. In particular, it appears that the Harappan language was mono-syllabic and of the suffixing type with a Dravidian, like word- "order"........"(172)

اس لیے ماہرین آثار قدیمہ اور لسانیات سندھ تہذیب اور مہرگڑھ کی تہذیب کی زبان کو دراوڑی بالخصوص براہوئی زبان قرار دینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلی بار سرجان مارشل نے موہن جودڑو کی زبان کو دراوڑی اور بالخصوص براہوئی سے قریب تر بتایا۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"The Indus civilization was pre-Aryan and the Indus language or languages must have been pre-Aryan also, possibly, one or the other of then (if, as seems likely, there was more than one) was Dravidic. This for three reasons, seem a most likely conjecture first because the Dravid speaking people were the precursors of the Aryans over the most of the northern India….. The Brahuis Balochistan have preserved among themselves an island of Dravidic speech which may well be a relic from pre-Aryan times when Dravidic was perhaps the common language of these parts…."(173)

پیرومریگی نے ۱۹۳۴ء میں پہلی بار سندھ تہذیب کی تحریر کو براہوئی زبان کا قرار دیا۔ ایک جگہ لکھا ہے:

"P.Meriggi classified the language of the inhabitants of the Indus valley as Proto-Brahui........."(174)

لیکن ان کو براہوئی زبان پر دسترس نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نتیجے نکالنے میں مایوسی ہوئی۔ جیسا کہ پارپولا تحریر کرتا ہے کہ:

’’جس میں اس کا نکتہ نظر بروہی واحد زبان تھی جس کا امکان مناسب تھا لیکن اس کی آوازوں اور ادائیگی کے مطالب سمجھنے میں مایوسی کا اظہار کیا......‘‘(۱۷۵)

جی آر ہنٹر، پیرومریگی کے بعد دوسرا ماہر تھا جس نے سندھ تہذیب کے لوگوں اور ان کی زبان کو براہوئی کے ماسوائے اور کوئی دوسری زبان ہونے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ لکھتا ہے کہ:

’’امکان ہے کہ آریاؤں کے ہندوستان میں داخل ہونے سے پہلے سندھ تہذیب میں پہلے ہی دراوڑ موجود تھے۔ جنھوں نے اس وادی کو آباد کیا اس نسل کی باقیات سے بروہی قبیلہ ہے جو ہمسایہ علاقوں میں آج بھی موجود ہے......‘‘(۱۷۶)

ہنٹر آگے تحریر کرتا ہے کہ:

’’میں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہوں کہ سندھ تہذیب کے لوگ سنسکرت زبان نہیں بولتے تھے یہ بات اس سے بھی زیادہ غلط ہے کہ وہ فنیقی یا یونانی زبان بولتے تھے۔ امکان یہ ہے کہ موہن جودڑو کے لوگ براہوئی نسل کے آباؤ اجداد ہیں جس کا اشارہ میں پہلے بھی دے چکا ہوں۔‘‘(۱۷۷)

آسکو پارپولا وادی سندھ کی تہذیب کی زبان کو پروٹو دراوڑی قرار دیتا ہے جسے ہم نے قدیم وڑا کوئی نام دیا ہے۔ جس سے موجودہ ساری دراوڑی زبانیں پیدا ہوئیں۔ وہ رقمطراز ہے کہ:

"The language is, an early form of Dravidian called by us "Proto-Dravidian". It appears to

be very close to the south- Dravidian, as especially Tamil and decidedly younger than the parent language of all Dravidian languages......"(178)

آسکو پار پولا چار سال بعد اپنے ایک اہم مقالہ میں بغیر نام لیے سندھ کی تہذیب کی زبان کو براہوئی قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''سندھ تہذیب کے لوگوں کی زبان شمالی دراوڑی زبان کا محاورہ ہوگا جواب پہاڑوں کی وادی افغانستان کے بیابانوں اور بلوچستان میں بولی جاتی ہے۔ اس کے کرخ زبانوں سے بھی رشتے ہوں گے۔ جو شمالی ہندوستان، نیپال، مدھیہ پردیش، اوڑیسا، بنگال اور آسام میں بولی جاتی ہیں......''(۱۷۹)

براہوئی زبان سندھ کے شمال مغربی بلوچستان، افغانستان، ایران، ترکی، مشرق وسطیٰ وغیرہ میں بھی کثیر التعداد لوگوں کی مادری زبان ہے۔ جغرافیائی محل وقوع کے مناسبت سے اسے شمالی زبان قرار دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے ماہرین نے اسے دراوڑی زبانوں کے شمالی گروہ کی زبان کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ ہم نے اس زبان کو قدیم وڑاکوئی (قدیم براہوئی یا قدیم دراوڑی) قرار دیا ہے۔ آسکو پار پولا نے واضح طور پر سندھ کی تہذیب کے لوگوں کی زبان کو شمالی دراوڑی یعنی قدیم وڑاکوئی (قدیم براہوئی) کا ایک محاورہ (Dialect) قرار دیا ہے۔ ماہرین لسانیات اب بھی سندھ تہذیب کی زبان کی بنیاد کو شمال دراوڑی قرار دیتے ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"The Current hypothesis is that the Indus valley langauge was North Dravidian due to their sporadic distribution in Pakistan, Eastern India and Nepal.............."(180)

جدید ساری دراوڑی اور سندھی زبانیں شمالی قدیم وڑاکوئی (قدیم براہوئی) سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس بات کا اشارہ ڈی پی شرما بھی دیتا ہے کہ:

"There is a strong possibility that Indus language..... was proto-Dravidian either archaic Tamil or Brahui...."(181)

کچھ ماہرین نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ ہڑپہ تہذیب یا ارض پاکستان کی واحد اور پہلی زبان براہوئی تھی۔ جیسا کہ ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ:

''ہمارے نزدیک یہی (براہوئی) زبان اس ملک کی پہلی زبان ہے......''(۱۸۲)

مہادیون بھی اسی بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سندھ کی تہذیب کی زبان جسے ماہرین ''پروٹو دراوڑی'' قرار دیتے ہیں دراصل وہ ''پروٹو براہوئی یعنی قدیم وڑاکوئی'' زبان ہے۔ جیسا کہ وہ رقمطراز ہے کہ:

"The Harappan language is totally lost without any surviving descendent..... No doubt Brahui in Indus region is only proto-Dravidian language... which shows link with Indus language..... "(183)

ڈی پی شرما واضح طور پر مہادیون کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ:

"The early Indus valley people spoke Proto-Brahui language.."(184)

ڈی پی شرما آگے آسکو پار پولا کے ساتھ سندھ کی تہذیب کی زبان کے حوالے سے دعویٰ کرتا ہے کہ:

"Author and parpola concluded Brahui was first language of Harappan."(185)

ماہرین بشریات، آثارات، لسانیات اور تاریخی حقائق کی رو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وسطی حجری دور اور جدید حجری دور میں جو دراوڑی نسلیں وجود میں آئیں وہ اصل میں قدیم ترین وڑاکوئی اور قدیم وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی تھے۔ قدیم سندھی تہذیب بشمول موہن جودڑو، ہڑپا اور دوسرے ہم عصر تہذیبی مراکز میں جو زبان بولی جاتی تھی وہ قدیم شمالی وڑاکوئی یعنی براہوئی زبان (یعنی جدید ہجری دور کے زبان) کا محاورہ تھا۔ آریاؤں کے بعد جنوبی ہند کے وڑاکوئی (براہوئی) قبیلے یا نسلی لوگ جنوبی شمالی اور وسطی علاقوں میں تقسیم ہو کر بس گئے۔ تو ان کی زبان نے مختلف مقامی اور غیر مقامی زبانوں کے اثرات سے دوچار ہو کر مختلف زبانوں کا روپ اختیار کیا جو دراصل قدیم وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی سے پیدا شدہ یا مشتق ہیں۔

کامل القادری اس بات کا اقرار ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

"متعدد شواہد ایسے پیش نظر ہیں جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ براہوئی وادی سندھ کی عمومی زبان تھی اور شمالی ہند کی ڈراوڑی زبانیں اس کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں......"(۱۸۶)

بہت سا عرصہ بیت جانے کے بعد دراوڑی زبانوں کا براہوئی زبان سے ناطہ اور رابطہ ٹوٹ جانے کے باعث اور علیحدہ غیر براہوئی زبانوں کے اثرات کی وجہ سے ان کے روپ تبدیل ہو گئے ہیں۔ اس لیے ماہرین لسانیات کو ان کو ایک بنیاد یا قدیم وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی سے پیدا شدہ قرار دینے میں تامل محسوس ہو رہا ہے۔

آج بھی براہوئی زبان کا اپنے ہم لسان جنوبی ہند کی دراوڑی (قدیم وڑاکوئی' براہوئی) سندھی (سرائیکی' پنجابی' سندھی اور بلوچی زبانوں کی تبدیل شدہ صورت ہے) پنجابی سے بنیادی ذخیرہ الفاظ اور بنیادی گرامری ساخت میں بالکل اشتراک رکھنے کی بڑی وجہ ہی یہی ہے کہ یہ سب زبانیں قدیم وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی سے مشتق ہونے کا دلیل ہے۔ براہوئی اپنے ہمسایہ زبانوں میں جتنا سندھی زبان سے لسانیاتی اشتراک رکھتی ہے اتنا کسی اور سے نہیں۔ سندھی زبان کے متعلق اب دراوڑی نظریہ سامنے آیا ہے۔ اگر سندھی دراوڑی زبان ہے تو ضرور اس کے بولنے والے اور علاقوں کے نام بھی دراوڑی ہوں گے۔ اس حوالے سے بہت سے شواہد ملتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ سندھ لفظ جسے ماہرین نے آریائی یعنی سنسکرت زبان کا لفظ قرار دیا ہے۔ جیسے مشتاق الرحمٰن لکھتے ہیں:

"سندھ کا نام سنسکرت لفظ سندھو سے لیا گیا ہے اس نام کو آریاؤں نے سندھ دریا پر رکھا تھا جس کو بعد میں گریک زبان میں انڈوس (Indus) اور لاطینی میں "سنتھوس" (Sindthos) اور "ہندوس" (Hindos) کہا گیا۔ مقامی طور پر اس دریا کو آج بھی 'سندھ' یا "سندھو" کہا جاتا ہے۔ 'ہند' لفظ میں تو صرف [س اور ھ] کی صوتیاتی تبدیلی ہے..........."(۱۸۷)

لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ اگر آریاؤں نے اس دریا کا نام 'سندھو' رکھا تو اس سے پہلے دراوڑ اور منڈا قبائل کے دور میں اس کا کیا نام تھا؟ اس کے متعلق کوئی جواب نہیں دیتا۔ دراصل 'سندھ' لفظ ہند یورپی نہیں بلکہ دراوڑی لفظ 'سِد' (Sid) سے نکلا ہے جس کے معنی بہنا اور آبی زمین

ہے۔ فادر ہیراس، موہن جوڈرو سے دستیاب شدہ مہروں کی تحریر سے اسے 'سِد' یعنی پانیوں کی سرزمین ثابت کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ:

"The Dravidian tradition was originally called the Sidha tradition. The word 'Sid' found in Mohen-jo-Daro, Harappa inscriptions was the original name of India. The derivation of Sid, Sindhu...... It is noteworthy that the meaning of the word sid and 'Sindhu' related to 'flow' or 'spill' and to think or worry. In the Dravidian langauges like Tamil and Telugu, the word Sindhania and Sindha, have the same meaning even to day....... According to Father Heras, the Mohen-jo-Daro inscriptions speak of the country of Sid which is just indicate of the land watered by the later Sindhu or Indus."(188)

براہوئی زبان کا لفظ "سیم" (Seem) یعنی سَند اور حد فاصل کے ساتھ مانگ عورت کی اسی سے مشتق ہیں۔

۲۔ سندھ میں آج بھی مُہانے' رِڈ' ناریجو' ماچھی' دابی' اوڈ' بوبک' پکی' کوریجو' وَدھیا' مینگل' پندرانی' گائینچو' گورک' براہوئی' کوڈ' بڈانڑی' گنڈ (براہوئی)' کرنڑ (براہوئی) اور دوسرے قبائل اور طائفے دراوڑی نسل کی باقیات ہیں۔

۳۔ براہوئی اور سندھی زبانوں میں صوتیاتی، تشکیلاتی اور نحوی مماثلت ہے۔

۴۔ براہوئی اور سندھی زبانوں کے دراوڑی الاصل ذخیرہ الفاظ میں بھی کچھ صوتی تبدیلی کے ساتھ ان میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً

براہوئی	سندھی	اردو
ہِکنگ/ہڈکی	ہڈکی	ہچکی
پڈ/پیٹھی	پیٹ	پیٹ
پَد	پھٹی	پیٹھ

کوپہ	کلھو	کاندھا
او	ہو	وہ
خُتنگ	کھوٹڑ	کھودنا
ہیٹ	اَیٹ	بکری کا بچہ
چُو پنگ/چوشنگ	چوسڑ	چوسنا
کتار	کاتی	کٹار
مون	مُنھں	مُنہ
مون ڈروک	مھانڈہ	مُنہ
دیر	کیر	کون
بِن	بُد	سنو
کاخو	کان ءُ	کوا
کھوڑال	کوڈر	کھدال
اَڈ	اڈ/واہی	نہر
ناڑی	ناڑی (مُلک)	ناڑی (مُلک)
کھونڈنگ	کھوٹڑ	کھودنا
مُچ/مُٹّ	مُٹھ	مُکا
کٹنگ	کُٹڑ	کوٹنا
چَٹ (گنوک)	چَٹ/جَٹ	پاگل
وَٹ (کھیب)	وَٹ (وَیجھو)	قریب
اَنڑی (اَڑ)	اَنڑی	کنڈا
پِٹی آ	بھینڑ	بہن
اَڑیل	اَڑیل	بہادر آدمی
وَٹ، وٹنگ	وَٹڑ	تاؤ دینا
کٹنگ (گڈنگ)	کُٹڑ	کاٹنا

کھوڑ	کھوڑ	زیادہ
گٹلو	گلو	گلہ
کتام	گدام	گھونسلہ
کلی، گلی	گھٹی، گلو	گلی
پانگ	پڑھنڑ	پڑھنا
چاچی	چاچی	چاچی
ٹُکر	ٹُکر	ٹکڑے کرنا
دیر	نیر	پانی/آنسو
پَٹ	پَٹ	میدان
پدا	پوئتی	پیچھے
مِلی	میجالو	مغز
وَل	وَل	درخت کا شاخ
بِٹ/بُٹ	بھٹ (بھٹ شاہ)	سطح زمین سے اوپر کا حصہ
بیٹھک	ویھک	بیٹھنے کی جگہ
ویلو	ویلو	وقت

سندھی زبان میں کچھ ایسے بھی الفاظ ہیں جو براہوئی میں مستعمل نہیں لیکن ان کی بنیاد دراوڑی الاصل ہے۔ مثلاً

سندھی (دراوڑی الاصل)	اردو
اوڑو (ہَر جو)	ہل کا راستہ
سوپو	گہری نیند
کنبھار	کمھار
جنو	ایک آدمی
پوتی (بھنیڑ)	بہن/دوپٹہ
مڑسالو (مڑس)	مرد

وَھڑو	گوسالہ
ویڑھو	محلّہ
کھنڑ	اٹھانا
موٹیل	ضعیف آدمی
ونیتی	گذارش
پوئتاں	پیچھے سے
سانڑ	ساتھ
ءِ	اور
پانڑی	پانی
وَنجُ	جاؤ
کارپ	کالا
جھگڑو	جھگڑا
جُھٹ (گڈ)	ایک ساتھ
وَسنڑ (مینھں جو)	برسنا
وَھَم	پریشانی۔سوچ
تالو	بندکرنا
ایکا (جیسے ایکا۔دھاکا)	سندھی ایکا
اِھو	یہ
پُکھی	پرندہ
مائی	عورت
ویری	دشمن
وِری (وریوں،سندو)	حدمفاصل الگ ہونا
ہَرُ	ہل
مَتھو	سَر

میرو	خراب
پَب (پیرجا)	پیروں کا تلا
بھید (راز)	راز
گڈ	ایک ساتھ
دھوئنڑ	دھونا
بھونکنڑ	بھونکنا
کھوتو	گدھے کا بچہ
مَتھے	اوپر
ہلنڑ	چلنا (۱۸۹)

ڈاکٹر غلام علی الانا کا سندھی زبان، دراوڑی اور براہوئی زبانوں کی ماں ہے، نظریہ سامنے آیا ہے، اس کا یہ کہنا کہ براہوئی، سنڈھوی سے مشتق ہے، نظریہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا (۱۹۰) کیونکہ:

۱۔ ڈاکٹر الانا، براہوئی زبان کو سنڈھوی زبان کی شاخ تو قرار دیتے ہیں لیکن اس ضمن میں کوئی لسانیاتی ثبوت پیش نہیں کرتے۔

۲۔ ڈاکٹر الانا نے براہوئی کو سنڈھوی کی شاخ تو قرار دیا ہے لیکن اس وقت جدید براہوئی اور جدید دراوڑی زبانوں کے مابین جو لسانیاتی ثبوت پائے جاتے ہیں کیا وہ سنڈھوی یا سندھی میں موجود ہیں اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔(۱۹۱)

۳۔ ڈاکٹر الانا، براہوئی کو سنڈھوی زبان کی شاخ قرار دینے کے لیے صرف جدید سندھی اور جدید دراوڑی زبانوں کے مابین لسانیاتی شواہد اور مماثلت پر بحث کرتے ہیں جب کہ براہوئی کا قدیم دراوڑی اور سندھی کے مابین کسی لسانیاتی اشتراک پر بحث نہیں کیا ہے۔

۴۔ اگر براہوئی اور سندھی میں کوئی لسانیاتی اشتراک موجود ہے تو وہ کیا ہے؟ اور ان کی بنیاد کیا ہے؟ یہ لسانیاتی اشتراک کہاں سے اور کب سے ہے؟ (۱۹۲)

اس بارے میں ڈاکٹر الانا بالکل خاموش ہیں۔ اس لیے اسے اپنے نظریہ پر براہوئی زبان کی بنیاد کے تناظر میں دوبارہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

اس پر ہم نے اپنی کتاب ’’براہوئی زبان کی بنیاد‘‘ میں تفصیلی بحث کی ہے۔ یہاں براہوئی اور سندھی کے مابین صرفی، نحوی، صوتی اور ذخیرہ الفاظ کا اشتراک دینا طوالت کا باعث ہوگا۔

ڈیوڈ میک الپین (David McAlpin) نے ایم بی ایمینو کا براہوئی زبان کو شمالی دراوڑی گروہ کی زبان قرار دینے کے نظریہ کو رد کیا (۱۹۳) اور براہوئی کو ایلامی دراوڑی زبانوں کے خاندان میں ایک اہم شاخ قرار دیا۔ (۱۹۴)

Elamo-Dravidian
- i. Elamile
- ii. Dravidian
- A. Northwest: Brahui
- B Dravidian proper
- 1. Northeast (=Kurwx-Malto)
- 2. Central:
- a: Kolami-parji
- b: Telugu-kui
- 3. South
- a. Tulu
- b. Tamil-Kannada

براہوئی ایلام کے ساتھ مہر گڑھ میں بھی آباد تھے۔ ایلام کے ایلامی پاکستان کے قدیم ترین وڑاکوئی تھے۔ جنہوں نے وہاں تہذیب قائم کی تھی۔ بلوچستان وسندھ میں مختلف علاقوں میں پہاڑوں، قبائل اور طائفوں کا جنوبی ہندوستان کے قدیم دراوڑ نسل کے ناموں کے ساتھ لسانی، تہذیبی اشتراک سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم وڑاکوئی (قدیم براہوئی یا پروٹو دراوڑی) ایلام (ایران)، ہندوستان، بنگلہ دیش، افغانستان میں بھی بود و باش رکھتے تھے۔ لیکن جب آریاؤں نے حملہ کیا تو ان سب وڑاکوئی (پروٹو دراوڑی) علاقوں میں لسانی، تہذیبی، مذہبی، تجارتی تبدیلی رونما ہوئی۔ آریاؤں کا زور سندھ کے علاقوں پر قبضہ جمانا تھا۔ اس لیے وہاں کے قدیم وڑاکوئی جوان کا مقابلہ نہ کرسکے نے دور دراز علاقوں کا رخ کیا۔ جن میں سے کچھ جنوبی ہند اور کچھ نے مزید ایلام کے علاقوں کو اپنا مسکن بنایا اور آریائی حملوں سے بچے اور وہاں اپنی تہذیب کی نئی بنیاد رکھی۔ جو وہاں کے پروٹو آسٹرلائیڈ اور دوسرے اقوام کے اثرات اور بعد میں آریائی اثرات کی وجہ سے ان میں لسانی اور کلچری تبدیلی واقع ہوئی۔ اسی طرح ایلامی علاقہ

بھی ایک ایسا علاقہ تھا۔ جہاں قدیم ترین وڑاکوئیوں نے اپنا مسکن مضبوط رکھا اور دوسرے غیر وڑاکوئی اقوام کی اثر سے ایلامی مشہور ہوئے۔

سندھ کے وڑاکوئی، آریائی اثرات کی وجہ سے سندھ دریا کی نسبت سے سندھی کہلائے اور شمال پہاڑوں میں بسنے والے لوگوں کو وڑاکوئی نام دیا جو بگڑ کر براہوئی مشہور ہوا۔

قدیم ترین وڑاکوئی اور قدیم وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی زبان سے جو زبانیں پیدا ہوئی ہیں ان کا شجرہ ذیل پیش کیا جاتا ہے۔

قدیم وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی زبان کا شجرہ

حسب ذیل قدیم وڑاکوئی کے صوتی، صرفی، نحوی اور بنیادی ذخیرہ الفاظ کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔ جنھیں ماہرین لسانیات نے قدیم یا پروٹو دراوڑی کی خصوصیتیں قرار دیں ہیں۔ لیکن کچھ ماہرین لسانیات کا یہ کہنا ہے کہ:

> "Since it does not retian any archaic features of Proto-Dravidian."(195)

اب یہ ایک مذاق ہے۔ قدیم دراوڑی خصوصیات جن کو ہم نے قدیم وڑاکوئی یعنی قدیم براہوئی قرار دیتے ہیں اور یہ ساری لسانیاتی خصوصیات ان کی اپنی ہیں۔ مثلاً

صوتیات

ا۔ قدیم دراوڑی زبان میں دس مصوتے ہیں:

i, i, u, u, e, e, a, a, o, o (196)

جب کہ براہوئی میں بھی دس مصوتے ہیں

a, a, e, e, i, i, o, o, u, u (197)

کرشنا ان میں سے چھ a,a, i, i, u, u, مصوتوں کو قدیم دراوڑی تسلیم کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

> "Brahui has unherited proto-Dravidian high and low vowels, short and long /a, a, i, i, u, u, ..."(198)

ان چھ مصوتوں کے علاوہ e,o,o مصوتے بھی قدیم دراوڑی سے اشتراک رکھتے ہیں۔ مثلاً:

o	او	توڑ	تور(۱۹۹)
o	اَو	تولا	تولہ(۲۰۰)
e	(اے)	تیڵ	تیڵ(۲۰۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ براہوئی زبان کے نو مصوتے پروٹو دراوڑی ہیں۔ ملاحظہ ہوں براہوئی کے مصوتوں کا لفظوں میں استعمال کا خاکہ:

براہوئی	چھوٹے مصوتے	پروٹو دراوڑی
خن	اَ	a-kan
اِرٹ	اِ	i-irant
مُتکن	اُ	u-mut
تیڵ	اے	e-tel
خو	او	o-ko
	لمبے مصوتے	
پاڵ	آ	a-pal
دِیر	اِی	i-nir
چُوپ	اُو	u-cuppu
خیسُن	اِی	e-keso
اَورا ے	اَو	o-oye(202)

۲۔ قدیم دراوڑی زبان میں سترہ مصمتے (Consonants) ہیں۔(۲۰۳)

جب کہ براہوئی کے ستائیس ہیں جو یہ ہیں۔(مصمتے کا چارٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ان میں سے p,m, t, n, t, l, r, t, n,l, c, w,y,k, t, یعنی ۱۵ آوازوں میں اشتراک ہے۔

۳۔ پروٹو دراوڑی روڑا کوئی یعنی براہوئی میں معکوسی آوازیں مشترکہ طور پر مستعمل ہیں۔ جو یہ

دراوڑی مصمتے

	Labial	Dental	Alveolar	Retroflex	Palatal	Velar	Glottal
Stops	p	t	t	t	c	k	
Nasals	m	n		n	n		
Laterals			l	L			
Flap/Approximant				z			
Glide	w		r		y		H

براہوئی مصمتے

Stops	p	b	t	d			t	d	k	g	?
Affricate					C	j					
Fricative	f								x	y	h
Spirant			S	Z	S	Z					
Nasal	m			n			n			(n)	
Lateral			l	L							
Flap			r				r				
Semi Vowel	w		y								

ہیں: ٹ، ڈ، ڑ، نڑ (۲۰۴)

۴۔ پروٹو دراوڑی اور وڑاکوئی کے سارے مصمتے چھ مخرج سے ادا کئے جاتے ہیں جو بعینہ براہوئی زبان میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے پندرہ مصمتے دونوں زبانوں میں اشتراک رکھتے ہیں جو یہ ہیں:

بندشی	p t t t k
اَنفی	m n n n
پہلوئی	Ïl
دستکی	r
مصیتی مسموع معکوسی	(The voiced retroflex countinue r
نیم مصوتے (۲۰۵)	w y H

۵۔ پروٹو دراوڑی/روڑاکوئی کے سارے مصمتے صوتیاتی حوالے سے چھ طریقوں سے ادا کئے جاتے ہیں۔ مثلاً

لبی	Libial (with lips)
دنتی	Dental (tongue touching the back of the upper teeth
لثوی:	Alveolar (tongue touching the upper ridge)
معکوسی	Retroflex (tip of tongue curued towards the palatal and bak
تالوئی:	Palatal (body of tongue touching the palate or roof of the mouth)
نرم تلوئی (غشائی/حنکی)	Uelar (back of tongue the velum or soft palate

۶۔ ماہرین لسانیات پروٹو دراوڑی زبان کے سترہ مصمتوں کا اپنے ارتقائی مراحل کے دوران مختلف مصمتوں میں تبدیل ہوکر موجودہ دراوڑی زبانوں اور براہوئی زبان میں جوں کے توں مستعمل ہونا بتاتے ہیں۔ ان ماہرین لسانیات نے جو پروٹو دراوڑی مصمتوں کی تبدیلی کے بعد جو مصمتوں کی موجودہ دراوڑی زبان میں مستعمل ہیں۔ ملاحظہ ہو تقابلی خاکہ:

براہوئی	پروٹو دراوڑی	براہوئی لفظ
kh, k	k	khras
kh	k	khan
kk	k	keragh
ng	nk	bining/tungan
c	c	ciring/curring
s	c	keesh/bas
s	cc	salum/masax
r,rr,r	t	murk/purruk
t	tt	gat/tataring/cut
t	t	irat
d	t	daring
dd	tt	guddu
p	p	poring
p	pp	puskun
t	kk	put
r,rr	r	biring
m	m	mili/mama
n,d	n,r	nir
n	n	hanen
x	k	xal
r,rr	r	pirring/kurr(eng)
r	r	mar
r	L	keragh
b	v	balun

f,v	v	avalenging
ۛr	r	harrifing
l,lh	l	palh
ll	ll	
d	y	der
d	t	ad
f	L	hefing
gh,g	g/L	margh
f	v	xaf
g	k	gat
h	h	ulli/hulli
u	h	huli
h	k	taho
m	L	mux
k	c	kireng
k	c	kuben
h	i	hining
x	g	xunzing
n	L	nan
r	L	ura
r	t	taring
r	n	pering
s	t	su
s	y	tusing
s	L	mash

t	k	put
x	kk	xaxo
n	n	paning
b	m	bei
t	t	tataring
t	l	(206) ee ut

۷۔ پروٹو دراوڑی زبان کے الفاظ یک رکنی (Monosyllable) ہوتے ہیں۔ کرشنا مورتی لکھتے ہیں:

> "A root can be a free form (word) without a zero formative, e.g. PD kal' stonx', an, cow, pu flower..........."(207)

بعینہ براہوئی زبان کے بہت سے الفاظ بھی یک رکنی ہیں۔ بہت سے الفاظ میں لمبے مصوتے استعمال ہونے کی وجہ سے وہ الفاظ دو رکنی معلوم ہوتے ہیں۔ دراصل وہ یک رکنی ہیں۔ مثلاً ''دَ'' (د+ا) کے معنی لے جانا ہے اگر یہاں لمبا مصوتہ "a" (آ) مستعمل کیا جائے تو دا (د+آ) ہو جائے گا، جس کے معنی ''یہ'' ہے۔ یہ سب یک رکنی الفاظ ہیں۔ دو رکنی الفاظ ان کو کہتے ہیں جن الفاظ میں دو مصوتے ایک ساتھ استعمال کئے گئے ہوں۔

حسب ذیل براہوئی زبان کے الفاظ یک رکنی ہیں اور پروٹو دراوڑی سے اشتراک رکھتے ہیں

براہوئی	اردو
بَہ	آؤ
کَہ	کرو
کَہ	مرو
مَہ	ہوجاؤ
دَ	لے جاؤ
تہ/تے	دو (دینا)
اے	وہ (دور)

او	وہ (قریب)
دا	یہ(۲۰۸)

۸۔ پروٹو دراوڑی زبان میں صرف لاحقے استعمال ہوتے ہیں ان میں سابقے اور میانے لگانے مفقود ہیں۔(۲۰۹) اسی طرح براہوئی زبان کے اپنے اصلی زبان ساخت میں صرف لاحقے لگائے جاتے ہیں۔ دوسرے غیر براہوئی الفاظ میں جو براہوئی میں مستعمل ہیں۔ ان میں سابقے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً

حالت فاعلی	ای	میں
حالت اضافی	کنا	میرا
حالت معفولی	کنے رکنکہ	مجھے رمیرے لیے
حالت مکانی	کنے آن	مجھے سے
حالت اوزاری	کنے اٹ	میرے ذریعے

۹۔ پروٹو دراوڑی زبان فعل ماضی کی تشکیل کے لیے نرم تالوئی 'k' کی آواز یا 'k' کا لاحقہ لگایا جاتا ہے جو بعینہ براہوئی زبان میں بھی مستعمل ہے۔(۲۱۰)

۱۰۔ پروٹو دراوڑی زبان میں فعل میں ایک سابقہ ''me'' استعمال ہوتا ہے جو براہوئی میں ''be'' میں تبدیل ہو کر بعینہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

بےشولنگ	be-sholing	نہانا
بے بالنگ	be-baling	گودنا
بے ہلنگ (۲۱۱)	be-halling	ناپ لینا

۱۱: پروٹو دراوڑی زبان میں فعل میں ایک اور سابقہ ''kir'' اور ''kiru'' لگتا ہے جو براہوئی میں ''ke-ki'' کی صورت میں اب تک مستعمل ہے مثلاً:

کہ دننگ	ke-daning
کہ ہڑسنگ	ke-harsing
کہ بننگ (۲۱۲)	ki-baning

۱۲: پروٹو دراوڑی زبان میں اُم (um) حروف عطف کے لیے استعمال ہوتا ہے جو بعینہ براہوئی میں اُم am اور ہم Ham کی صورت میں مستعمل ہے۔(۲۱۳)

۱۳: پروٹو دراوڑی زبان میں جنس کا مسئلہ نہیں ہے(۲۱۴) اسی طرح براہوئی میں بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ جیولز بلاخ تحریر کرتا ہے کہ:

"In the whole family, only Brahui does not recognize gender......"(215)

براہوئی زبان کے ساتھ بہت سے دوسرے ہندا ایرانی اور ہند آریائی ماخذ کی زبانوں مثلاً بنگالی' اُڑیا' کردی' ایرانی (فارسی)، بلوچی' واخی' سنگلاچی' کھوار' کلاشا اور دوسروں مین بھی جنس کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس لیے بہت سے ماہرین لسانیات کو یہ شبہ ہوا کہ براہوئی میں جنس کی ناپیدگی ہمسائیہ بالخصوص ہندا ایرانی زبانوں کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ جیولز بلاخ تحریر کرتا ہے کہ:

"The omission is due, as many other peculliarities of this language, to the Iranian surroundings........."(216)

ایم بی ایمینیو بھی اسی بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ:

"Since Brahui shows no trace at all of a gender system, Iranian influence can be postulated, Balochi or Persian (but certainly not Pashto)........."(217)

جوزف الفبائن براہوئی میں جنس کی ناپیدگی کو بلوچی زبان کا اثر قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"All Dravidian languages except two-Brahui and Toda- have kept the old gender system alive in something like its original form, whilst Brahui and Toda have lost it completely............ That the loss in Brahui is to be ascribed to Balochi influence. The latter, in common with most (but not all) west Iranian languages, gave up all gender distinction a very long time ago, probably in a proto-Balochi period. Both middle Persian (in all its forms) and Parthian show no trace of it already in the 3rd century A.D and

"Balochi, a near neighbour of Parthian in north, central Iran until middle sasanian times, must have lost it long before the Baloch began their migration to their present habitat."(218)

اس کے برعکس دراوڑی زبانوں میں جنس کے قواعد وضوابط موجود ہیں۔ اگر سارے جدید دراوڑی زبانوں میں جنس کے اصول مقرر ہیں تو پھر ٹوڈا میں جنس کیوں ناپید ہے۔ وہ بھی تو دراوڑی الاصل زبان ہے؟ جیسا کہ ایم بی ایمینیو کہتا ہے کہ:

"Toda in the far south has lost the gender system."(219)

چلو اگر براہوئی پر ہندایرانی اور دوسرے زبانوں کے اثرات کی وجہ سے جنس ناپید ہوگئی ہے تو ٹوڈا میں کیوں غائب ہوگئی؟

ایم بی ایمینیو' ٹوڈا میں جنس کے ناپید ہونے کو کوئی تحقیقی دلیل اور مثال دینے سے قاصر ہے۔ یعنی اسے ٹوڈا میں جنس کی ناپیدگی کا کوئی سبب نہیں ملتا۔ وہ کہتا ہے کہ:

"for no reason that can be identified"(220)

جبکہ اس کے برعکس براہوئی زبان میں جنس کی ناپیدگی کو ہندایرانی اور بالخصوص بلوچی زبان یا ہندیورپی اثر کے نتیجہ کا عذر ہاتھ آتا ہے۔ جیسے کہ وہ لکھتا ہے:

"Brahui also has lost it but here the cause can be found most of the Iranian languages have lost the Indo-European"(221)

اس کے علاوہ بہت سے منڈاری زبانوں میں بھی جنس ناپید ہے۔ جو دراوڑوں سے قبل یہاں موجود تھے' میں بھی جنس کا ناپید ہونا ایک اہم سوال کو جنم دیتا ہے۔

دراصل جو زبانیں قدیم یا زبانوں کی ماں (Parent Language) کہلاتی ہیں' ان میں جنس کا فقدان یا جنس ناپید تھا۔ قدیم تامل (Proto-Tamil) میں بھی جنس ناپید تھا۔ اجرام فلکی سورج' چاند' ستاروں' پہاڑوں' دریاؤں اور شہروں کے اصل دراوڑی نام جنس سے عاری ہیں۔ اعلیٰ زمرے کے کلموں کی جنس شخصی لاحقوں سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ لاحقے ضمائر اشارہ کے اختتامیے ہوتے ہیں۔ ملیالم اور کنڑ میں مذکر اور مونث پر دلالت کرنے والے کلموں کو بطور سابقہ استعمال کر کے جنس کا

اظہار کیا جاتا تھا۔ مثلاً: کلمہ ''پی دل'' جنس کا مظہر نہیں۔ دونوں زبانوں میں مرد اور عورت کے مترادف ملیالم اور کنڑ کلموں کو بطور سابقہ استعمال کر کے ''ان پی دل'' یعنی لڑکا اور ''پینڑتیٔ دل'' یعنی لڑکی بنا کر جنس کی تمیز کرتی تھیں۔ گونڈ میں اسم واحد حالت میں مونث نہیں۔ اس لیے ضمائر اور فعل سے بھی تانیث کا اظہار نہیں ہوتا۔ ٹوڈا اور کوٹا زبانوں میں ضمیر غائب جنس اور تعداد سے معرا ہیں۔ (۲۲۲)

اس کے باوجود جیولز بلاخ اور ایم بی ایمینیو دھوکہ کھا گئے ہیں۔ بشپ کالڈویل دھوکہ کھانے کے باوجود قدیم تامل میں جنس نہ پا کر مجبوراً اسے یہ لکھنا پڑا کہ:

"It may, indeed, be stated as a general rule that all primitive Dravidian nouns are destitute of gender, and that every noun or pronoun in which the idea of genders is formally expressed, being a compound word, is necessarily of later origin than the uncompounded primitives......"(223)

کالڈویل ایک اور جگہ تحریر کرتا ہے کہ:

"The Dravidian languages had a neuter pronoun of the third person at the earliest period to which their forms can be traced; but I suspect it was at a later period of their history that gender made its appearance in the verb When the Dravidians entered India their verb must, I think, have been without personal terminations, and therefore without gender..........."(224)

دیوی دتا شرما بھی منڈا اور دراوڑی زبانوں میں جنس کے نہ ہونے کا کہتا ہے۔ وہ لکھتا ہے

Most of the langusges of the Hamalayan group like those of the Munda and Dravidian groups are destitute of the concept of grammatical gender, i, e. from the grammatical view point all substantives in them are genderless. Natural gender has no bearing on the morphological structure of them(225).

اس سے یہ بات ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم تامل' ٹوڈا اور براہوئی میں اگر جنس کی خصوصیت ناپید ہے' تو وہ ہند ایرانی یا ہند یورپی زبانوں کے اثرات کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ان کی اپنی قدیمی خصوصیت ہے' جو وہ آج تک برقرار رکھے ہوئے چلیں آ رہی ہیں کیونکہ قدیم فارسی زبانوں میں سنسکرت کی طرح جنس کے تین اقسام تھے۔ جیسا کہ سدھیشور ورما تحریر کرتا ہے کہ:

> ''قدیم ایرانی میں جنس کے تین درجے مذکر' مونث اور بے جنس تھے............(۲۲۶)

جب قدیم فارسی زبان یا ہند ایرانی زبان' اپنے سے پہلے موجود مقامی زبانوں جنھیں علماء نے تورانی (اب یہ نام مستعمل نہیں) لکھا ہے اور دوسرے غیر ہند ایرانی زبانوں جن میں جنس ناپید تھا، سے صرفی' نحوی' صوتیاتی اور ذخیرہ الفاظ کے اثرات قبول کر کے ارتقاء کے مراحل طے کرتی رہی تو وہاں جنس کے تین درجوں کو بھی کھو دیا۔ جیسا کہ ورما صاحب تحریر کرتا ہے کہ:

> ''ان (یعنی جدید ہند ایرانی) زبانوں میں تذکیر و تانیث اپنے اپنے لاحقوں کے ساتھ بالکل مفقود ہو چکے ہیں............''(۲۲۷)

جب فارسی یا اور قدیم ہند ایرانی زبانیں جدید روپوں میں بولنے لگیں تو ان میں سے کئی زبانوں میں جنس کے درجات ختم ہو گئے تھے اور نئے یعنی قدیم دراوڑی (Proto-Dravidian) زبانوں کے جنس (جن میں جنس ناپید تھا) کے اصولوں کو اپنا لیا۔

ماہرین براہوئی زبان کو شمالی دراوڑی زبان قرار دیا تھا۔ کرشنا مورتی وسطی اور شمالی دراوڑی زبانوں کے گروہ کی زبانوں میں تذکیر و تانیث کے طریقوں کو قدیم دراوڑی (Proto-Dravidian) قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "The gender system occuring in the Central and North Dravidian languages represents the PDr. Situations......."(228)

کرشنا مورتی اپنی دوسری کتاب میں واضح طور پر براہوئی میں تذکیر و تانیث کے طریقوں کو قدیم دراوڑی قرار دیتا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں کہ:

> "Brahui......preserves the traces of Proto-Dravidian contrast in pronouns and in verb agreement....."(229)

حاصل مطلب کہ براہوئی زبان میں جنس کی ناپیدگی فارسی یا دوسرے ہند ایرانی زبانوں کے اثرات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی اپنی قدیمی براہوئی خصوصیت ہے' جسے وہ اب تک تسلسل کے ساتھ برقرار رکھتے ہوئے چلے آ رہی ہے۔ موجودہ جدید ہند ایرانی یا ہند یورپی زبانوں میں جنس کی ناپیدگی قدیم براہوئی (Proto-Brahui) اور دوسرے قدیم دراوڑی (Proto Dravidian) زبانوں کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔

۱۴: پروٹو دراوڑی میں عدد دو، واحد اور جمع ہیں۔ براہوئی میں بھی یہی دو عدد ہیں۔

۱۵: پروٹو دراوڑی زبان میں لاحقے اسماء اور ضمائر کے آخر میں لگائے جاتے ہیں اور وہ بالکل علیحدہ پہچانے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ پروٹو دراوڑی زبان کے ہر لفظ کا شروع اور آخر کسی نہ کسی مصوتے پر ختم ہوتا ہے۔ اس زبان میں شروع اور آخر میں مصمتی خوشہ نہیں ہوتا۔ (۲۳۰) کرشنا مورتی لکھتے ہیں:

> "Consonant clusters occure non-initially......"(231)

جیسا کہ:

Karanu - cry
elumbu - bone
adu - that

براہوئی زبان میں بھی یہی اصول مستعمل ہیں۔ براہوئی کے کچھ الفاظ کے آخر میں مصمتی خوشہ ملتا ہے جیسا کہ:

مَارْ	لڑکا
مسٹرُ	لڑکی
اِیڑُ	بہن

۱۶۔ براہوئی میں حالت آلی کے تین لاحقے اَٹ' تو' اور تون ہیں۔ یہ لاحقے جدید دراوڑی زبانوں میں عام ہیں۔ کرشنا مورتی براہوئی کے تو اور تون لاحقوں کو قدیم دراوڑی قرار دیتا ہے۔ وہ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"Brahui instrumental is marked by -at, du, at 'by hand', to/ -ton are used in instrumental -sociative meaning, and look very much like Te- to(n), e.g na mara -to, with your son na Ilum- ton with your brother, latta- to' with the stick -to(n) can be reconstruckted for Proto-Dravidian in view of their occurence in Telugu and Brahui......"(232)

۱۷۔ براہوئی میں کسی کو بلانے کے لیے اس کے نام یا رشتہ کے لفظ کو ادا کرنے کے بعد آخر میں ایک لمبا مصوتہ لاحقہ کے طور پر لگا کر حرف ندا کا مطلب ادا کیا جاتا ہے۔ جیسے:

ایلم+اے=ایلمءِ	اے بھائی
ابا+اے=اباءِ	اے ابا
ادا+اے=اداءِ	اے بھائی

اسی طرح دوسرے دراوڑی زبانوں میں یہی طریقہ اور لاحقہ مستعمل ہے۔ جیسے

Malayalam:	amma	mother
	amm + e	O mother
Telugu:	Hari	Hari (name)
	Har + I	O Hari
Parji:	gadid	Shepered
	Gad + i	O Shephered
Malto:	Maleh	Man
	Mal + e	O man (233)

۱۸۔ براہوئی زبان میں عدد شماری کے پہلے تین اعداد اسٹ‘ ارٹ اور مُسٹ قدیم دراوڑی سے اشتراک رکھتے ہیں۔ مثلاً:

ondu, or	asit(اسٹ)	ایک
iran-t-tu, ir, iru	irat, ira(ارٹ،اِرا)	دو
mun, mu, mu(234)	must(مُسٹ)	تین

۱۹۔ براہوئی ضمائر‘ قدیم دراوڑی سے اشتراک رکھتے ہیں۔ مثلاً

ضمیر متکلم واحد	اِی
ضمیر متکلم جمع	نن
ضمیر حاضر واحد	نی
ضمیر حاضر جمع	نم

اس بارے میں آندروف لکھتے ہیں:

"Br ni (ne-/n-) 'thou' num (num-) 'you' On the Proto-Dravidian level these pronouns are reconstructed in the form of nin (nin-) 'thou' nim (nim) 'you'......."(235)

آندرونوف آگے لکھتے ہیں:

"The Brahui pronoun num (num-) 'you' where the oblique base is also used for the nominative form, proves that this atternation may have taken place in Proto-Dravidian dialect..........." (236)

۲۰۔ براہوئی مشترکہ ضمائر بھی قدیم دراوڑی سے اشتراک رکھتے ہیں۔ اس بارے میں آندرونوف لکھتے ہیں:

"Br. ten (ten-) 'oneself', themselves'. Reconstruction of the reflexive pronouns on the Proto-Dravidian level in the form of 'tan (tan-) 'oneself' tan (tam-)' themselves involves no problems........"(237)

۲۱۔ براہوئی زبان میں اے، او بطور ضمیر اشارہ استعمال ہوتے ہیں۔ جو قدیم دراوڑی زبان سے مماثلت رکھتے ہیں۔ آندروف لکھتا ہے۔

"On the Proto-Dravidian level the demonstrative pronouns are reconstructed in the form of am' um, em, im.........."(238)

۲۲۔ براہوئی زبان کے ضمیر استفہام قدیم دراوڑی سے یکسانیت رکھتے ہیں۔ آندرونوف رقمطراز ہیں:

"de (Br. der' 'who')...... Br. ara (which' which, kind of)........ Br. am(r) how' point to the possible alternation -v/ -m/ -n in the base yav-..... These correspondences indicate that the interrogative base can be reconstructed on the Proto-Dravidian level in the form of a series yav-/ yam/ yan-/ yal-/ which was symmetrical to the series of the deictic base......."(239)

۲۳۔ براہوئی زبان میں حروف استفہام' اقراری حروف ندائی کے لیے اَو' ہو(o) استعمال ہوتا ہے جوقدیم دراوڑی سے اشتراک رکھتا ہے۔ آندرونوف لکھتے ہیں:

"But interrogative particles related to Ta, a whether, e' is n't it' o really' evidently existed in the Proto-Dravidian language itself..........."(240)

۲۴۔ براہوئی اور جدید دراوڑی زبانوں میں تکراری الفاظ بنانا عام ہے۔ براہوئی میں تکراری لفظ بنانے کے لیے'm' p' آواز کو تکرار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے:

اِرغ مِرغ	روٹی موٹی رکھانا وانا
پیسہ میسہ	پیسے ویسے
پچ مُچ	کپڑے مپڑے

آندرونوف اسی طریقہ کو قدیم دراوڑی قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"Br. ?it 'talk' ?itmit........ Most probably they have been inherited by the modern languages from Proto-Dravidian......"(241)

۲۵۔ براہوئی زبان میں 'ءَ (ہ) حروف عطف دو جملوں یا الفاظ کو ملانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

ای ءَنی	میں اور تم
ایلم ءَنی	بھائی اور تم
اوءَاے	وہ اور وہ (دور والا)

براہوئی کا یہ حروف عطف قدیم دراوڑی ہے۔ (۲۴۲)

نحو

۲۶۔ براہوئی اور قدیم دراوڑی زبانوں میں نحو میں جملوں کی ساخت سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں میں اشتراک ہے۔ کالڈویل دراوڑی زبانوں میں جملوں کی ساخت کے حوالے سے بتاتا ہے کہ:

i۔ فاعل سے وابستہ الفاظ' فقرے' اس سے پہلے استعمال ہوتے ہیں اور فاعل بعد میں آتا ہے۔

ii۔ جملہ کی عام ساخت کے مطابق فعل ہمیشہ جملہ کی آخر میں استعمال ہوتا ہے۔

iii۔ جملہ میں صفت ہمیشہ موصوف سے پہلے اور اس کے بالکل برابر استعمال ہوتا ہے۔

iv۔ جملہ میں ظرف ہمیشہ فعل سے پہلے اس کے برابر استعمال ہوتا ہے۔

v۔ حروف جار ہمیشہ اسم' ضمیر' صفت اور ظروف کے بعد آتے ہیں۔

vi۔ فاعل کے بعد مفعول آتا ہے۔

vii۔ مفعول سے تعلق رکھنے والے الفاظ اور فقرے ہمیشہ مفعول سے پہلے استعمال ہوتے ہیں۔ (۲۴۳)

دراوڑی زبانوں کی یہ نحوی ترتیب براہوئی نحوی ترتیب سے مکمل طور پر اشتراک رکھتی ہے۔ ذیل میں براہوئی جملہ پیش کیا جاتا ہے

سردار سکندر نا مار۔ دوست دُوئنا جوڑ کروکا تھوفک اَٹ اسہ غریبو بندغ ئس درو خلک۔

براہوئی کے اس جملے کی نحوی ترتیب اس طرح ہوگئی۔

فاعل سے وابستہ الفاظ	فاعل	مفعول سے وابستہ الفاظ
سردار سکندر نا مار	دوست	دوئنا جوڑ کروکا تھوفک اٹ اسہ غریبو

مفعول	فعل سے وابستہ الفاظ	فعل
بندغ ئس	درو	خلک

۲۷۔ قدیم دراوڑی زبانوں میں حروف جار اسم' ضمیر' صفت اور ظروف کے بعد آتے ہیں۔ جیسے:

Gondi: Paysan micuk
'without moner'
Kolami: imun vetta
'with you'
Naiki: apare kel 'to
the house'
Parji: iner hoke
'with whom' (244)

براہوئی میں حروف جار کے بطور Post Position کے طور پر استعمال ہونے کے بارے میں ایم ایس آندرونوف لکھتے ہیں:

"In other cases only postpositions are in use; e.g. Br. 'e ?uc ?ullian ba dudengik' that camel runs like a horse,.........."(245)

آندرونوف قدیم دراوڑی میں postposition کے استعمال کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

"It is evident that postpositions as a part of speech have developed in some of the langauges relatively late, that is after the disintegration of the Proto-Dravidian unity........"(246)

:۲۸ پروٹو دراوڑی زبان تالیفی (Agglutinative) زبانوں کے زمرے میں شمار ہوتی ہے۔اسی طرح براہوئی بھی تالیفی زبان ہے۔

:۲۹ پروٹو دراوڑی اور براہوئی زبان میں بنیادی ذخیرہ الفاظ میں بڑی یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔مثلاً

براہوئی	پروٹو دراوڑی
اَسٹ	oru (ایک)
اِرٹ	Ira (دو)
مُسٹ	muc (تین)
ام/ہم	um (بھی)
پن	pen (نام)
اے	adu (وہ)
دا	idu (یہ)

براہوئی	پروٹو دراوڑی
خن	kan (آنکھ)
آئی	ay (ماں)
مون	mey (رات)
کُن	un (کھانا)
بِن	vin (سننا)
بر بر (چمکنا)	min (روشنائی/چمکنا)
مِین (دلدل اور کیچڑ میں دھنسنا)	min (مچھلی/روشنی/جگمگانا)
کوٹ	kot (قلعہ/کوٹ)
پال	pal (دودھ)
وِل	vil (پیدا کرنا)
ہِین	in (بچہ جننے کے دوران کا عمل)
دیر	ir (نچلا حصہ)
کیرغ	Kiz,kir (کھودنا)
کُنت	Kutt (پرانا)
مُتکن	mutt (پرانا)
چوپ	cuppu (چوسنا)
ہول	ul (پریشانی)
ہنین	en (میٹھا)
اَر/ارے	er (ہونا)
ہل	eli (چوہا)
ارف/ہَرف	er (اُٹھانا)
خف	Kevi (کان)
کہ	ce(cey) (مرنا)
درو	her (کل/گذار ہوادن)
دَر/دَ	ner (جانا)

پٹی آ	Pettay (عورت/مادہ)
اے	e (وہ)
آر/ارغ	er (مرد)
پھر/پر	per (برسات)
بُٹ	bit (اُبھرا ہوا میدان)
چا	ter (جانا)
بر	ver (علیحدہ کرنا)
تیئش	tel (بچھو)
پیڑنگ	pen/r (لپیٹنا)
خیسُن	ke (لال)
سی	ey (گھی)
ہیٹ	ya/he (بکری)
تے	Tey,te,teye (دینا)
کے	key (کرنا)
چُر	cor (قطرہ قطرہ گرنا)
پُتنک	pot/tt (چھوٹا تھیلا)
خل	kol (پتھر)
تو (روکنا/پکڑنا)	tor/tot (چھونا)
خَر (ناراض ہونا)	korr (کالا)
اُرا	ul (اندر)
کرّک، کرو	kara (کنارہ)
خر (چلنا)	KaRa (بارہونا)
اَر، ہَر	arr (پھاڑنا)
مَش	maxa (بیٹا)
ہُر، ہُر	ur (دیکھنا)

پار/پان	pan (کہنا)
مَر/ہَس	mar (ہوگیا، ہو)
اَرے، اَس	a,an (ہے)
کُڈی	kudi (کھلیان کا گند کچرا)
پڈ	potu,pota (پیٹ)
تہو	take (ہوا)
کٹنگ	kuto (مارنا)
دتر	neter (خون)(۲۴۷)

۳۰: آسکو پارپولا نے قدیم سندھ کی تحریر کو پڑھا ہے۔ انھوں نے جو الفاظ دیئے ہیں وہ سب براہوئی زبان میں مستعمل ہیں۔ مثلاً:

قدیم سندھی تحریر	معنی	براہوئی لفظ
peeny	women	پٹی آ
penti		=
pentika		=
kotti	cot	کٹ
katili	cot	چُنکا/کٹ
meri	tail handle	مُچ
meti		مُچ
temp(tas)	drum	ڈھل
tema(las)		
meta	large earthern pot	مَٹ
min	fish, light	مِر مِر/ہمین اِننگ
katta	place	کوٹھی/کڈ
kattai	fort	قلعہ/کوٹ

atta	cross-crowise	اَٹا مٹا
ko	mountain	کو،کوہان
tandava	dance, leaping and jumping	لٹکی آ چاپ
jutta	coil of hair	جھنڈ،چُٹک
cutta	coil of hair	چوٹینگ
cuta		چوٹیلی
damara	double drum kettle drum mounted on and beaten before pricuces	دھال،ڈاھ
vala	strong	بلا
kan	(248)eye	خن،کانڑو

۳۱: فیئر سروس نے بھی قدیم سندھ کی تحریر کو پڑھنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے جو الفاظ دیئے ہیں وہ اب بھی براہوئی میں مروج ہیں مثلاً

قدیم سندھی تحریر	معنی	براہوئی معنی
meti	ploughtial	مُچ
parai	a rare from of drum	پَڑو
okat	one (249)	اَسٹ

۳۲: سندھ کے نامور ماہر لسانیات ڈاکٹر غلام علی الانا نے بھی قدیم سندھی تحریر کو پڑھنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے جو الفاظ دیئے ہیں وہ آج بھی براہوئی زبان میں مروج ہیں۔مثلاً:

قدیم تحریر	معنی	براہوئی معنی
Al-an	rule	اَل،اَرِ
pen	take care of	پِٹّ آ
margh-am / marul-al	possibly a shaman	مار،مڑد
amb-an	mother	اَماں

am-an		
ka(va)al	guard	کاوڑ
kavan	guard as eminet	کاوڑ
dandi(y)en	person	ڈنڈہ
kora(tn)	shepherd	کُھر،کُھری آ
mora,kal, mora	amount of quantity	مُوش
kol	rooster	کُڑ،کُڑ یا کُکڑ
cuc,cubba	pilli, tail	چُوچ(چُنکا پُتا)
pac (pat)	to set form of	پَگہ
podu	action to rise	پگہ
pagal	action to rise	پگہ
cuke	star as	چیلک
suk(k)u	lineage	چیلک
mane		مَنہ کاشم نا
manru		
tun(a)tun a	stake, piller	تھونڑی
kuti	store house, work hous	کوٹھی،کُڈ
am(b)(u)	nominative case ending	ہم،اَم
kuru(ka)	dig	کُھتنگ
aya,ay(ka)	mother	آئی
karadu	sheppered	گُڈ
matta,maŝta	measure	مَنڈ
paku	share, division	پکہ،چنک ئس

kiri, kiru	Kdative of person	کہ(اوڑبا کہ)
pan	song, music	پان(پانگ)
parai	song, music	پڑو،پا
para	communicate	
paradu		
mura	all, whole	مُچ
nir,ir	water	دیر
tin-ur	a proper name for an urban settlement	اُرا،تینا اُرا
padu(y)il	the locative which occurs regularly with this sign	پدھر،پڑ
oru	first, one	اَسٹ
mu(n)	number iii	مُسٹ
ki,kev	this should be translated as his (her)work, i.e belonging to (250)	کہ،کنا

۳۳: عطاء محمد بھنبھرو نے حال ہی میں قدیم سندھی تحریر کو پڑھنے کا دعویٰ کیا ہے جس میں سے کچھ الفاظ براہوئی میں اب بھی مروج ہیں۔ مثلاً

قدیم تحریر	براہوئی معنی
da,do	تِتنگ، تِس
bag,baga	بگ
a	آن (حروف جر)
bḥa	بھاز
pak	پک ئس (چٹک ئس)
pa	باوہ،ابا(۲۵۱)

ضمیمہ جات

ضمیمہ نمبر۱

میر چاکر رند۔ تاریخ کے آئینہ میں

میر گل خان نصیر کی کتاب ''تاریخ بلوچستان'' کی پہلی جلد ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔ اس میں انھوں نے چاکر رند اور گہرام لاشاری کو غیر سلیقہ مند، لٹیرا، غارت گر اور خانہ بدوش قرار دیتے ہوئے ان کا تذکرہ پانچ چھ لائنوں میں کیا۔ انہوں نے لکھا کہ:

''میر چاکر اور میر گوہرام کو حکومت کرنے کا کوئی سلیقہ نہیں تھا۔ اپنے آزاد قبائل کے ساتھ پہاڑوں اور وادیوں میں پھرنا، آبادیوں کو لوٹنا اور غارت کرنا، ان کو ایک جگہ بیٹھ کر حکومت کرنے سے زیادہ پسند تھا۔ وہ پیدائشی خانہ بدوش تھے۔ کسی جگہ پر جم کر بیٹھنا اور حکومت کرنا ان کی آزاد طبیعت پر بوجھ معلوم ہوتا تھا۔ صحرا اور کہستان کی آزاد فضا کو وہ شہر کی پابند زندگی پر ترجیح دیتے تھے..................۔(۱)

سردار محمد خان بلوچ نے ''بلوچ قوم کی تاریخ'' ۱۹۵۵ء میں لکھی جو میر گل خان نصیر کے ''تاریخ بلوچستان'' کا جواب ہے۔ اس تضاد کے بارے میں سلیگ ہیریسن تحریر کرتا ہے کہ:

''میر گل خان نصیر نے تو اپنی ایک تصنیف میں ایک رہزن کے طور پر میر چاکر کا تمسخرہ اڑایا ہے.......... محمد خان (سردار محمد خان بلوچ) کا رویہ دورُخی رہا ہے وہ اسے (میر نصیر خان نوری براہوئی کو) براہوئی حکمرانوں کی قطار میں بہترین قرار دیتا ہے لیکن اس کے نزدیک سب سے زیادہ قابل تعریف میر چاکر ہی ہے..........۔''(۲)

سلیگ ہیریسن آگے لکھتا ہے کہ:

''ایک گروہ جو خود کو نسلاً رندوں سے منسلک کرتا ہے چاکر خان کو قومی ہیروز میں

سے سب سے بلند مقام دیتا ہے مختلف قبائل کا ایک گروہ جو براہوئی کہلاتا ہے نصیر خان بلوچ (یعنی خان اعظم خان نصیر خان نوری براہوئی) کو بلوچ قوم پرست تحریک کا سب سے اہم نشان تصور کرتا ہے............۔''(۳)

عزیز محمد بگٹی بھی سلیگ ہیرسن کے باتوں سے متفق نظر آتے ہیں۔ وہ براہوئی اور بلوچ قوم کے مؤرخین کے درمیان اپنے اپنے ہیروز کو ایک دوسرے سے بہتر شخصیات قرار دینے کے متعلق تضادات کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''بلوچوں کے نامور مؤرخ میر محمد سردار خان بلوچ نے ان (میر چاکر رند) کو بلوچ تاریخ کی عظیم ترین شخصیت ''دی گریٹ بلوچ'' قرار دیا ہے جب کہ ایک دوسرے بلوچ مؤرخ میر گل خان نصیر نے میر چاکر کو ایک ڈاکو اور لٹیرا قرار دے کر خان نصیر خان نوری کو اس اعزاز کا مستحق قرار دیا ہے............۔''(۴)

عزیز محمد بگٹی اپنی کتاب کی شروعات ''میر چاکر خان رند'' کی سوانح سے شروع کرتا ہے اور پہلی لائن میں دعویٰ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''بلوچوں کی کوئی مستند تاریخ لکھتے وقت سب سے پہلے امیر چاکر خان کا نام ذہن میں آتا ہے..................۔''(۵)

موصوف ایک طرف براہوئی اور بلوچوں کو ایک قوم قرار دیتا ہے تو دوسری طرف ''بلوچوں کی مستند تاریخ'' کو ''میر چاکر خان رند'' کے نام سے شروع ہونا قرار دیتا ہے اور میر چاکر رند سے پہلے براہوئی قوم کے حکمرانوں میں میر قمبر براہوئی، میر میرو براہوئی، میر عمر خان براہوئی اور میر بجار خان براہوئی تک کا نام اور تذکرہ کرنا گوارہ نہیں کرتا۔ جنہوں نے غیروں سے آزادی حاصل کر کے بلوچستان کی سرزمین پر پہلی ''براہوئی حکومت'' قائم کی اور دنیا کی تاریخ میں ایک نئے شاندار حکومت اور حکمرانوں کے بابوں کا اضافہ کیا۔

بلوچ لکھاریوں نے براہوئی قوم کے اصل تاریخی اور حقیقی ہیروز کے مقابلے میں اپنے ہیروز کو بالاتر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ہر قوم کو اپنے ہیروز عظیم لگتے ہیں۔ بقول ایک محققہ کے کہ:

''ہر نیشنلزم کو ہیرو ازم کی ضرورت ہوتی ہے۔''(۶)

دراصل بلوچ مؤرخین اپنے ہیروز کے مقابلے میں براہوئی قوم کے عظیم اور نامور حاکم اور

ہیرو خان اعظم خان نصیر خان نوری کو بلوچوں کا قومی ہیرو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔اس سلسلے میں عزیز بگٹی لکھتا ہے کہ:

”جب میں نے معروضی نقطہ نظر سے میر نصیر خان نوری کو بحیثیت ایک حکمران کے سمجھنا چاہا اور ان کی سوانح اور دور حکومت کا تفصیلی مطالعہ کیا تو مجھے وہ ایک بلوچی حکمران نظر نہ آئے......۔“(۷)

موصوف نے خان اعظم براہوئی کو چاکر رند سے کم درجہ دینے کی پوری کوشش کی ہے حالانکہ تاریخی اور دستاویزی حقائق کے مطابق بلوچستان کی تاریخ میں ”میر چاکر رند“ نامی شخصیت جسے ”چاکر اعظم“ قرار دیا جارہا ہے کونامور مؤرخ اور محقق عبدالعزیز لونی اسطرح تسلیم کرتا ہے۔وہ لکھتا ہے کہ:

"A careful reading of the relevant Persian text suggests that Chakar Rind was not even "Mir" Chakar Rind was not even "Mir" Chakar Rind a title conferred on him by his well-wishers posthumously. He was one of the several ordinary Sub ordinate Hakims under the general command of, Afghan forces viz. Habit Khan Niazi- operating against the Balochs of Multan under the orders of Sher Shah Suri. Besides, for from being a hereo of Balochs, Chakar is Shown both by legend as well as history, as a notable who was a subordinate of Suri and Niazi Afghans......"(8)

لونی صاحب چاکر رند کو سبی کا حاکم تسلیم نہیں کرتا۔وہ رقمطراز ہے کہ:

"It will now be appropriate to clarify the fact and fiction about Mir Chakar Rind having or not having ruled Siwi between 1450-1550 A.D, the period assigned to his life and times by the Baloch historians. On the other hand all authentic books dealing with the history of Siwi during the 15th and 16th centuries fail to make any mention even of this name of this legendry hero."(9)

بلوچ مؤرخین کے غلط تاریخ نویسی کے بارے میں لونی صاحب لکھتا ہے کہ:

"Some Baloch scholars believe that the well-known Tarikhi Farrishta complied 1612A.D, contains a proof of the exploits of Mir Chakar Rind in the Siwi- Dhadar Area. This too is incorrect. I have consulted-

1. Two volume Urdu translation of Tarikh-i-Farashtah made from original Persian by Khawajah Abdul Hai M.A in November 1992 (vol-pages 708,709, 710).
2. English translation of Tarikh-i-Farashtah title History of the rise of the Mohmedan power in India. By Johan Briggs MRAS (vol-ll, pages 74, 75
3. Indo-Muslim polity (Truko-Afghan period) by Yousuf Khan Indian Institute of advanced Study SIMLA 1971.
4. Tarikh-i-Sher Shahi or Tuhfa-i-Akbr Shahi by Abbas Khan Sarwani compiled in 1579 (Manuscript No.219 in the catalogue of Persian Manuscript' in the Library of India Office London.)

The first two of the above-noted texts contain nothing about the so-called Rind Lashar wars and the legendry Baloch heroes of the Siwi-Dhadar area. There is, however, a mention of Ismail Khan, Ghazi Khan and Fateh Khan, the chiefs of the Dodai Baloch, having waited on Sher Shah Suri some where in the present Punjab area. This happened at a time when the vanquished kind Hamayun fled in the direction of Sind (1542- 1543A.D) and the victor Sher Shah had assumed formally the title of the kind of India............"(10)

میر چاکر رند کے حکمرانی کے متعلق لونی صاحب نے چاکر خان بلوچ' چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''بلوچی دنیا'' ملتان اور دوسرے بلوچ مؤرخین اور سیاستدانوں کو مناظرہ اور ثبوت دکھانے کے لیے دعوت دی لیکن بدقسمتی سے چاکر خان بلوچ' بلوچ مؤرخین اور سیاستدان سات مہینوں تک کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے۔ لونی صاحب اس واقعہ کو بیان کرتا ہے کہ:

"In March 1992 Chakar Khan Rind Baloch, editor of the monthly magazine "Balochi Dunya", Multan called upon the Baloch historians to come up with solid historical evidence to prove Chakar Rinds existence in Siwi. Even after seven months, as of October 1992, none had respond to his clarion call..........."(11)

بلوچستان کی تاریخ میں میر چاکر رند کو سبی کا حاکم مانا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی چالیس ہزار فوج تھی۔ یہ دعویٰ بلوچی زبان کے ایک شعر میں کیا گیا ہے جیسے کہ:

چل ہزار کے میرہ گوانکا

تے وہ غا' دادہ پوتروں

ترجمہ: چالیس ہزار نوجوان میر کے حکم کے تابع تھے۔

یہ تمام ایک ہی نسل (رند) سے ہیں

چل ہزار رندگوں بارہ غیں بوراں

ترجمہ: چالیس ہزار بہادر رند اپنے عربی گھوڑوں پر (۱۲)

جب شاہ بیگ ارغون ۱۵۱۰ء میں سبی پر حملہ آور ہوا تو بلوچی روایات کے مطابق چاکر رند سبی' فتح پور اور دوسرے علاقوں پر حکومت کرتا تھا۔ (۱۳) لیکن تاریخی حقائق کے مطابق اس دوران سبی پر پیرولی برلاس کی اولاد حکومت کررہی تھی۔ شاہ بیگ نے سبی کو فتح کیا۔ بقایا دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے فتح پور پر حملہ آور ہوا۔ وہاں برلاسوں نے اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے دولت شاہی' برغدائی' کورپائی اور دوسرے قبائل اکٹھے کر کے ارغونوں کا مقابلہ کیا۔ اگر سبی کا حاکم میر چاکر رند تھا تو ان کا چالیس ہزار اور گہرام لاشاری کی پچاس ہزار یعنی ایک لاکھ کے قریب (۱۴) فوج کہاں تھی؟ لیکن اس کے برعکس چندسو

بلوچ سبی کے حاکم پیرولی برلاس کی فوج میں شامل تھے۔ جیسے کہ میر محمد معصوم بکھری لکھتے ہیں:

''سن ۹۱۵ھ (۱۰-۱۵۰۹ء) میں......شاہ بیگ......سیوی......فتح کرلیا...... فتح پور' سیوی سے پچاس کوس کے فاصلے پر سندھ کی طرف واقع ایک قلعہ تھا۔ اب فتح پور ویران ہے لیکن اس کا قلعہ' عمارتیں اور محلات اب تک موجود ہیں۔ سلطان پیرولی کی اولاد' دولت شاہی' برغدائی' کورپائی اور نورگائی قبائل میں سے تقریباً دو ہزار سوار جمع کر کے مقابلہ اور جنگ کے لیے آئی۔ آخرکار شاہ بیگ کی فتح ہوئی اور ان میں سے کچھ قتل ہوگئے اور کچھ سندھ کی طرف بھاگ گئے............۔ (۱۵)

میر چاکر رند کے بارے میں پیش کیے گئے تاریخی واقعات کے تحقیقی مطالعہ سے یہ بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اسے سبی پر ۲۵ یا ۳۰ سال بطور حکمران دکھانا تو دور کی بات رہی بلکہ وہاں اس کی ایک گھنٹے کی بھی حکومت ثابت نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی نے بلوچستان کے مختلف اخبارات میں ''عہد نامہ مابین رند و لاشار'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے تحریر کیا کہ میر چاکر رند اور گورام لاشاری کے مابین قرآن شریف پر معاہدے ہوئے ہیں۔ (ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی کا رند اور لاشار معاہدہ کا عکس سامنے صفحہ پر ملاحظہ ہو) ڈاکٹر براہوئی لکھتے ہیں:

''رند لاشار کی لڑائی سالوں تک جاری رہی............آخرکار سادات بیچ میں آگئے انہوں نے جنگ بندی کرادی۔ فریقین کے درمیان صلح نامہ ہوا۔ دونوں قوموں کے سربراہوں سے قرآن مجید پر عہد نامہ لکھوایا گیا۔ ایک قرآن مجید کے اختتام پر سورہ الناس کی پشت پر میر چاکر اعظم خان رند کا عہد نامہ فارسی میں تحریر ہوا۔ جس پر آپ نے اپنی مہر ثبت کردی اور یہ قران مجید معہ عہد نامہ کے میر گورام خان لاشاری کے حوالہ کیا گیا۔ اسی طرح ان کے لیے بھی ایک عہد نامہ قرآن مجید کے اختتام پر سورہ الناس کی پشت پر لکھا گیا جس پر انہوں نے اپنی مہر ثبت کردی اور یہ قرآن مجید معہ عہد نامہ کے میر چاکر اعظم خان رند کے

سپرد کیا گیا۔ اس طرح دو عہد نامے سادات کی قرآن مجید پر تحریر کرائے گئے۔ جن پر دونوں حکمرانوں نے اپنی مہر ثبت کردیں۔ دونوں عہد ناموں پر سن ۹۵۷ھ تحریر ہے جو سن عیسوی کے مطابق ۱۵۵۰ء بنتا ہے۔

میر گورام خان لاشاری کا عہد نامہ فارسی جس قرآن مجید پر لکھا گیا اس کا نسخہ نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے۔

میر چاکر اعظم رند کا عہد نامہ جس قرآن مجید پر لکھا گیا وہ بقول قمر بلوچ صاحب (ریٹائرڈ سیکرٹری سی اینڈ ڈبلیو سندھ) کے وہ ایک خاندان کے پاس ہے جس کا ہدیہ وہ دس لاکھ روپیہ مانگ رہا ہے۔ سادات کا نسخہ جس پر دونوں حکمران کے عہد نامہ معہ مہر ثبت ہیں وہ قمر بلوچ صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہیں قمر بلوچ صاحب کے نسخہ پر میر علی شیر قانع ٹھٹھوی مؤلف تحفۃ الکرام (متوفی ۱۲۰۳ھ) کی مہر ثبت ہے............"(۱۶)

ڈاکٹر براہوئی "رند لاشار عہد نامہ" کی فارسی تحریر کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"میر چاکر اعظم خان اور میر گورام کے معاہدے کے الفاظ ایک جیسے تھے جن پر تحریر تھا کہ:

"اس معاہدے کا مقصد یہ ہے کہ میر چاکر اعظم خان اور میر گورام خان ہمیشہ سے باہمی دوستی اور بھائی چارگی اتحاد اور خوشی اور غم کے دنوں میں ایک دوسرے کے مددگار رہے ہیں۔ بدقسمتی سے زمانے کی شرانگیزیوں فساد اور ناہنجاری کے موجب' بلاوجہ اور بے سبب دونوں طرف سے کدورتیں اور غلط فہمیاں پیدا ہوئیں جو ایک تباہ کن جنگ کا باعث بنیں جس کے نتیجے میں دونوں جانب سے بہت سے جوان لقمہ اجل بنے اور یہ لاحاصل جنگ کئی سالوں تک متواتر جاری رہی۔ اس جنگ میں سوائے قتل و غارت گری' خونریزی' تباہی و بربادی مزید کوئی مفید اور بارآور نتیجہ نہ نکل سکا۔ ہم پر لازم ہے کہ گذشتہ کی طرح دوستی اور خلوص کے رشتے کو مضبوط کریں اور قتل و غارت سے دور رہیں اسی بناء پر دونوں جانب سے

عہد کرتے ہیں اور اپنے آپ کو پابند سمجھتے ہیں کہ کلام الٰہی اور اس کے جملہ امور کو گواہ بناتے ہوئے خالق کون و مکان اور رسول آخرزلزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ عہد کرتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ (یا ایھا الذین آمنو آ اوفو بالعقود) ترجمہ: اے! ایمان والو اپنے اقراروں کو پورا کرو کے مصداق مستحکم عہد کرتے ہیں کہ ظاہری اور باطنی طور پر دوستی اور خلوص کو برقرار رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کے بعد ہم ایک دوسرے کے دوست اور بھائی بن کر رہیں گے اور ایک دوسرے کے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھیں گے۔ اگر کسی وقت دونوں جانب سے کسی ایک سے بال برابر اس معاہدے کی خلاف ورزی ہوئی تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قہر و غضب میں گرفتار ہوگا اور قیامت کے دن اللہ اور رسول برزرگوار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور میں شرمندہ و شرمسار ہوگا اور یہی قرآن کریم اور کلام رب العالمین اس کا اور اس کی اولاد کا دشمن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ یہ عہد نامہ دونوں جانب سے نسل در نسل برقرار اور مستحکم رہے۔

مورخہ ۲۵ رجب المرجب شریف ۹۵۷ھ۔"(۱۷)

اس معاہدے کو بلوچی اور اردو کے لکھاری عبدالقادر رند نے مختلف شواہد اور دلائل کی رو سے رد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مورخہ ۱۱ جولائی ۲۰۰۹ء کے روزنامہ جنگ کوئٹہ میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی نے ایک مضمون عہد نامہ مابین رند و لاشار لکھا تھا۔ میر چاکر اور میر گواہرام کے عہد نامہ کی عکسی کاپیاں اور اس قرآن کے نسخے کا صفحہ بھی چھاپا گیا.......... نیز میر گورام لاشاری کا عہد نامہ فارسی جس قرآن مجید پر لکھا گیا ہے وہ نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے۔

۱۔ ان عکسی کاپیوں پر سن تحریر ۹۵۷ھ تحریر ہے۔ ۹۵۷ ہجری کے مطابق عیسوی سن ۱۵۳۶عیسوی بنتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں

۹۸۷ ہجری تحریر کیا گیا ہے۔ حالانکہ ۹۸۷ ہجری کے مطابق سن عیسوی ۱۵۵۰ نہیں بلکہ ۱۵۶۶ بنتا ہے۔

۲۔ تقریباً ساڑے چارسو (۴۵۰) برس قبل فارسی تحریروں میں تاریخ اور سن یوں لکھتے تھے مثلاً تاریخ پیدائش زید' سن جلوس ۲۵ رجب المرجب ۹۵۷ ہجری یا پھر شہر ۲۵ رجب المرجب ۹۵۷ ہجری تحریر کیا جاتا تھا۔ یہ مورخہ نہیں لکھا جاتا تھا۔

۳۔ میر چاکر رند کے عہد نامہ کے مُہر میں میر چاکر اعظم خان لکھا گیا ہے جس عہد میں یہ معاہدہ کیا گیا تھا اس زمانہ میں انہیں میر چاکر رند پکارا جاتا تھا میر چاکر رند کی حیاتی میں اسے چاکر اعظم خان کا لقب یا خطاب نہیں دیا گیا تھا بلکہ اس زمانے کے بلوچ قبائلی معاشرہ میں ایسے سرکاری القاب کا تصور تک موجود نہیں تھا۔

۴۔ (الف) ۲۶ جولائی ۱۹۶۵ء میں بلوچ تاریخ کے ابن خلدون میر محمد سردار خان بلوچ نے انگریزی میں The Great Baloch نامی کتاب لکھی۔ یہ کتاب بلوچی اکیڈمی نے شائع کی۔

(ب) ۱۹۸۸ء میں اس کا اردو ترجمہ سابق سیکرٹری عبدالغفار ندیم نے چاکر اعظم کے نام سے کیا۔

(ج) ۱۹۸۸ء میں PTV کوئٹہ مرکز سے چاکر اعظم ڈرامہ پروڈیوسر دوست محمد کشکوری نے پیش کیا۔ مولانا نور احمد خان فریدی' عارف ضیاء اور عطاء شاد نے اسکرپٹ تحریر کیا۔

(د) ۱۹۸۳ء میں بلوچی دنیا ملتان کے بانی مولانا نور احمد خان فریدی نے چاکر اعظم نامی کتاب لکھی۔

(س) ۱۹۶۵ء سے لیکر ۱۹۸۸ء تک چاکر اعظم کے لفظ سے کوئی واقف نہیں تھا۔ نہ ہی کسی قدیم روایت' شاعری میں چاکر اعظم لقب کا کوئی تذکرہ ملتا ہے۔

۵۔ میں ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۳ء کو نیشنل میوزیم کراچی گیا جہاں عام طور پر ہفتے کو تعطیل ہوتی ہے مگر اس دن بے نظیر بھٹو کے ذاتی فوٹو گرافر آغا فیروز کی تصویروں کی میوزیم میں نمائش تھی اور اس کا افتتاح شرجیل انعام میمن نے کرنا تھا۔ اس وجہ سے وہاں دیگر اسٹاف کے ساتھ میوزیم کے سپرنٹنڈنٹ انچارج قرآن گیلری محمد شاہ بخاری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں مذکورہ معاہدہ کے متعلق مضمون دکھایا اور میر گوہرام لاشاری والا نسخہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

محمد شاہ بخاری صاحب از راہ مہربانی خود چل کر قرآن گیلری آئے۔ قرآن پاک کے دیگر نسخے دکھائے۔ مگر ان میں میر گواہرام خان لاشاری کا نسخہ نہیں تھا پھر ہم دفتر میں آئے۔ تقریباً ایک گھنٹے سے بھی زیادہ دیر تک ہماری گفتگو ہوتی رہی۔ محمد شاہ بخاری نے مضمون میں چھپے ہوئے قرآن پاک کے نسخہ کے صفحہ کو دیکھ کر بتادیا کہ جس قران پاک (قلمی) کا نسخہ کا عکس یہاں دیا گیا ہے یہ کشمیری خطاطی کا نمونہ ہے اس کی عمر دو ڈھائی سو برس سے زیادہ نہیں۔

۶۔ معاہدہ میں میر گورام لکھا گیا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بلوچی زبان میں گواہرام یا گہرام کا تلفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ گورام کا لفظ بولان سے ڈی جی خان تک مشرقی یا کوہ سلیمانی لہجہ میں کبھی استعمال نہیں ہوتا۔ تاریخ میں لفظوں کی غلط ادائیگی مصنف کے زبان اور علاقہ کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ کس علاقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً بلوچ قوم کی شاخ جت کو عربی میں ''زط'' لکھا گیا ہے۔ ملتان کے گورنر میر چاکر رند کے ایک فرزند میران خان کو عقیدت مندوں نے میران شاہ کردیا۔ مولانا نور احمد خان فریدی اور دیگر بلوچ رہنماؤں نے اس مقبرہ پر دوبارہ میران بلوچ کا بورڈ لگا کر غلطی کی تصحیح کی۔

گورام کا لفظ خالصتاً سندھی لہجے کا لفظ ہے کیونکہ گہرام نام سندھیوں میں مروج نہیں۔ اس لیے وہ اسے صحیح تلفظ کے ساتھ ادا نہیں

کر سکتے۔ گورام کے ساتھ لاشاری بھی نہیں لکھا ہوا ہے اس سے یہ مغالطہ ہوسکتا ہے کہ کوئی ہندو۔ گو۔رام ہے......۔

۷۔ حیرت اور قابل فکر بات یہ ہے کہ معاہدہ قرآن پاک پر لکھا جاتا ہے پھر عالموں اور سادات کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اصل قرآنی الفاظ کو بدل دیا جائے۔ غلط کام کہیں نہ کہیں اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے............ میر چاکر رند اور گہرام لاشاری کے معاہدہ سے قبل کلہوڑہ اور خان قلات کے درمیان ایک جعلی معاہدہ کی گونج بھی سنائی دی تھی۔ میر چاکر اعظم خان' میر گورام خان جیسے غلط ناموں کا استعمال اور ۲۵۰ برس قدیم کشمیری خطاطی والے قلمی قرآن پاک کے نسخے کا معاہدے کے لیے استعمال معاہدہ مابین رند و لاشار کی حقیقت کو مشکوک اور غیر معتبر ثابت کرتے ہیں............۔'' (۱۸)

اس معاہدہ کو مزید رد کرنے کے لیے اور بھی بہت سارے منطقی اور دستاویزی شواہد موجود ہیں۔ مثلاً:

الف: بلوچ مؤرخین کے مطابق چاکر رند کی عمر ۱۴۵۰ء تا ۱۵۵۰ء ہے جو ایک سو سال بنتی ہے۔ کیا ایک سو سال کا ضعیف العمر شخص ذہنی اور جسمانی طور پر اتنا قوی ہوسکتا ہے کہ خود چل کر معاہدہ کرنے کا قابل ہو؟ کیا اس عمر میں اس کا کوئی جان نشین نہ تھا؟ جو اس عمر میں بھی وہ ہر چیز پر متصرف تھا۔

ب: بلوچ مؤرخین کی تحریروں کے مطابق ۱۵۱۲ء کے بعد گہرام لاشاری' رند و لاشار جنگ سے تنگ آکر اپنے شکست خوردہ قبیلے کے ساتھ کچھ وکاٹھیاواڑ' ہندوستان چلا گیا۔ پھر اس نے سبی کا رخ نہ کیا۔ اس کے ایک بیٹے کا واپسی کا ایک چکر لگانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب ایک بندہ (گہرام لاشاری) واپس لوٹا ہی نہیں ہے تو وہ معاہدہ کیسے کرسکتا ہے۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ وہ رندوں سے معاہدہ کرنے کے بعد فوت ہوئے تو ضرور اس کا پتہ چلتا کہ وہ اس دوران کہاں رہتے تھے اور اس کی قبر کہاں واقع ہے۔ مگر یہ سب صیغہ راز میں ہیں۔ کیوں؟

ج: رند و لاشار کی جنگ کس بات پر ہوئی؟ اس بارے میں معاہدہ خاموش ہے کیوں؟

د: ڈاکٹر براہوئی نے رند و لاشار کو ''قوم'' لکھا ہے حالانکہ یہ قبیلے ہیں۔

ہ: ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی نے چاکر رند اور گہرام لاشاری کو ''حکمران'' لکھا ہے۔ مگر انہوں نے یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ دونوں معتبر اور قابل احترام حضرات کس خطے اور دور میں حکمران رہے ہیں؟ یاد رہے کہ تاریخی حقائق کے مطابق ان ناموں سے پورے برصغیر میں کوئی حاکم تو کیا گورنر بھی نہیں گزرا ہے۔ میر چاکر رند کے دور میں سبی پر سندھ کے حاکم جام نظام الدین جام نندہ (۱۴۶۰ء۔۱۵۰۸ء) کا قبضہ تھا۔

و: اگر رند و لاشار کے سرکردگان کے مابین کوئی عہد نامہ ہوا ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں فریقین کو راضی کرنے والے ثالث / ثالثون کے مہر اور دستخط کیوں ناپید ہیں؟۔

ز: ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی ''عہد نامہ رند و لاشار'' پر ثالثی کے کردار / کرداروں کے نام' مہر اور دستخط نہ پا کر از خود توضیح اور تشریح پیش کر کے لکھتا ہے کہ:

> ''سادات کا نسخہ جس پر دونوں حکمران کے عہد نامہ معہ مہر ثبت ہیں وہ قمر بلوچ صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ قمر بلوچ صاحب کے نسخہ پر میر علی شیر قانع ٹھٹھوی مؤلف تحفۃ الکرام (متوفی ۱۲۰۳ھ) کی مہر ثبت ہے۔ اگرچہ آپ کا تعلق سادات سے تھا لیکن آپ کی اور والد بیعت سلسلہ نقشبندی سے تھی ممکن ہے کہ آپ کے خاندان نے یہ صلح نامہ کرایا ہو کیونکہ تاریخی نسخہ آپ کے خاندان میں رہا ہے............۔

تاریخی حقائق اور شواہد کے مطابق اس دور (۲۵ رجب المرجب شریف ۹۵۷ھ/۹ اگست ۱۵۵۰ء بروز ہفتہ) کے دوران میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کے آباؤ اجداد سے قاضی سید شکر اللہ شیرازی بن سید وجیہ الدین نے شاہ بیگ ارغون کے کہنے پر قندہار سے ۹۲۷ھ/۱۵۲۱ء میں ٹھٹھہ (سندھ) میں آ کر انصاری محلّہ میں قیام پذیر ہوا۔ ۱۵۲۲ء میں شاہ بیگ ارغون فوت ہوا تو اس کا بیٹے شاہ حسن نے بدستور قاضی صاحب کا معتقد رہا۔ اس کی چھٹی پشت میں میر علی شیر قانع (۱۱۴۰ھ/۱۷۲۸ء۔۱۲۰۳ھ/۱۷۸۹ء) پیدا ہوا۔ (۱۹) قاضی صاحب ۱۵۶۰ء تک بقید حیات تھے۔

اگر رند و لاشار کے مابین قرآن شریف پر مذکورہ معاہدہ قاضی صاحب کے دور اور ثالثی میں ہوتا تو اس پر اس کے دستخط مہر اور کوئی عالمانہ تحریر ضرور ہوتی کیونکہ میر علی شیر قانع کے آباؤ اجداد میں

سے یہی ایک شخصیت عہد نامہ کے دور میں موجود تھی مگر اس قرآن مجید پر اس کے دستخط اور مہر موجود نہیں ہیں۔لیکن ۲۳۹ سال بعد عہد نامہ مذکور پر میر علی شیر قانع کا صرف مہر ثبت ہے اور دستخط موجود نہیں کیوں؟ جبکہ اصولاً معاہدات پر مہر کے ساتھ دستخط اور تاریخ لازمی ہوتے ہیں۔تا کہ تصدیق کے وقت ان کی جانچ پرکھ ہو سکے۔اصل نقل کا پتہ چل سکے۔ورنہ بعد میں کوئی بھی دو نمبری کر سکتا ہے۔

عبدالقادر رند نے اپنے تنقیدی تحریر کے نکتہ نمبر ایک میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی پر جو تنقید کی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ڈاکٹر براہوئی کا یہ مضمون روزنامہ جنگ کوئٹہ، روزنامہ مشرق کوئٹہ، روزنامہ انقلاب کوئٹہ، روزنامہ ایکسپریس کوئٹہ اور دوسرے روزناموں میں شائع ہوا ہے۔شاید عبدالقادر رند کے سامنے صرف ''روزنامہ جنگ کوئٹہ'' تھا جس میں واقعی ۹۵۷ھ کے برعکس ۹۸۷ھ لکھا ہوا ہے جو مذکورہ روزنامہ کی کمپوزنگ کی غلطی ہے۔مندرجہ بالا دیگر روزناموں میں یہ سن ۹۸۷ھ کے برعکس ۹۵۷ھ درج ہے۔

عبدالقادر رند نے ڈاکٹر براہوئی پر دوسری تنقید یہ کی ہے کہ ''۹۵۷ھ کا سن عیسوی ۱۵۳۶ء بنتا ہے اور ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں ۹۸۷ھ تحریر ہے۔جس کا عیسوی سن ۱۵۵۰ء نہیں بلکہ ۱۵۶۶ء بنتا ہے''۔

ڈاکٹر براہوئی نے جو ۹۵۷ھ کا سن دیا ہے اس کا عیسوی سن ۱۵۵۰ء ہی بنتا ہے نہ کہ ۱۵۳۶ء۔۱۵۳۶ عیسوی سن کا ہجری ۹۴۲/۴۳ھ بنتا ہے۔جو زیر بحث ہی نہیں۔

عبدالقادر رند اپنے مختصر تحریر کے نکتہ سات کے آخر میں لکھتا ہے کہ:

''میر چاکر رند اور گہرام لاشاری کے معاہدہ سے قبل کلہوڑہ اور خان قلات کے درمیان ایک جعلی معاہدہ کی گونج بھی سنائی دی تھی............''(۲۰)

رند کا کلہوڑہ اور خان قلات کے مابین معاہدے کو جعلی قرار دینا صحیح نہیں اس لیے کہ انہوں نے غلط کو غلط قرار دے کر ایک ادبی کام سرانجام دیا ہے۔لیکن حقیقت پر مبنی تاریخی دستاویزات کو اس کے آڑ میں جعلی قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

براہوئی قوم کے نامور حاکم اور عظیم ہیرو خان اعظم، خان نصیر خان نوری براہوئی کا سندھ کے کلہوڑہ حاکم میاں غلام شاہ سے ایک معاہدہ ۴ صفر المظفر ۱۱۸۴ھ/ ۲۷ مئی ۱۷۷۰ء بروز جمعرات کو قرآن شریف پر ہوا۔جس کا متن معہ اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

''غرض از تحریر این کلمات باہر البینات وتسطیر این نمغات واضع الدلالات آنست کہ چون...... اسلاف کرام واجداد عظام این بندہ درگاہ آلہ و عالی جاہ رفیعی پگاہ حشمت و شوکت دستگاہ امیر الامراء العظام...... الکبراء الفجام اخوی مکانی میاں شاہ ویردی خان عباسی ہمیشہ اوقات روابط و دوستی واتحاد منوط ومربوط و در روز بد معاون یک دیگر بودہ اندو درین چند...... کجروی فلک دوّار و نیرنگی زمانہ ناہنجار بے موجب وغبث از جانبین نفار وسوٴ مزاج بہم رسیدہ از آنجا کہ دنیا را اعتبارے وعمر ہا را بقائی نیست بنا برین بر ما لازم است کہ بدستور پدران سلف بنای روابط دوستی را فیما بین محکم نمایم بناء علیہ بندہ درگاہ برخور دلازم و متحتم نمودم و ہمین کلام مجید ربانی را با موٴکلین ان شاہد مدعا گرفتہ باخدای تعالیٰ جل شانہ رسول خدا علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات عہد کردم کہ مضمون آیہ وافی ہدایہ ''یاایھا الذین آمنوا اوفو بالعقوذ'' برعہد خود استوار و مادام الحیات با عالی جاہ معلیٰ جایگاہ میاں شاہ ویردی خان عباسی ظاہراً و باطناً دوست و یکرنگ بودہ دوست یکدیگر را دوست و دشمن یکدیگر را دشمن دانستہ بقدر سرموی ازین عہد میثاق تجاوز ننمائیم و مادام کہ بہ مصداق ''فیھا نقضھم میثاقھم'' از جانب عالی جاہ شاہ ویردی خان معظم الیہ در عہد و میثاق تفاوتی بعمل نیاید بفضل الٰہی از طرف بندہ درگاہ تفاوتی نخواہد شد۔امید بفضل خدای تعالیٰ عز اسمہ چنان است کہ این طرح دوستی واتحاد و برادری نسلاً بعد نسل تا لفت پشت برقرار بماند وھم این عہد درمیان است کہ ہرگاہ خدانخواستہ دشمنی بطرف عالیجاہ شاہ ویردی خان رادہ فتنہ نماید و کجر واعلام واظہار عالی جاہ معظم الیہ بندۂ درگاہ بلا تامل باجمعیت کامل بامداد پردازم و ہرگاہ با بندۂ درگاہ دشمنی ارادہ شورش وفساد نماید بمجر داعلام بندہ درگاہ عالی جاہ شاہ ویردی خان باستعداد تمام بمعاونت بیاید ومی باید عالی جاہ مشار الیہ بہ تمثال ''فلا تنقضوا الایمان'' بعد توکیدھا مادام الحیات با بندہ درگاہ موافق ہمیں عہود یکدل و یکجہتہ باشد واین شروط وعہود از جانبین موافق آیہ شریفہ ''الذین یوفون بعہد اللہ و

تنقضون المیثاق‘‘، نسلاً بعد نسل وَ بطناً بعد بطن برقرار و مستحکم بوده باشد و ہرگاه ہر یک از بنده درگاه و عالی جاه معظم الیہ بقدر سرموی تفاوت بکنیم بہ نفرین خدا و رسول خدا گرفتار و در صحرائی محشر در نزد خدا و جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ شرمسار باشد و ہمین کلام مجید خصم او و اولاد او باشد۔ امید بفضل خدای تعالیٰ است کہ این عہد دوستی و عہد و میثاق تا انقراض عالم نسل بعد نسلاً از جانبین مستحکم و برقرار باشد این دو سہ کلمہ بنا بر عہد نامچہ قلمی شد فی التاریخ چہارم صفر المظفر ۱۱۸۶ھ (بیضوی مہر: حسبنا اللہ نعم الوکیل و نعم المولیٰ و نعم النصیر)

ترجمہ: یہ صاف باتیں اور ظاہری دلائل کے تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جیسا کہ اس درگاہ کا بندہ جو آباؤ اجداد اور عالی جاہ بلند درجات حشمت و شوکت دستگاہ امیر الامراء العظام الکبریٰ الفجام اخوی کمانی‘ میاں شاہ ویردی خان عباسی کے ساتھ ہمیشہ دوستی اور اتحاد کے تعلقات قائم رہے ہیں اور ناسازگار حالتوں میں ایک دوسرے کے مددگار رہتے تھے۔ جیسے کہ تبدیل ہونے والے دور کے منافقی اور بے وفا زمانہ پر کوئی یقین نہیں اور عمر پر بھروسہ نہیں۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے دستور کے مطابق آپس میں دوستی کے ناطے کو مضبوط کریں۔ اس لیے اس درگاہ کا بندہ خود پر لازم سمجھتا ہے کہ اس کلام مجید کو دونوں فریقوں کے مابین گواہ بنا کے اللہ تعالیٰ اور رسول خدا علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کے ساتھ عہد کیا جاتا ہے کہ اس ہدایت والے آیۃ کے مطابق ’’یا ایھا الذین اوفو بالعقو د‘‘ اپنے وعدہ پر قائم رہوں گا اور ساری عمر عالی جاہ معلیٰ جایگاہ میاں شاہ ویردی خان عباسی سے ظاہری و باطنی طور پر دوست اور اقراری رہوں گا۔ ایک دوسرے کے دوست کو دوست اور ایک دوسرے کے دشمن کو دشمن سمجھیں گے۔ اس وعدہ میں بال برابر بھی فرق نہ ہونے دیں گے اور ہمیشہ ’’فیھا نقصھم میثاقھم‘‘ کی طرح عالی جاہ شاہ ویردی خان معظم الیہ کی طرف سے بھی اس میثاق کے خلاف ورزی نہ ہوگی امید ہے کہ خدا تعالیٰ کی مہربانی سے دوستی‘

بھائی چارہ اور اتحاد کی یہ بنیاد ایک نسل سے دوسرے نسل تک سات پشتوں تک اسی طرح قائم و دائم رہے گا اور یہ وعدہ ہے کہ خدا نہ کرے اگر کوئی دشمن عالی جاہ شاہ ویردی خان کی طرف فتنے کی غرض سے آیا اور فساد کا اعلان یا اظہار کیا تو عالی جاہ کے درگاہ کا یہ بندہ کسی بھی پس و پیش کے بغیر اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مدد کے لیے پہنچے گا اور ایسا ہو کہ عالی جاہ ’’فلا تنقضوا الایمان‘‘ کے مطابق ساری عمر اس درگاہ کے بندہ کے ساتھ اس عہد پر ایک دل اور ایک رخ رہے۔ یہ شرط اور وعدہ دونوں فریقوں کی طرف سے آیۃ شریف ’’الذین یوفون بعھد اللہ و تنقضو المثیاق‘‘ کے مطابق ایک نسل سے دوسرے نسل اور ایک پشت سے دوسرے پشت تک برقرار اور مستحکم رہیں گے اور اگر دونوں فریقوں سے یعنی اس درگاہ کے بندہ یا معظم عالی جاہ سے کوئی بھی ایک بال برابر اس عہد نامہ میں دراڑ ڈالے گا تو خدا اور رسول خدا کی نفرت میں مبتلا ہوگا اور روز محشر اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کے سامنے شرمسار ہوگا۔ یہ قرآن مجید اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے غصہ کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ دوستی کا یہ عہد اور میثاق اس دنیا کے خاتمہ تک ایک نسل سے دوسرے نسل تک دونوں طرف سے مستحکم اور برقرار رہے گا۔ یہ دو تین الفاظ عہد نامہ کے طور پر تحریر کئے گئے۔ تاریخ چہارم صفر المظفر ۱۱۸۶ھ‘‘

میاں غلام شاہ کلہوڑہ اس معاہدہ کے دو ماہ بعد ۲ جمادی الاول ۱۱۸۶ھ/ یکم اگست ۱۷۷۲ء بروز ہفتہ وفات پا گئے۔ اس کے بعد ان کا بڑا بیٹا میاں سرفراز خان کلہوڑہ حاکم بنا۔ براہوئی حاکم نصیر خان نوری براہوئی نے حسب دستور اس کے ساتھ بھی صلح اور دوستی کو برقرار رکھتے ہوئے۔ اسی قرآن مجید پر اس کے ساتھ دوسرا عہد نامہ ٹھیک نو مہینے بعد یعنی ۶ محرم ۱۱۸۷ھ/ ۳۰ مارچ ۱۷۷۳ء بروز منگل کو کیا۔ اس عہد نامہ کے متن کے الفاظ اور جملے معہ ترجمہ حسب ذیل ہیں۔

’’باعث تحریر این کلمات باہر البینات آنست‘ کہ در زمان حیات عالی جاہ مرحمت و غفران رضوان آرام گاہ میاں شاہ ویردی خان عباسی فیما بین بندہ درگاہ آلہ و

غفران پناہ موصوف بنای دلھا بدین قرار انجام پذیر گردیدہ بود کہ مادام الحیات
ظاہراً و باطناً نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطن دوست یکدیگر را دوست و دشمن یکدیگر را
دشمن دانستہ در روز بدمعاون یکدیگر باشیم و بقدر سوموئی تجاوز نمائیم چنانچہ برظہر
ورق اول مصحف مجید و فرقان حمید این معنیٰ اندراج یافتہ۔ درین ولا کہ فیما بین
بندہ درگاہ الہٰ و عالی جاہ رفیعی پگاہ حشمت و شوکت دستگاہ امیر الامراء العظام ابن
الکبراء الفخام یگانگی تو امان اخوی مکان خدایار خان عباسی رابطہ یک جہتی و یک
وجودی وقوع یافتہ، ہمان عہد و میثاق کہ از روئی تحریر بر ورق ظہر مصحف مجید استحکام
گرفتہ ہماں کلام ربانی با مؤکلین آن شاہد مدعا گرفتہ مستحکم کردہ شد۔ انشاء اللہ
تعالیٰ مادام الاوقات کہ از جانب عالی جاہ امیر الامراء العظام این رابطہء یگانگی و
اتفاق و این واسطہ دوستی و وفاق کہ دوست یکدیگر را دوست و دشمن یکدیگر را دشمن و
مابین طرح یکرنگی و یک وجودی و در روز بدمعاون یکدیگر باشند سرموئی تفاوت
نکردہ بمصداق آیہء کریمہ ’’فیما نقضھم میثاقھم‘‘ برعہود مؤکدہ و مواثقہ استقامت و
رزیم کفی باللہ شہیدا این حروف بنا برعہد نامچہ قلمی شد بتاریخ ششم شہر محرم الحرام
۱۱۸۷ھ/ (مہر حسبنا اللہ نعم الوکیل و نعم المولیٰ و نعم النصیر)‘‘

ترجمہ: ان باتوں کی ضرورت اس لیے پڑی کہ عالی جاہ مرحمت و مغفرت
پناہ بہشت میں آرام کرنے والے، میاں شاہ ویردی خان عباسی کے زمانے میں
(زندگی میں) ان سے درگاہ کے بندہ کے ساتھ یہ عہد نامہ طے ہوا تھا کہ پوری
زندگی ہم ظاہری اور باطنی طور پر نسل در نسل اور پشت در پشت ایک دوسرے کے
دوسرے کے دوست کو دوست اور ایک دوسرے کے دشمن کو دشمن سمجھیں گے اور
ناسازگار دنوں میں سے ایک دوسرے کے مددگار رہوں گے اور بال برابر بھی
دراڑ نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ قرآن حکیم کے پہلے ورق پر یہ عہد نامہ تحریر کیا
گیا۔ اس دور میں اس درگاہ کے بندہ اور عالی جاہ بلند مرتبت صاحب حشمت و
شوکت امیر الامراء خدایار خان عباسی کے مابین اتفاق و اتحاد کا عہد نامہ ہوا

ہے۔ وہی عہد اور انجام قرآن حکیم کے پہلے ورق پر تحریر ہوا اور ان کو مستحکم کیا گیا
ہے وہی کلام ربانی کو دونوں فریقوں کے مابین گواہ بنا کر عہد نامہ کیا گیا۔ وہی
کلام ربانی کو دونوں فریقوں کے مابین گواہ بنا کر عہد نامہ کیا گیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ
ہمیشہ امیر الامراء کی طرف سے یہ برابری کا رابطہ اور اتفاق و دوستی اور ایک
دوسرے کے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھا جائے گا اور آپس میں ایک
ہونے پر اتفاق کی بنیادوں کو پختہ کریں گے اور ناسازگار دنوں میں ایک
دوسرے کے مددگار بنیں گے۔ بال برابر فرق نہیں ہوگا۔ قرآن کریم کی اس آیۃ
مبارک کے مطابق ’’فیما نقضھم میثاقھم‘‘ اپنے وعدہ پر پورا قائم رہیں گے اور
مضبوط رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے یہ کچھ الفاظ عہد نامہ کے طور پر
تحریر کئے گئے ہیں۔ تاریخ ۶ محرم الحرام ۱۱۸۷ھ۔‘‘

یہ دونوں معاہدے ایک ہی قرآن شریف پر تحریر ہیں جو قومی عجائب گھر کراچی کے کتب خانہ میں
نمبر ۶۲۲ پر موجود ہے۔ (۲۱) (کلہوڑا اور براہوئی حکمرانوں کے مابین معاہدہ کا عکس)

ضمیمہ نمبر۲

براہوئی زبان اور کوئٹہ ریڈیو اسٹیشن

ریڈیو اسٹیشن کوئٹہ (پاکستان) سے براہوئی زبان میں مختلف پروگرام میڈیم ویوز پر سریاب روڈ پر واقع موسیٰ کالونی میں قائم سریاب ٹرانسمیشن لائن (LPT) سے نشر ہوتے تھے۔ جن کا دورانیہ چھ گھنٹے تھا۔ یہ براہوئی پروگرام سریاب سے خضدار تک اور نوشکی سے جھٹ پٹ تک آرام سے سنے جاتے تھے۔ دوسرے براہوئی پروگرام شاٹ ویوز پر یارُوٹرانسمیشن لائن پر نشر ہوتے تھے۔ شاٹ ویوز یاروٹرانسمیشن لائن پر نشر ہونے والے پروگراموں کو ۲۰۰۸ء میں فنی خرابی سے منسوب کر کے بند کیا گیا۔ اسی طرح ۲۰۱۰ء میں سریاب ٹرانسمیشن لائن پر سارے براہوئی پروگراموں کو ایک سال کے دورانیہ میں فنی خرابیوں کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ بند کر دیا گیا۔ اسی طرح شاٹ ویوز اور میڈیم ویوز پر براہوئی پروگراموں کو ختم کیا گیا۔

شاٹ ویوز یاروٹرانسمیشن لائن پر جاری چار گھنٹے کے پروگراموں کو بحال کیا گیا۔ یہ براہوئی پرست ادباء وشعراء کو جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ ان پروگراموں کے نام اور دورانیہ حسب ذیل ہے۔

۱۰بجے سے ۱۱بجے	صبح	بلسم پروگرام
۱۲بجے سے ۱بجے	دوپہر	زمبار پروگرام
۴بجے سے ۵بجے	شام	خلقی کچاری پروگرام
۹بجے سے ۱۰بجے	رات	دیوان پروگرام

ان میں ''خلقی کچاری'' میں بلوچی اور پشتو پروگراموں کے برعکس صرف براہوئی پروگرام میں ''قومی پروگرام'' جو اسلام آباد/ لاہور/ کراچی سے نشر ہوتے تھے کو شامل کیا جاتا تھا جو تقریباً ایک گھنٹے پر محیط ہوتا ہے۔ اس طرح براہوئی کا یہ پروگرام قومی پروگراموں کے بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔

یاروٹرانسمیشن لائن پر بچے کچھے ۳ گھنٹے کے براہوئی پروگرام چلتے ہیں وہ سب براہوئی علاقوں کے برعکس پشتون علاقوں میں چلتے ہیں۔ جنہیں پشتون سمجھتے نہیں اور براہوئی سنتے نہیں۔ یہ سازش اس لیے کی جارہی ہے کہ آگے چل کر یہ جواز پیدا کیا جائے کہ براہوئی پروگراموں کو کوئی سنتا نہیں۔ اس لیے ان کو بند کرنا ناگزیر ہے۔

بلوچی اور پشتون کے لیے دو، دو پروڈیوسر تعینات ہیں۔ جب کہ براہوئی پروگراموں کے لیے ایک پروڈیوسر اور وہ بھی بلوچ یعنی غیر براہوئی ہے مقرر ہے۔

ضمیمہ نمبر۳

براہوئی قبائل کو متضاد بنانا

براہوئی مخالفوں نے براہوئی قبائل کی بنیاد کو تضادی بنا کر انہیں قدیم سے جدید (یعنی بعد میں آنے والے نو وارد) قرار دیا تاکہ دنیا کو یہ باور کرایا جائے کہ براہوئی قبائل اصل میں قدیم نہیں ہیں۔اس سلسلے میں محمد سردار خان بلوچ لکھتا ہے:

''لہٰذا براہوئی نسل کے ماخذ کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ براہوئیوں کے ہر اتحادی قبیلہ کی الگ چھان بین کی جائے اور اسی سے ماخذ نسل کا پردہ چاک ہوگا۔اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ موجودہ ریاست قلات کے بیشتر قبائل ان قبائل کی باقیات ہیں جو سکندر سے لے کر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی تک آنے والے فاتحین کے جلو میں وارد ہوئے تھے............۔''(۱)

محمد سردار خان بلوچ آگے لکھتا ہے:

''بلوچستان میں خالص براہوئی خون بمشکل دس ہزار سے زیادہ نفوس میں موجزن ہوگا لیکن براہوئی بولنے والے لوگ ڈھائی لاکھ سے کچھ ہی کم ہوں گے۔خالص براہوئی چند قبائل پر مشتمل ہیں جو رائے عامہ کے مطابق اصلی اور صحیح براہوئی نسل سے ماخوذ ہیں............۔''(۲)

اصلاً اور نسلاً براہوئی قوم کے مختلف قبائل اور طائفوں کو مختلف بلوچ قبیلوں سے ماخوذ قرار دیا گیا ہے۔وہ لکھتا ہے:

''خالص براہوئی چند قبائل پر مشتمل ہیں جو رائے عامہ کے مطابق اصلی اور صحیح

براہوئی نسل سے ماخوذ ہیں۔یہ براہوئی ہیوٰلی یا اولس احمد زئی' ایلتازئی' میروانی' قمبرانی' گرگناڑی' قلندرانی اور رودینی ہیں۔باقی قبیلہ اجنبی ہیں جو مختلف وجوہات کی بناء پر براہوئیوں سے پیوست ہوگئے۔قبائل جیسے لہڑی' بنگلز ئی' شاہوانی' دودائی' (قبیلہ محمد شہی)' سراوان میں باجوئی اور لوٹھیانی وغیرہ' جھلاوان میں یقیناً بلوچوں کی شاخیں ہیں۔آج بھی یہ قبائل سب ناموں کے لحاظ سے براہوئی کے بجائے بلوچ شمار کرواتے ہیں۔''(۳)

محمد سردار خان بلوچ' براہوئی قوم کے نامور جری قبیلہ لانگو کے متعلق لکھتا ہے کہ:

''لانگو (لنگاو) کو ابتداً رندوں کے غلام کہا جاتا ہے جنہیں مشہور چاکر نے اپنی بیٹی کی شادی پر آزاد کردیا۔'' یہ دعویٰ کہ اشعار میں پائی جانے والی روایات ماضیہ کے مطابق کچھ تاریخی اہمیت کا حامل معلوم ہوتا ہے............۔''(۴)

مزید آگے لکھتا ہے کہ:

''لنگاو (لانگو) کو ماتحت نسل سمجھا جاتا ہے لیکن وہ دراصل بلوچ نژاد ہیں............۔''(۵)

انور رومان بھی محمد سردار خان بلوچ سے متفق نظر آتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''لانگو بھی نسلاً زیادہ تر بلوچ ہیں............۔''(۶)

جو صحیح نہیں کیونکہ لانگو ایک بہت بڑا جری اور قدیم براہوئی قبیلہ ہے جو بلوچستان میں بلوچوں کی آمد سے ہزاروں سال پہلے موجود تھا۔(۷) جب سکندر اعظم نے ۳۲۶ ق م میں درہ مولہ سے لس بیلہ اور مکران کی راہ لی تو لانگو قبیلہ یہاں موجود تھا جو براہوئی زبان بولتے تھے۔۳۰ جولائی ۶۴۱ء کو شین سنگ نامی سیاح وہاں سے گزرا تو انہوں نے بھی اس قبیلہ کو وہاں پایا۔اس نے لانگو قبیلہ کو ''لانگا- کی-لو'' (Langa-kie-lo) جولین (Julien) نے لانگالا اور ایم ڈی ٹسنٹ مارٹن نے لانگا اور لانگو نام لکھا ہے۔(۸)

میر بجار' براہوئی حاکم نے جب ۳۱ دسمبر ۱۵۱۴ء تا ۱۵۱۹ء جدگالوں کے خلاف لڑائیوں کا سلسلہ شروع کیا تو لانگو قبیلہ جو مولہ میں بود باش رکھتا تھا نے بحیثیت براہوئی' میر بجار کا ساتھ دیا اور

قربانیاں دیں۔ میر بجار نے لانگوؤں کو منگچر کے علاقے محمود گہرام اور چوٹا نک میں جاگیریں دے کر آباد کرایا ان کے ساتھ رئیسانی، محمد شہی اور قمبرانی قبائل کو بھی جاگیریں دے دیں۔ ۱۷۳۱ء میں نامور براہوئی حاکم عبداللہ خان براہوئی کو شہادت کے دوران جن میں لانگو قبیلہ کے بہادر بھی شہید ہوئے تھے کو بھی ان قربانیوں کے عیوض کچھی میں بگڑا (بھاگ ناڑی) کا علاقہ ملا۔(۹)

منگچر کے علاقے میں جن قبائل کو جدگال جنگ میں قربانی دینے پر جو جاگیریں ملی تھیں وہ اسے آباد کرتے تھے مگر قمبرانیوں (احمدزئیوں) کی زمینیں غیر آباد تھیں۔ میر محبت خان نے ان زمینوں کو آباد کروانے کے لیے ۱۷۴۰ء میں کچھی سے رند بلوچوں کو منگچر کے علاقے میں آباد کروایا جو اب ان کی رعایا بن چکی تھی۔ ان کے زیر اثر لانگو قبیلہ نے بلوچی زبان سیکھی اور اس دوران ان لوگوں نے مشہور کیا کہ لانگو چاکر رند کی بیٹی کی شادی میں آزاد کردہ غلام ہیں تا کہ لانگوؤں کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر کے اپنے (رند) سے کمتر سمجھا جائے۔ اسی لیے آج بہت سے لانگو لاعلمی کی وجہ سے خود کو رند قرار دینے پر فخر کرتے ہیں۔ جو صحیح نہیں ہے۔

اصل حقائق کے مطابق لانگو قبیلہ براہوئی ہے۔ ۱۸۷۷ء، ۱۹۰۱ء اور ۱۹۴۴ء کے ریوینیو ریکارڈ میں لانگو قبیلہ کی کھتونی میں ان کو ''براہوئی قوم'' کا ایک قبیلہ لکھا گیا ہے۔ سامنے صفحہ پر ۱۹۴۴ء کے دور کا ایک کھتونی کا نمونہ دیا گیا ہے جس میں لانگو قبیلہ بحیثیت ''براہوئی قوم'' درج ہے ملاحظہ ہو:

اسی سوچ کے تحت براہوئی قوم کے بزنجو، زہری، شاہوانی، لہڑی، بنگلزئی، محمد شہی اور قبیلہ ڈومکی کو بھی بلوچ اور بالخصوص رند سے قرار دیا گیا ہے۔ (۱۰) دیکھتے ہیں کہ ان براہوئی قبائل کی ۱۹۷۲ء میں آبادی کتنی تھی۔ ملاحظہ ہو:

بزنجو	۲۸۴۲۸
شاہوانی	۲۴۶۰۰
لانگو	۲۱۷۸۶
بنگلزئی	۲۱۴۲۲
لہڑی	۱۷۲۲۴
زہری	۸۷۵۱۰

محمد شہی	۹۷۵۸
ڈومکی	۲۷۵۱۲
کل آبادی	۲۴۱۲۴۰
رندوں کی تعداد ۱۹۷۲ء میں	۵۲۷۲۰ (۱۱)
براہوئی قبائل کی رندوں سے زیادہ تعداد	۱۸۸۵۲۰

رند سے پیدا شدہ براہوئی قبائل کی تعداد خود رند سے ۱۸۸۵۲۰ کی تعداد میں زیادہ ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کہاں سے اور کیسے پیدا ہوئے؟ لہٰذا ان براہوئی قبائل کو بلوچ قرار دینا تاریخی حقائق کے ساتھ غیر حقیقی اور غیر منطقی بات ہے۔

ضمیمہ نمبر۴

بلوچ تاریخ نویسوں کی براہوئی سے نفرت

سردار خان گشکوری نے گل خان نصیر کی تاریخ کے مقابلے میں دنیا کی ساری خرابیوں کو براہوئی قوم سے منسوب کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''تمام بلوچستانیوں میں سے وہ ٹھیٹ پہاڑیے ہیں اور تمام ایشیائی اقوام میں سے وہ زیادہ خانہ بدوش ہیں۔ براہوئی کردار مجموعہ اضداد ہے۔ فخر اور لالچ اس کا ضابطہ اخلاق ہے۔ وہ اعتقاداً فریب کار اور مزاجاً زود رنج ہے اور شاذ و نادر ہی نیک نامی حاصل کر سکتا ہے۔ وہ نسلاً وہمی ہیں اور حب الوطنی سے معرا ہیں..........۔''(۱)

گشکوری ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ:

''براہوئیوں کے سیاسی ضابطہ اخلاق میں دھوکہ اور بے اعتمادی سرفہرست ہے..........۔''(۲)

گشکوری ایک اور جگہ براہوئی قوم کے بارے میں رقمطراز ہے کہ:

''بلوچ اور براہوئی کے درمیان سماجی امتیاز کتنا واضح ہے کہ جب خان جنگ کے لیے فوجیں بلاتا ہے تو موخر الذکر کو (یعنی براہوئی) قبائل اپنے روزمرہ راشن میں گندم کا آٹا مانگنا اپنا حق سمجھتے ہیں جب کہ بلوچ قبائل صرف جوار کے آٹے کے حقدار سمجھے جاتے ہیں..........۔''(۳)

گشکوری براہوئی حکومت اور براہوئی حکمرانوں کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ:

''براہوئی ریاست کی تاریخ حکمرانوں کے ظلم اور ان کے خلاف محکومین کی بغاوتوں کی داستان ہے۔ مزید برآں یہ ایک نامیاتی نشوونما کی بجائے حکمرانوں کو بنانے اور بگاڑنے کی روئیداد ہے.......... براہوئی حکمران حرص و ہوا کے غلام ملتے تھے۔ قلب و ذہن کی حرص و ہوا یعنی عورتیں رسم و زر، انھوں نے ادب، انتظام و سلطنت یا معیشت میں کوئی قابل قدر کام نہیں کیا..........۔''(۴)

گشکوری لکھتا ہے کہ:

''آج لفظ براہوئی ایسے نسل پاروں پر منطبق ہوتا ہے۔ جس کی زبان بلوچستان کی دوسری زبانوں سے بالکل مختلف ہے۔ تمام وہ قبائل جن کا شجرہ نسب بلوچستان کی دیگر ممتاز نسلوں یعنی بلوچ، پٹھان یا ایرانی سے نہیں ملتا۔ اصلی براہوئی ہیولٰی یا اولس کہلا سکتے ہیں..........۔''(۵)

گشکوری، براہوئی قوم کی تاریخ ہونے سے انکار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''براہوئی ایسے لوگ ہیں جن کی نہ کوئی تاریخ ہے نہ ادب جو ایک ایسا منظر ہے جس کے سامنے تاریخ خود انگشت بدندان ہے۔ ان کی تاریخ یہی ہے کہ ان کی کوئی تاریخ نہیں۔''(۶)

گشکوری رقمطراز ہے کہ:

''نصیر خان اعظم اکثر کہتا تھا ''براہوئیوں کو اگر تمہارے ہاتھ میں ہڈی بھی نظر آ جائے تو وہ ایک لقمہ کے لیے سگ آسا ہر طرف سے اس پر لپک پڑیں گے۔''(۷)

گشکوری کے برعکس، تاریخی حقائق اور شواہد کے مطابق براہوئی قوم کی خصوصیات یہ نہیں ہیں۔ جس طرح انھوں نے لکھا ہے۔ براہوئی قوم کے اہم خصوصیات کے بارے میں واضح طور پر ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''چستی، طاقت اور سخت جانی میں شاید ہی کوئی براہوئیوں کا مقابلہ کرسکتا ہے
کیونکہ وہ پہاڑوں کی سردی اور میدانوں کی گرمی کے یکساں عادی ہیں۔ان کی
قدرتی جنگجویانہ صفات کسی طرح بھی قابل تحقیر نہیں۔ وہ قد و قامت میں
افغانوں سے ذرا کم لیکن ویسے ہی بہادر اور ان سے کہیں زیادہ سخت اور مستقل
مزاج ہیں............ براہوئی بلوچوں کی طرح اپنے قول کے پابند اور مہمان نواز
ہیں اور مجموعی طور پر ان کے عام کردار کو ترجیح دیتا ہوں............وہ زیادہ خاموش
طبع اور محنتی لوگ ہیں اور ان کی عادات دوسرے کی لوٹ مار اور تشدد سے
بلاشک و شبہ متنفر ہیں۔ اسے ہم صرف اچھے جذبے سے ہی منسوب کرسکتے
ہیں۔کیونکہ ذاتی بہادری اور مصائب ونوائب کی برداشت میں براہوئی ہمسایہ
ممالک کے باشندوں سے بہت بڑھیا ہیں............عادات واطوار میں وہ نرم
اور بےضرر لوگ ہیں............وہ کسی مفاد وغرض کے بغیر دوسروں کے کام آنے
کے قدرتی رجحان کی پیداوار ہے۔ وہ بلوچوں کے بدترین خصائل سے مبرا ہیں
جو انھیں حریص انتقام جو اور ظالم بننے سے محفوظ رکھتی ہیں۔ وہ اپنی عنایات و
خدمات کے بدلے شاذ و نادر ہی کسی اجر کی توقع رکھتے ہیں۔ان کا تشکر دیرپا
ہے اور وفاکیشی تو ایسی ہی کہ بلوچ سردار بھی انھیں بطور قابل اعتبار اور راز دار
ترین ملازمین اپنے یہاں رکھتے ہیں............وہ لٹیرا ہے لیکن چور نہیں، انتقام جو
ہے لیکن دغا باز نہیں۔''(۸)

انور رومان رقمطراز ہے کہ:

''براہوئی سب سے زیادہ خوف سے آزادی، عسرت سے آزادی، اپنی محنت کا
پھل حاصل کرنے کی آزادی اور عمل کی آزادی چاہتے ہیں............ براہوئی
عام طور پر سادہ، ایماندار، راست گو، قدامت پسند اپنے دستور کے رسیا اور اپنے
سردار کے مطیع ہیں............۔''(۹)

گشکوری نے جس طرح براہوئی خان اعظم سے منسوب ایک مقولہ نقل کیا ہے وہ بے بنیاد ہے اور وہ

براہوئیوں کے برعکس بلوچوں کے بارے میں ہے۔آج بھی یہ مقولہ سندھ میں سندھی زبان میں
مستعمل ہے۔وہ مقولہ کچھ یوں ہے۔

''بروچ باڑی کھائن گداڑی ویھن تڈی تی وڑھن ہڈی تی

ترجمہ: بروچ (بلوچ) بےہودہ گندے لوگ گیدڑ کھاتے ہیں۔کونٹ پر
بیٹھ کے کتوں کی طرح ہڈی پر لڑتے ہیں

بلوچ مؤرخین کی ایک بڑی سازش ہے کہ وہ دنیا کی ہر برائی کو براہوئی سے منسوب کرکے براہوئی تاریخ
اور کلچر کو بدنام کرنے کے درپے ہیں۔

بلوچ قوم ہمیشہ آپس میں دست وگریبان رہتے ہیں اسی وجہ سے نہ کبھی حکومت کرنے کے
قابل رہے اور نہ ہی کوئی بہترین تہذیب کی بنیاد رکھ سکے۔گریئرسن لکھتا ہے کہ:

''جو آرین ایران میں رہ گئے ان میں سے بعض سامی، بابلی اور اشوری عناصر
سے متاثر ہوکر اپنا ایک عالیشان تمدن بنا سکے جو آج قدیم ایرانی تمدن کہلاتا ہے
اور ان کے جو قبیلے ان اثروں میں نہ آسکے اور اپنا کوئی جدا تمدن نہ بنا سکے وہ آج
بلوچی کہلاتے ہیں............۔''(۱۰)

اسی طرح بلوچستان کی تاریخ میں بلوچوں کی کوئی حکومت نہیں رہی ہے۔گنکوفسکی لکھتا ہے کہ:

''بلوچوں کی عرصے تک اپنی کوئی ریاست نہیں تھی۔''(۱۱)

اس کے برعکس براہوئی قوم کا اپنا ایک کلچر ''ریاست قلات'' کی سرزمین پر حکومت مشہور و
معروف رہی ہے۔بابائے براہوئی، بلوچوں کی کہیں بھی حکومت نہ ہونے کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''براہوئی قوم بازیکان اسہ زبان، اسہ تہذیب وثقافت واسہ ڈغار، علاقہ سے نا
خواجہ مسونے۔ ہرادے کہ شخصی آ حکومت آ تا دورٹی برقرار تخانے و جمہوری آ
دور نا بتنگٹ اودے اوٹی بدل کرینے۔ وقس کہ بلوچ قوم ٹی داصفت اف۔
تو ارخ پائک کہ اوفک جاگہ سیکہ ہم صدی ئس حکومت سے نا خواجہ متنو۔اگہ اسہ
آ ھا اسہ وجہ سے آن اوفک جاگہا سیک سرداری وڑ سے نا حکومت ئس قائم کننگٹی
کامیاب مسونو تو اوہم تین پہ تین نا ایلمی آ ناسازی، برادرکشی تا وجہان زوہینک

مسونے۔داڑ کہ مکران، کچھی، وسندھی نا مثالاک موجود۔'' (۱۲)

ترجمہ: براہوئی زیادہ تر ایک زبان، ایک تہذیب، ثقافت اور ایک سرزمین اور علاقہ کا مالک رہا ہے۔جس کو شخصی حکومتوں کے دور میں برقرار رکھا ہے اور جمہوری دور آنے سے اسے اس میں تبدیل کیا ہے جب کہ بلوچ قوم میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔تاریخ کہتی ہے کہ انہوں نے کہیں بھی ایک صدی تک حکومت نہیں کی ہے۔اگر کسی نہ کسی وجہ سے کسی جگہ سرداری طرز کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں تو وہ بھی آپس کی کشمکش اور برادرکشی کی وجہ سے جلد ہی ختم گئے ہیں۔اس کے لیے مکران، کچھی اور سندھ کے مثالات موجود ہیں۔''

بابائے براہوئی حضرت نور محمد پروانہ ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ:

''ہے کڑدہ کہ برادرکشی آن بیسہ پین خاص روایت، ثقافت وتوارخ نا خواجہ اف............۔'' (۱۳)

ترجمہ: وہ گروہ جو برادرکشی کے علاوہ اور کوئی خاص روایت، ثقافت اور تاریخ کا مالک نہیں ہے۔''

براہوئی قوم کے مینگل قبیلے کا سربراہ اور سردار عطاء اللہ خان مینگل اپنے ایک انٹرویو میں بلوچ قوم کے اصلی تشخص اور حیثیت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے کہ:

''مینگل لفظ میری ذاتی شناخت ہے............ براہوئی، بلوچ قوم کی ایک اہم شاخ ہے۔بلوچی حکومت میں حکمرانی کی حد تک بلوچوں کی نمائندگی کی ہے۔بلوچوں کی حکومت میں براہوئی نے حکومت کی ہے۔براہوئی کو اگر بلوچ سے نکالا گیا تو یہ سخت بدرنگی اور مجروح ہوگی۔بھونڈا مذاق ہوگا...... ۔'' (۱۴)

سردار مینگل کی باتوں سے تین اہم حقیقتیں سامنے آجاتی ہیں۔

۱۔ مینگل لفظ کو وہ اپنا ذاتی شناخت تسلیم کرتا ہے اور یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ مینگل براہوئی قوم کا قبیلہ ہے۔

۲۔ براہوئی حکمرانی کی حد تک بلوچوں کی نمائندگی کی ہے یعنی اصل میں بلوچستان میں قدیم اور اصلی حکمران براہوئی تھے، بلوچ نہیں تھے۔

۳۔ براہوئی کو بلوچ سے الگ قوم یا نسل قرار دے کر علیحدہ تشخص دیا جائے تو باقی بلوچ قوم کی اصل حالت نہ صرف سخت بدرنگ اور مجروح ہوگی بلکہ بھونڈا مذاق رہے گی۔

۱۹۳۱ء کے بعد براہوئی کلچر، تہذیب، سرزمین، نسل اور تاریخ کو بلوچ قرار دینے کی کوشش کی گئی۔اللہ پاک نے بابائے براہوئی حضرت نور محمد پروانہ کے روپ میں ایک مسیحا بھیجا جو براہوئی قوم کے خلاف سازشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''ہے کڑدہ کہ برادرکشی آن بیسہ پین خاص روایت ثقافت وتوارخ سے نا خواجہ اف۔محسوس کرے کہ اگر ہندن براہوئی قوم نا روشن ضمیراک، دانشور ومحققاک تینائی نا احساس نا جذبہ اٹ تینا لسانی، ثقافتی، روایتی، تواریخی وپین پین قدراتہ چائسو تینکہ بیرہ تینکہ مخصوص کریرو تینے ننے آن جتا پاریر تو ننکہ باقی ہچڑا سلیپک۔انتئے کہ ننے قوم ئس اوفک کریر یا پاریر۔ننا قومی آ قدراک اوفتا کارنامہ آتے آن بیرفنگار۔داسا بایدے کہ ہندا فتا مقابلہ ءِ کین تا کہ نن بیرہ نن قومی آ قدرآ تاوڑٹ سلامت مرین......۔'' (۱۵)

ترجمہ: وہ گروہ جو برادرکشی کے سوا کوئی خاص روایت، ثقافت اور تاریخ کا مالک نہیں۔محسوس کیا کہ اگر اسی طرح براہوئی قوم کے روشن ضمیر دانشور اور محققوں نے اپنے پن کے جذبہ کے تحت اپنے لسانی، ثقافتی، روایتی، تاریخی اور دیگر اقدار کو جانا اور صرف اپنے لیے مخصوص کیا اور اپنے آپ کو ہم سے علیحدہ قرار دیا تو پھر ہمارے لیے کچھ بھی نہیں بچے گا کیونکہ ہمیں قوم بھی ان (یعنی براہوئیوں) لوگوں نے بنایا اور کہا۔ہمارے قومی اقدار ان ہی کے کارناموں کے مرہون منت ہیں۔اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کا مقابلہ کریں تا کہ ہم (بلوچ) صرف ہم قومی اقدار کے حوالے سے صحیح اور سلامت رہیں۔''

سردار خان گشکوری کے بعد عزیز بگٹی نے بھی اس کے نقش قدم پر چل کر براہوئی مؤرخین، حکمرانوں کو نہ

صرف تنقید کا نشانہ بنایا بلکہ نیچا دکھانے کی پوری کوشش کی ہے۔انہوں نے نامور براہوئی ہیرو نصیر اعظم خان نصیر خان نوری براہوئی کو بلوچ ہیرو ماننے سے انکار کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ:

''جب میں نے معروضی نقطہ نظر سے میر نصیر خان نوری کو بہ حیثیت ایک حکمران کے سمجھنا چاہا اور ان کے سوانح اور دور حکومت کا تفصیلی مطالعہ کیا تو مجھے وہ ایک بلوچ قومی حکمران نظر نہ آئے......'' (۱۶)

لیکن اس کے بدلے بلوچی افسانوی کردار چاکر رند کو بلوچ قائد اعلیٰ تصور کرانے کی کوشش کی ہے۔وہ لکھتا ہے کہ:

''میر چاکر رند اور میر گوہرام کے تذکرے کے بغیر بلوچوں کی ابتدائی تاریخ رقم ہی نہیں ہوسکتی۔'' (۱۷)

بگٹی صاحب' چاکر رند کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''بہر حال میر چاکر رند........... بلوچوں کا قائد اعلیٰ تھا اس لیے قومی وحدت کی زیادہ ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔'' (۱۸)

اس کے بعد بگٹی نے ایک بلوچی شعر کی بنیاد (تاریخی دستاویزی ثبوت کے بغیر) پر براہوئی کے عظیم حکمران اور ہیرو کو صحیح بلوچ حکمران نہیں ہے' بلوچ شان وروایات کی پامالی کرنے والا' بھونکنے والا کتے کے لیے فقیر قرار دیا ہے۔بلوچی شعر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''خان نصیر خان کی ذاتی عظمت ان کا اس حقیقت کو دل میں......اس پر جو طعنہ زنی کی گئی خان اس چوٹ کو برداشت کر گیا'' (۱۹)

عزیز بگٹی نے یہ شعر محمد سردار خان بلوچ کی کتاب سے نقل کیا ہے۔سردار خان کا شعر حسب ذیل ہے:

''لیکن ٹھیٹ بلوچی شاعری...... بے ڈھب چیزیں دیکھی ہیں'' (۲۰)

سردار گشکوری نے یہ شعر کہاں سے حاصل کیا کوئی حوالہ نہیں ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے براہوئی مخالفانہ رویہ اپناتے ہوئے جہاں براہوئیوں کو گالیاں دیں' براہوئی قوم' زبان وکلچر کو برا بھلا کہا وہاں انہوں نے براہوئی قومی ہیروز کو متضاد بنانے اور برا بھلا کہنے کے لیے مصنوعی بلوچی شاعری کی آڑ لی۔پھر عزیز بگٹی سردار خان گشکوری کے خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے

اپنی طرف سے نیا مصنوعی بلوچی شعر گھڑ کر براہوئی قومی ہیرو کو گالیاں دیں۔

اب ''الفت نسیم'' نامی لکھاری نے سردار گشکوری اور عزیز بگٹی کے نقش قدم پر چل کر براہوئیوں کو گالیاں دی ہیں۔

الفت نسیم' بلوچ لکھاری ہیں۔انہوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔جن میں کچھ حسب ذیل ہیں:

۱۔تاریخی نسیمی ۔۱' بلوچ اور بلوچستان، ایک نظم، رابعہ خضدار آرٹس اکیڈمی خضدار۔۱۹۸۹ء

۲۔تاریخ نسیمی ۔۲' ''بلوچ اور بلوچستان''، براہوئی کون ہیں'' رابعہ خضداری آرٹس اکیڈمی خضدار ۱۹۹۱ء

۳۔تاریخ نسیمی ۔۳'' بلوچ اور بلوچستان قمبر ان''

بلوچی زبان میں شائع ہونے والی کتابیں ان کے علاوہ ہیں۔انہوں نے اپنی درج بالا ساری کتابوں میں ''براہو جدگال جنگ'' کے عنوان سے ایک خودساختہ بلوچی شعر کی تناظر میں براہوئی لفظ' قوم وزبان کی اصلیت بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے براہوئی زبان وادب کے بارے میں مستند کتب اور معتبر مؤرخین کو جھوٹا اور غلط کہہ کر اپنے بلوچی شعر کو مستند باور کرانے کی کوشش کی ہے اور بضد ہے کہ براہوئی دراوڑ نہیں بلکہ بلوچ ہیں۔ان کی نئی کتاب جو پچھلی کتابوں کا چربہ اور کھچڑی ہے۔اس میں رقمطراز ہے کہ:

''غیر ملکی' غیر قومی اور غیر معتبر مصنفین اور ان کے خوشہ چینیوں کی بدولت بلوچوں کی قومی تاریخ وتشخص ایک مسخ شدہ لاش کی صورت میں سامنے پڑی ہے جو نہ پھینکی جاسکتی ہے اور نہ اپنائی جاسکتی ہے اس مسخ شدہ لاش کا ایک اہم حصہ براہوئی تاریخ ہے جس کا حلیہ مفروضوں کے بے رحم ناخنوں نے بگاڑ دیا ہے۔

اس بگاڑ میں ہماری قبائلی زندگی کا بھی بڑا کردار رہا ہے۔آپس کی قبائلی جنگوں اور معمولی امور پر اختلافات کی شدت اور انتہا پسندی نے بلوچ قوم کو گروہوں اور طائفوں میں تقسیم کر کے انھیں ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔یہی علیحدہ شدہ گروہ اور طائفے اپنے قبیلائی مراکز سے ٹوٹ کر

مختلف خطوں میں جا بسے اور پھر نئے علاقائی اور لسانی ناموں سے متعارف
ہوئے ۔ انہی ناموں کو بنیاد بنا کر دشمنوں اور مفادات کے تحت قلم اٹھانے
والوں نے انہیں مختلف نسلوں سے وابستہ کیا اور خاص طور پر براہوئی قبائل کو
زبان کی بنیاد پر ہزاروں میل دور کی بے بنیاد نسلوں سے جوڑ دیا..........''(۲۱)

پھر براہوئی سے متعلق تاریخی کتب اور مؤرخین پر بے جا الزامات لگا کر انہیں من گھڑت
مفروضہ کار، جھوٹے، جعلی، جعلساز کہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''قلات اور بلوچستان کی تاریخ پر سب سے پہلا اور بڑا دروغ آخوند محمد صدیق
کی تصنیف ''تاریخ الابرار'' ہے۔ جس میں تحریر تمام تر واقعات جن کا تعلق ماضی
ہے منگھڑت اور مفروضے ہیں۔ لیکن بعد کے مؤرخین نے اسی کتاب کے
حوالے سے اپنی تاریخیں لکھیں اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش میں حصہ
دار بنے جن میں میر گل خان نصیر، ملک محمد سعید دہوار، صالح محمد لہڑی، خانِ بلوچ
میر احمد یار خان بلوچ اور آغا نصیر خان سرفہرست ہیں۔ (۲۲)

پھر آگے لکھتا ہے کہ:

''مذکورہ بالا تاریخ نویسوں نے قلات کی تاریخ کے ضمن میں جن مفروضوں سے
کام لیا ہے ان کے پیشِ نظر ان کی باقی تحریریں اور واقعات بھی نا قابلِ اعتبار
اور منگھڑت ہیں۔ براہو جدگال جنگ کی رزمیہ داستان نے ان کے بیشتر
موضوعات کو مفروضہ ثابت کر کے ان پر سیاہی پھیر دی ہے۔ جن میں قلات پر
مغل حکمرانی، میروانی قبضہ اور حاکمیت، رند میروانی لڑائی، برزکوہی، براہیمی، میرو
کمبر، میر عمر اور دیگر موضوعات شامل ہیں۔ لہٰذا ضروری قار پاتا ہے کہ مذکورہ
تاریخی نگارشات پر تاریخی حوالوں سے اور علمی طریقوں سے ناقدانہ نظر ڈالی
جائے اور تمام مفروضوں، من گھڑت کہانیوں اور جعل سازیوں کو مسترد کر کے
سچائیوں کا کھوج لگا کر حقیقی تاریخ کو منظر عام پر لایا جائے اور تاریخ کے طالبعلم
اور متلاشیوں کو مزید گمراہ ہونے سے بچایا جائے۔''(۲۳)

بغیر کسی تاریخی اور دستاویزی ثبوت کے ایک خودساختہ بلوچی شعر کی بنیاد پر براہوئیوں کو
بلوچ کہنا اور ان کی قومی تاریخ، نسل اور زبان کو متضاد بنانا' ان جیسے لکھاریوں کا طرہ امتیاز ہے۔ جس
طرح موصوف نے سردار خان بلوچ اور عزیز بگٹی کی پیروی میں کاوش کی ہے۔

الفت نسیم نے اپنی مذکورہ کتاب میں درجنوں ایسے حوالے دیئے ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔ ہم
ان کی کتاب سے کچھ غلط اور بے بنیاد حوالوں کی اصلیت پیش کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

ا۔ الفت نسیم مبہم انداز میں دراوڑوں کو بے بنیاد نسل قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''براہوئی قبائل کو زبان کی بنیاد پر ہزاروں میل دور کی بے بنیاد نسلوں سے جوڑ
دیا...........۔''(۲۴)

موصوف آگے براہوئیوں کو ''کمینے''، ''کم اصل'' اور ''بدشکل'' کے القابات سے نوازا ہے وہ
لکھتا ہے کہ:

''چونکہ دراوڑ تمام کمینے اور کم اصل اور بدشکل تھے۔ اس لیے اسی مغالطے نے
بعض انگریز مصنفین کو بلا کسی تحقیق کے لکھنے پر مجبور کر دیا کہ براہوئی کمینے اور کم
اصل ہیں۔''(۲۵)

کن انگریز مصنفین نے دراوڑوں کو کمینہ اور کم اصل قرار دیا ہے؟ موصوف نے اس کا کوئی
حوالہ یا ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا جملے موصوف کے اپنے
اختراع ہیں جن کا سہارا لے کر وہ براہوئی کو اپنے نفرت اور تعصب کا نشانہ بنایا ہے۔ براہوئی کے ایک
قول کا ترجمہ ہے کہ ''اصل نسل خطا نہیں کرتا اور کم اصل نسل وفا نہیں کرتا'' الفت نسیم جیسے لغو تاریخ نویس
براہوئی دھرتی پر بیٹھ کر براہوئیوں سے رشتے ناطے کر کے بھی براہوئیوں کو گالی دینے میں عار محسوس نہیں
کرتا۔ تو ان سے ان کے قوم، قبیلے یا اولاد سے براہوئی وفا کی امید نہیں رکھ سکتے۔ جو نفرت اور تعصب کا
پیداوار ہیں وہ براہوئیوں سے رشتے ناطے کر کے بھی براہوئی کے حوالے سے اپنے خون میں شامل
نفرت اور تعصب سے دامن چھڑا نہیں پاتے۔ یہ ان کا وطیرہ ہے جو ان کی جینز میں شامل ہے۔

کیا براہوئیوں کو بلوچی اکیڈمی سے افسوس کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کہ وہ براہوئیوں کو دیئے
ہوئے ہر گالی کو مشتہر کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ کیا یہ کام اس ادبی ادارے کی دستور العمل (منشور)

میں شامل ہے کہ براہوئیوں کے بارے میں تنفر اور متعصب مواد چھاپ کر اپنا فرض پورا کرتے ہیں؟۔

دراوڑوں کے بارے میں دنیا کے معتبر ماہرین بشریات' لسانیات اور آثار قدیمہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ مہذب' امن پسند اور تہذیب کے عروج پر پہنچے لوگ ہیں۔ان لوگوں نے مہرگڑھ' نال' کلی گل محمد' نوشہرو' موہنجوڈرو' ہڑپہ تہذیبوں کو آباد کیا اور دوسرے الفاظ میں ان کو آباد اور قائم کرنے والے براہوئی تھے کیونکہ براہوئی دراوڑ یا دراوڑ براہوئی تھے۔ڈاکٹر محمد انصار اللہ لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے قدیم تر باشندے جن کو دراوڑ یعنی دکھنی کہا جاتا ہے نسبتاً مہذب زندگی بسر کرتے تھے۔''(۲۶)

جب کہ ڈاکٹر انصار اللہ آریاؤں کو کم مایہ تہذیب کے مالک قرار دیتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''ابتدائی ویدک عہد کے آثار سوا ایک خاص قسم کے لوہے کے تبر کے بہت کم ملتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں آریاؤں کی قدیم تہذیب بہت کم مایہ تھی۔انکی جھونپڑیاں مٹی کی ہوتی تھیں اور اکثر اوزار لکڑی' مٹی' بانس' چمڑی جیسی ناپائیدار چیزوں سے بناتے تھے۔''(۲۷)

پروفیسر ایوب صابر دراوڑوں کو مہذب اور آریاؤں کو وحشی قرار دیتا ہے۔وہ رقمطراز ہے کہ:

''آریا برصغیر میں وارد ہوئے تو نیم وحشی تھے ان کی مڈبھیڑ مہذب دراوڑوں سے ہوئی۔دراوڑوں نے ترقی یافتہ شہری' تہذیب استوار کی ہوئی تھی۔''(۲۸)

اے ایل باشم آریاؤں کو وحشی اور فتنہ باز قرار دیتا ہے۔وہ رقمطراز ہے کہ:

"A Arya were a wild turbulent people."(29)

محمد بشیر ظامی دراوڑوں اور آریاؤں کے مابین موزانہ کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ:

''یہ لوگ (دراوڑ) سابق باشندوں (آریاؤں) کی بہ نسبت زیادہ مہذب اور طاقتور تھے۔''(۳۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دراوڑ مہذب' ترقی یافتہ' امن پسند لوگ تھے۔جنہیں وحشی اور فتنہ باز آریاؤں نے تباہ کرنے کی کوشش کی اور ان کے تہذیبی مراکز کو تباہ و برباد کیا۔اس لحاظ سے براہوئیوں کو اپنے دراوڑ ہونے پر فخر ہے۔ان کا تعلق ایک قدیم قوم سے ہے۔وہ قدیم سے اس دھرتی

پر آباد ہیں۔ان کی ساڑھے پانچ سو سالہ حکومت رہی ہے۔اپنی تاریخ' اپنا ادب' کلچر غرض بحیثیت قوم ہر وصف سے متصف ہیں۔وہ براہوئیوں کے بارے میں کیا بات کریں جن کے اپنے بارے میں نواب اکبر بگٹی کہتا ہے کہ:

''تعجب ہے کہ ہمارے تاریخ نویس اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کیوں شرماتے ہیں کہ عیسوی دور سے پہلے کی تاریخ عالم میں بلوچوں کا من حیث القوم کوئی ذکر نہیں ملتا۔انہوں نے کوئی سلطنت قائم نہیں کی اور نہ ہی کوئی نتیجہ خیز فتوحات حاصل کی وہ تو محض خانہ بدوش تھے......''(۳۱)

اور نہ ہی کوئی کلچر ہے۔جیسے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے لکھا ہے جس کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔

بلوچ ۱۷۴۰ء میں پہلی بار براہوئیوں کو کچھی کا علاقہ ملنے کے بعد براہوئی حکومت کی رعایا بنی اور ۸ سال بعد نصیر اعظم نے انہیں براہوئی فوج میں شامل کیا۔۱۹۰۱ء تک ان کی قبائل اور سماجی پست حالت براہوئی اور سندھیوں سے کم تھی۔اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۰۱ء تک بلوچ کسی پناہ گیر (باہوٹ) کو پناہ نہیں دے سکتا تھا اور کے قتل کا کوئی معاوضہ نہ تھا۔گزیٹر مکران میں لکھا ہے کہ:

"The degraded position of the Baloch may be ganged fromthe fact that up to 1899 the heirs of a Baloch could not claim blood compensation against any of the dominant races, nor could a Baloch offer asylum to a refugee (bahot), nor in case of the commissionof adultery by one of the dominant classes with his wife could he obtain lai, i.e., compensation for violation of honour. In january 1899, however, an agreement was signed by all the Gichkis and other headmen of Kech and attested by the Political Agnet, Kalat, in which they agreed to pay blood money for a Baloch at the rate of Rs. 1,500, while the fine to be paid to the Govt. in ordinary cases was not to be less than Rs. 500. It is said by the

poeple that Colonel Reynolds, when Political Agent in Southern Baluchistan, only fixed the amount of blood money for a Baloch at Rs.200, and if this is true, the new rate of compensation is extremely advantageous for the race which forms the majority of the population of the country......."(32)

ترجمہ: بلوچوں کی پست حیثیت کا یہاں سے انداز لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۸۹۹ء تک کسی بلوچ کے ورثاء حاکم طبقے کے کسی آدمی سے خون بہا کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔ نہ ہی بلوچ کسی پناہ گیر یا باہوٹ کو پناہ دے سکتا تھا اور نہ ہی حاکم طبقے کے کسی فرد کی طرف سے اس کی بیوی سے سیاہ کاری پر لئی یعنی معاوضہ آبروریزی حاصل کر سکتا تھا۔ جنوری ۱۸۹۹ء میں تمام کچکیوں اور کیچ کے دیگر معتبروں کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی تصدیق پولیٹیکل ایجنٹ قلات نے کی۔ جس کے تحت انہوں نے ایک بلوچ کے لیے ۱۵۰۰ روپے بطور خون بہا دینا منظور کیا اور عام مقدمات میں حکومت کو ۵۰۰ روپے بطور جرمانہ دینا قبول کیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب کرنل رینلڈز جنوبی بلوچستان میں پولیٹیکل ایجنٹ تھا تو اس نے بلوچ کا خون بہا ۲۰۰ روپے مقرر کیا تھا اور اگر یہ صحیح ہے تو نئی شرح بلوچوں کے لیے بے حد فائدہ مند ہے جو آبادی کا جزو اعظم ہیں''۔

اس جیسے سینکڑوں حوالے موجود ہیں جن سے ''مشت از خروار'' کے مصداق ہم اسی ایک پر اکتفا کرتے ہیں لیکن آئندہ اپنے دفاع کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

۲۔ الفت نسیم، مولانا نور احمد فریدی کے حوالے سے لکھتا ہے:

''مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں یونان کے ریکارڈ سے چھپن اقوام کی فہرست حاصل کر کے درج کی۔ یہ اقوام شاہ ایران زرکس کی فوج میں شامل تھے جس نے یورپ پر حملہ کیا اور ڈوراسکس کے میدان میں جنگ لڑی۔ یہ تذکرہ اس تاریخ میں یوں درج ہے۔

ترجمہ: یہاں سوتی کپڑوں میں ملبوس ہندوستانی، مصر سے اوپر رہنے والے ایتھوپیائی، شیر ببر کی کھالوں میں ملبوس گدروشیا کے گندمی رنگ والے بلوچ نظر آ رہے تھے''(۳۳)

مولانا نور احمد فریدی نے مندرجہ بالا حوالہ ڈاکٹر میر عالم خان راقب کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ اصل الفاظ ذیل ہیں۔

''مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے اسے اپنی تاریخ میں نقل کیا چنانچہ لکھتا ہے کہ:

"Here were to be seen the cotton garments of the Indians and Ethiopians from above Egypt habited in lions hides the sivar thy Balochistan from Gedrosia" (History of the world by Henry Simth William L.L.a)

یعنی یہاں سوتی کپڑوں میں ملبوس ہندوستان، مصر سیاوپر رہنے والے ایتھوپین شیر ببر کی کھالوں میں ملبوس اور گدروشیا کے گندمی رنگ والے بلوچ نظر آ رہے تھے۔

ڈاکٹر میر عالم خان راقب اس اقتباس کو اپنی تاریخ میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۴۸۵ قبل مسیح میں بلوچ من حیث القوم موجود تھے اور بلوچ کہلاتے تھے۔''(۳۴)

ڈاکٹر میر عالم خان راقب کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"Here were to be seen the cotton garments of the Indians and Ethiopians from above Egypt habited in lions hides the sivar thy Baluches from Gedrosia"

یعنی یہاں سوتی کپڑوں میں ملبوس ہندوستانی مصر سے اوپر رہنے والے ایتھوپین شیر ببر کی کھالوں میں ملبوس اور گدروشیا کے گندمی رنگ والے بلوچ نظر آ رہے تھے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ بلوچ کا استعمال بحیثیت ایک قوم ۴۸۵ قبل مسیح میں تھا.................۔'' (۳۵)

مندرجہ بالا حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر میر عالم خان راقب نے بلوچ لکھا ہے جبکہ مولانا نور احمد فریدی نے بلوچستان لکھا ہے۔ دونوں ایک حوالے پر متفق نظر نہیں آتے۔ جب کہ تینوں موصوف بغیر حوالے کے ہیروڈوٹس کی تاریخ میں بلوچوں کا ذکر ہونا بتایا ہے۔ اکبر بگٹی قبل از مسیح میں بلوچوں کی موجودگی کو نہیں مانتا وہ لکھتا ہے کہ:

''عیسوی دور سے پہلے کی تاریخ عالم میں بلوچوں کا من حیث القوم کوئی ذکر نہیں ملتا۔'' (۳۶)

دراصل ہیروڈوٹس کی کتاب میں مذکورہ بالا حوالہ موجود ہی نہیں ہے۔ (۳۷)

۳۔ الفت نسیم، سندھی مؤرخین کا بروہی لفظ کو پہلی دفعہ استعمال کرنے کے حوالے سے لکھتا ہے:

''جہاں تک خان صاحب کے لفظ بروہی کا تعلق ہے تو صرف سندھ کے لوگ یہ نام استعمال کرتے ہیں۔ باقی ہر جگہ یہ نام براہوئی ہے اور یہ بگڑا ہوا نام نہیں ہے۔ لفظ بروہی کا تاریخ میں پہلی بار استعمال سندھی مؤرخین نے خان قلات میر عبداللہ خان کے نام کے ساتھ کیا ہے جو اپنے زمانے میں ''شہباز کوہستان'' کہلاتا تھا اور اٹھارویں صدی میں پہلی دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اس سے قبل دنیا کی کسی تحریر میں بروہی کا لفظ دیکھنے میں نہیں آیا ہے اور خان عبداللہ خان بلوچ پہلا شخص ہے جسے بروہی کہا گیا ہے۔ یہ کتاب ''تحفۃ الکرام'' (فارسی) بخش اول، جلد سوئم ہے۔ جسے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔ اس کے صفحہ نمبر ۴۲۲ پر خان کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

عبداللہ خان بن سمندر خان بلوچ بروہی زمیندار عمدہ سرحد قندہار......۔'' (۳۸)

جب تحفۃ الکرم کے متن کا مطالعہ کیا گیا تو عبداللہ خان براہوئی کے حوالے سے حسب ذیل تحریر لکھی ہوئی پائی گئی۔

''وبا عبداللہ خان صاحب قلات بروہی۔ کہ خود را شہباز کوہستان خواندی۔

نوبت کین نواختہ تا آنکہ در سال چہل وسہ بعد ہزار وصد ہجری خوسوار شد قلعہ کرتارا۔ مبارک خان بجنگ معاصرہ بستد۔'' (۳۹)

اس کتاب کا اردو اور سندھی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ مندرجہ بالا فارسی جملوں کی معنی یہ دی گئی ہیں:

''خان قلات خان عبداللہ بروہی سے، جو خود کو کوہستان کا شہباز کہلاتا تھا، جا کر پنجہ ملایا۔ آخر سن ۱۱۴۳ھ میں خود اس نے (مراد کلیدی نے) اپنی جانب سے فوج کشی کی اور محاصرہ اور جنگ کے بعد کرتہ کا قلعہ مبارک خان سے چھین لیا......۔'' (۴۰)

الفت نسیم نے جو الفاظ عبداللہ خان براہوئی کے حوالے سے نقل کئے ہیں وہ ''تحفۃ الکرام'' میں نہیں ہیں بلکہ تحفۃ الکرام میں شامل پیر حسام الدین راشدی کے لکھے ہوئے تعلیقات میں درج ہیں۔ جو صفحہ ۳۸۶ سے ۴۲۳ تک لکھے گئے ہیں۔ پیر حسام الدین راشدی نے جو تعلیقات لکھے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

''دلیر خان معین الدولہ بہادر، نصیر جنگ (۱۱۴۵ھ۔۱۱۴۳ھ) در اواخر سال رسید (رک ۲، کتاب حاضر ۳۷۷۔۳۷۸) بقول محمدی عبداللہ خان بن سمندر خان بلوچ بروہی زمیندار عمدہ سرحد قندہار (اواخر سال ۱۱۴۳ھ) در جنگ خدایار خان لتی زمیندار عمدہ سرحد ملتان، کشتہ شد۔'' (۴۱)

۴۔ الفت نسیم نے پروفیسر راپسن کے حوالے سے براہوئیوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

''بروہی قوم جسے دراوڑی یادگار ٹھہرا گیا ہے زیادہ تر ایرانی الاصل ہے اور ان دنوں جو لوگ بروہی زبان بولتے ہیں ان میں جدگال، کردوں اور بلوچوں کے اکثریت ہے اور ان میں کوئی دراوڑی نسل کا نہیں ہے۔

پروفیسر راپسن نے براہوئیوں کو تین گروہوں میں بتا کر انہیں سو فیصد بلوچ لکھا ہے۔......'' (۴۲)

جب راپسن کی اصلی تحریر کا مطالعہ کیا گیا تو الفت نسیم کی مندرجہ بالا ساری تحریر غلط ثابت ہوئی۔ انہوں نے راپسن سے منسوب بہت کچھ اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر راپسن کی اصلی تحریر میں ''بروہی'' درج نہیں بلکہ ''براہوئی'' لفظ درج ہے۔ اس کے تحریر میں جدگال، کرد اور

بلوچ اور براہوئیوں کے تین گروہ اور وہ بھی بلوچ ہیں کے اضافی الفاظ الفت نسیم کے الفت کا تحفہ ہیں۔ راپسن کے اصل الفاظ حسب ذیل ہیں:

"The racial character of the Brahuis is now mainly Iranian and not Dravidian in the India sense of the term........"(43)

۵۔ الفت نسیم' فرنٹیئر اینڈ اورسیز ایکسپیڈیشنز فرام انڈیا'' نامی کتاب کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

''ایک دوسری کتاب ''فرنٹیئر اینڈ اوورسیز ایکسپیڈیشنز فرام انڈیا'' میں ہے کہ میرو اور اس سے منسوب قبیلہ میروانی' شام کے حلب سے آئے ہوئے ہیں''(۴۴)

لیکن اس کتاب کے اصل الفاظ حسب ذیل ہیں جو الفت نسیم کے الفاظ اور جملوں سے بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً

"The origin of the...... Brahuis is a much vexed question...... claim an Arab origin and to have come from Aleppo in Northern Arabia..."(45)

اس طرح الفت نسیم کی ساری کتابوں کو مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ سستی شہرت کا شائق براہوئیوں کا قومی' تہذیبی اور ثقافتی بلند گراف کو گرانے کے لیے اپنے اخلاقی گراف کے گرنے کا پرواہ بھی نہیں کرتا۔ براہوئی کا ایک کہاوت ہے کہ ''بکری پہلے اتنی سی دم پائے کہ اپنی ستر چھپائے''۔

ضمیمہ نمبر ۵

براہوئیوں کی تعداد

ڈاکٹر سہیل انشاء براہوئی کو ۱۹۹۸ء کے مردم شماری سے خارج کرنے کے حوالے سے تحریر کرتا ہے کہ:۔

"In 1998 census' the Balochs and brahuis were considered bilingual people and were named as Balochi/Brahui combination............"(1)

براہوئی زبان کے نامور محقق اور ادیب پروفیسر سوسن براہوئی لکھتا ہے کہ:۔

"As we know that a so called organization of Balochistan is trying to strangulate the Brahui language that caused tremendos of the language. They pressed the voice of Brahui in Balochistan and Sindh' there fore, it Pakistan.The people belonging to or influenced by this appearances on various stages in lslamabad. They attribute the voice of Brahui as prejudice'repugnance' humiliation and insult.The disappearance of Brahui column in the census of 1998 is its evident proof............"(2)

یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ بلوچستان میں بلوچوں کے برعکس براہوئیوں کی اکثریت ہے۔ اے ڈبلیو ہیوگز لکھتا ہے:

"The Brahui who, as a race are very numerous in Balochistan".(3)

یہ کتاب ۱۸۷۵ء کے بعد چھپی۔ اس کے مطابق اس دوران بلوچستان اور سندھ میں

براہوئیوں کی تعداد دوسری اقوام کی نسبت زیادہ تھی۔ تو اب پاکستان میں ان کی تعداد ایک فیصد کیسے بنی؟ اس کی کیا وجوہات ہیں؟ ان سوالات کے جوابات کو معلوم کرنے کے لیے ہمیں مردم شماری رپورٹوں کا بغور مطالعہ اور اس دور کے معروضی سیاسی حالتوں اور مفادی سازشوں کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ حقیقت کی اصل تہہ تک پہنچا جاسکے۔

برصغیر میں پہلی اور دوسری مردم شماری بالترتیب ۱۸۸۳ء اور ۱۸۹۱ء میں ہوئی۔ ان رپورٹوں کے متعلق خدا بخش بجارانی مری لکھتے ہیں:

''۱۸۸۳ء اور ۱۸۹۱ء کی ابتدائی مردم شماری کی رپورٹیں زیادہ صحیح نہیں ہوسکتیں کیونکہ وہ حکومت برطانیہ کے قیام کے بعد جلد ہی تیار کر لی گئی تھیں۔ اس زمانے میں آج کل کے مقابلہ میں ذرائع آمد و رفت بہت کم تھے۔ برصغیر میں سیاسی تبدیلیوں کی بنا پر لوگوں نے ایک مقام پر پوری طرح قیام نہیں کیا تھا۔ اور عام طور پر لوگ مردم شماری کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بنابریں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت آبادی کا کافی حصہ شمار ہونے سے رہ گیا ہوگا............'' (۴)

۱۹۰۱ء میں تیسری مردم شماری لسانی بنیادوں پر ہوئی۔ جس میں براہوئیوں کی تعداد ۲,۹۲,۸۷۹، بلوچوں کی ۸۰,۵۵۲ اور پشتونوں کی ۱,۹۹,۴۵۷ تھی۔ (۵) یعنی اس مردم شماری میں براہوئی پہلے نمبر پر تھے اور بلوچوں سے ۲,۱۲,۳۲۷ کی تعداد میں زیادہ تھے۔ چوتھی مردم شماری ۱۹۱۱ء میں ہوئی۔ اس میں براہوئیوں کی بلوچستان میں تعداد ۱,۹۵,۵۱۶ اور سندھ میں ۶۰,۳۸۹ تھی۔ کل ۲,۵۵,۹۰۵ بنتی ہے جو ۱۹۰۱ء کی مردم شماری سے ۳۶,۹۷۴ کم تھے۔ وہ اس لیے کہ اس دوران بہت سے براہوئی ایران، افغانستان اور دوسرے ممالک گئے جو یہاں مردم شماری میں نہیں گنے گئے جب کہ بلوچوں کی تعداد ۲۵,۲۸۱ اور پشتوں کی تعداد ۲,۰۶,۲۰۶ تھی۔ (۶) یعنی براہوئی اس مردم شماری میں بھی پہلے نمبر پر تھے۔

پانچویں مردم شماری ۱۹۲۱ء میں ہوئی۔ اس میں براہوئیوں کی تعداد ۱۵۹۷۳۴، بلوچوں کی تعداد ۱۷۶۳۳۶، اور پشتونوں کی تعداد ۱۹۲۱۶۴ تھی۔ (۷) چھٹی مردم شماری ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ اس میں براہوئیوں کی تعداد ۲,۲۴,۴۱۵ بتائی گئی ہے۔ (۸) اور سندھ میں ان کی تعداد ۸۲,۳۲۶ تھی۔ (۹) اس طرح سندھ و بلوچستان میں ان کی کل تعداد ۳,۰۲,۴۱۵ بنتی ہے جب کہ بلوچوں کی

صرف ۲,۲۶,۰۴۱ تھی۔ (۱۰) براہوئی بلوچوں سے ۷۶,۳۷۴ کی تعداد میں زیادہ تھے اور بلوچستان میں تعداد کے لحاظ سے پہلے نمبر پر تھے۔

۱۹۴۱ء کی مردم شماری میں بلوچستان میں براہوئیوں کی تعداد ۲,۵۲,۰۰۰ ظاہر کی گئی ہے۔ اور سندھ میں ۹۰,۰۰۰ ہزار بتائی گئی ہے۔ جو ۱۹۳۱ء کی مردم شماری سے صرف ۴۲,۰۰۰ زیادہ دکھایا گیا ہے۔ (۱۱) جب کہ اس کے برعکس صرف سندھ میں بلوچوں کی تعداد ۷,۴۸,۹۷۷ بتائی گئی ہے۔ (۱۲) بلوچستان میں ان کی تعداد علیحدہ ہے جو ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ۲,۲۶,۰۴۱ تھی جو ۱۹۴۱ء کی مردم شماری تین لاکھ کے قریب ہونا چاہیئے۔ مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف سندھ میں ان کی تعداد ساڑھے سات لاکھ کیسے ہوئی؟ دراصل ۱۹۳۳ء میں میر احمد یار خان براہوئی حاکم مقرر ہوئے انہوں نے یوسف عزیز مگسی اور عبدالعزیز کرد کے سیاسی مفروضوں پر کاربند رہ کر سارے بلوچستان پر مطلق العنان حکومت کرنے کے جنون میں براہوئی قوم کو بلوچ شمار کروایا۔ اپنے نام کے ساتھ براہوئی کے بدلے بلوچ لکھنا اور کہلوانا شروع کیا۔ اس وجہ سے بلوچوں کی براہوئیوں پر اکثریت بڑھائی۔

۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں بلوچستان میں براہوئیوں کی تعداد ۲,۶۲,۴۶۳ دکھائی گئی ہے۔ (۱۳) جو ۱۹۴۱ء کی مردم شماری سے صرف ۱۰,۴۶۳ زیادہ ہیں۔ یعنی براہوئی ۱۹۴۱ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک ان دس سالوں میں صرف ۱۰,۴۶۳ بڑھے۔ جب کہ بلوچ ۲,۲۱,۰۰۰ سے ایک دم بڑھ کر ۳,۰۰,۷۳۶ کی تعداد میں نمودار ہوگئے۔ یعنی وہ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۱ء تک ان دس سالوں میں ۷۹,۷۳۶ کی تعداد میں بڑھے۔ روس کے نامور ماہر بشریات یوری گنگوفسکی ۱۹۴۱ء تا ۱۹۵۱ء تک کے درمیان براہوئیوں کا کم ہونے کے اسباب کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

''۱۹۴۱ء اور ۱۹۵۱ء کے درمیان سندھ کے شمالی علاقے میں بروہیوں کی تعداد ۳۶ ہزار سے گھٹ کر ۲۳ ہزار رہ گئی۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری پاکستان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بلوچوں میں جذب ہو چکے تھے............'' (۱۴)

گنکوفسکی مزید لکھتا ہے:

''بلوچوں نے انہیں نسبتاً تیزی سے جذب کیا۔ یہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بلوچی قومی تحریک میں بروہیوں نے سرگرم حصہ لیا ہے............'' (۱۵)

انور رومان براہوئیوں کے ساتھ بلوچوں کی طرف سے ہونے والے سازشوں کو نہ سمجھ کر وہ اپنے طرف سے براہوئیوں کی تعداد میں کمی کے اسباب کے بارے میں تجزیہ پیش کرتا ہے:

''اسی طرح قلات ریاست کی ۱۹۰۱ء کی ساری آبادی ۳۷۲۵۳۱ کے مقابلے میں تیزی کے ساتھ ۱۹۵۱ء میں ۲۸۲۹۴۵ رہ گئی۔ گویا ۵۰ سال کے عرصہ میں قریباً ۲۵ فیصد کی تخفیف واقع ہوئی۔ کتنا تعجب ہے کہ جھالاوان سب سے زیادہ کمی سے اثر پذیر ہوا۔ جو کہ براہوئیوں کا حقیقی مسکن ہے۔ ساراوان میں بھی ان کی تعداد کافی ہے۔ اس میں آبادی ۲۷ فیصد گھٹ گئی۔ کچھی کا زرخیز میدان اس کی امکانی زرعی دولت کے باعث آبادی میں ساٹھ فیصد بیشی سے ہمکنار ہوا۔ یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ انگریز براہوئیوں کے ساتھ حقارت آمیز طرز عمل سے پیش آئے ہوں گے۔ لیکن اس خط کے بارے میں انگریزوں کی حکمت عملی یکساں تھی۔ اس لیے اسے بہ حیثیت مجموعی پرکھنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ وہ علاقے (قبائلی اور بظاہر آزاد) جو براہ راست انگریزی نظم ونسق کے تابع تھے۔ انہوں نے سوائے ژوب کی آبادی میں ایک واضح زیادتی کے رجحان کو بظاہر کیا..........۔''(۱۶)

مخالفین نے سیاسی حوالے سے براہوئی کو بلوچوں کی دوسری زبان قرار دے کر انہیں بلوچوں میں شمار کیا۔ براہوئیوں کے خلاف یہ اقدام ایسا تھا جیسا ۱۹۲۱ء سے ۱۹۵۱ء تک کی مردم شماریوں میں پنجابیوں نے ڈوگری زبان کو کانگڑی لکھ کر اسے پنجابی قرار دے کر پنجابی میں شامل کر دیا۔ اس طرح ڈوگری تحریری دنیا میں مردہ زبانوں کی لسٹ میں شمار ہو گیا۔ گنکوفسکی اس حوالے سے تحریر کرتا ہے کہ:

''۱۸۹۱ء میں شمالی مغربی ہندوستان میں ڈوگری زبان بولنے والوں کی تعداد ۱۲ لاکھ ۲۹ ہزار درج کی گئی تھی۔ ۱۹۲۱ء میں ان کی تعداد گھٹ کر ۴ لاکھ ۱۸ ہزار ۷ سو ہو گئی۔ اور ۱۹۵۱ء میں صفر رہ گئی۔ (پاکستان اور ہندوستان کی مردم شماریوں کی مطابق) اس مظہر کی تشریح کیسے کی جائے؟ ہوا یہ کہ ۱۹۲۱ء میں اعداد وشمار جمع کرنے والوں نے ڈوگری کو کانگڑی بولی بنا کر (جو ۱۸۹۱ء میں ۶ لاکھ ۳۶ ہزار

۵ سو درج کی گئی تھی) پنجابی زبان میں شامل کر دیا۔ ۱۹۵۱ء میں ڈوگری مجموعی طور پر پنجابی میں شامل کر دی گئی......۔(۱۷)

جس طرح پنجاب میں سرائیکی قومیت کی مخالفت سب سے زیادہ پنجاب کے درمیانے طبقے اور دانشور کی جانب سے کی جارہی ہے یہ لوگ سرائیکی قومیت کے وجود کے منکر ہیں اور اسے پنجابی قومیت کا حصہ تصور کرتے ہیں بالکل یہی براہوئی کے خلاف کیا جارہا ہے۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں بلوچستان میں براہوئیوں کی تعداد ۳۶۵۷۷۲ بن گئی اور سندھ میں ان کی تعداد ۱۶۶۵۴۵ ظاہر کی گئی یعنی کل سندھ و بلوچستان میں ان کی تعداد ۵۳۲۳۱۷ تھی۔(۱۸) یعنی ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء کے درمیان ان دس سالوں میں ۲۶۹۸۵۴ کی تعداد بڑھی۔ براہوئیوں کی یہ تعداد ۱۹۵۱ء کے مقابلے میں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں پچاس فیصد زیادہ کیسے بڑھ گئی۔ اس کے لیے یوری گنکوفسکی براہوئیوں میں تعلیم کا عام ہونے کے سبب نسلیاتی شعور عام ہوا' قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان لوگوں نے بلوچ کے مقابلے میں خود کو براہوئی لکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۶۱ء میں ۳ ہزار ۷ سو پڑھے لکھے بروہیوں کے نام درج کئے گئے تھے۔ (۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے وقت اور نو آبادیاتی دور میں ایک بھی بروہی تعلیم یافتہ نہ تھا) ظاہر ہے کہ بروہیوں کا نسلیاتی شعور واضح ہو رہا ہے۔ اس کا ایک یہ ثبوت بھی ہے کہ ان کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں ۲ لاکھ ۱۸ ہزار ۶ سو بروہی تھے اور ۱۹۶۱ء میں ۳ لاکھ ۶۵ ہزار ۸ سو (یعنی ۶۶٫۸ فیصدی کا اضافہ) ان ہی برسوں میں بلوچوں کی تعداد میں صرف ۴ فیصدی کا اضافہ ہوا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حال ہی میں بروہیوں .... میں .... بروہی نسلی گروہ ہونے کا احساس پیدا ہو گیا ہے..........۔''(۱۹)

گنکوفسکی کی بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ اس دور میں براہوئی قوم کے لوگ ۱۹۵۱ء سے باقاعدہ دنیوی اور دینی تعلیم پر زور دیئے۔ مگر وہ تعلیم کے زیور سے کیسے بہرآور ہو گئے۔ وہ نہیں بتا سکے ہیں۔ اصل میں بابائے براہوئی' براہوئی نور محمد پروانہ نے ۱۱ مئی ۱۹۵۲ء کو جیکب آباد میں ''آل پاکستان براہوئی جماعت'' کی بنیاد رکھی۔ اس پلیٹ فارم سے انہوں نے براہوئیوں میں سیاسی' نسلی' تعلیمی اور

سماجی شعور پیدا کرنے کی پوری کوشش کی۔۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء تک اسے بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔جس کا گنکوفسکی نے ذکر کیا ہے۔ ۱۹۵۸ء کے دوران ان کی دوستی چیف آف سراوان نواب غوث بخش رئیسانی سے ہوئی۔ وہ خود براہوئی ایک علیحدہ قوم ہے پر پختہ یقین رکھتے تھے۔ان کی دوستی نے ان کے نظریہ کی ترقی اور ترویج پر چار چاند لگائے۔وہ براہوئیوں میں مزید سیاسی‘تعلیمی‘نسلی شعور کے لیے کوشاں رہے۔ ۱۹۵۸ء میں وہ سیاست سے ہٹ کر براہوئی زبان کی ترقی و ترویج کے لیے ’براہوئی ادبی بورڈ کا قیام عمل میں لائے۔ پھر ۲۶ فروری ۱۹۶۰ء کو دنیا میں پہلا ہفت روزہ براہوئی اخبار ’’ایلم‘‘ (بھائی) کے نام سے اجراء کیا۔ان کی انہی پروانہ وار کوششوں اور نواب رئیسانی کی قربانیوں نے بالآخر براہوئیوں میں نسلیاتی اور تعلیمی شعور پیدا کیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں براہوئی ایک جھٹکے میں پچاس فیصد بڑھے۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں بلوچوں کو صرف بلوچستان میں ان کی تعداد ۱۵۲۳۰۰۰ ظاہر کی گئی ہے۔(۲۰) اور سندھ میں ان کی تعداد ۵۵۶۵۸۴ بتایا گیا ہے۔(۲۱) اس طرح صرف سندھ اور بلوچستان (دوسرے علاقوں کو چھوڑ کر) میں ان لوگوں کی تعداد ۲۰۷۹۵۸۴ بن گئی۔یعنی وہ ۱۹۵۱ء سے لے کر ۱۹۶۱ء تک ان دس سالوں کے درمیان ۸۸۵۸۷۷ابڑھ گئے جو گمراہ کن تعداد ہے۔

۱۹۷۱ء اور ۱۹۸۱ء کی مردم شماریاں لسانی بنیادوں پر نہیں ہوئیں۔جیسے کہ پروفیسر ڈاکٹر سیمی نغمانہ طاہر لکھتی ہیں:

> ’’۱۹۷۲ء اور ۱۹۸۱ء کی مردم شماری چونکہ لسانی بنیادوں پر نہیں ہوئی اس لیے اس کی بنیاد پر جو تعداد معلوم ہوئی وہ قطعی درست تسلیم نہیں کی جاسکتی............۔‘‘ (۲۲)

سندھ میں براہوئیوں کی تعداد ۲۲۵۰۰۰ بتائی گئی ہے۔(۲۳) مگر بلوچستان میں کوئی اعداد شمار ظاہر نہیں کیا گیا۔۱۹۸۱ء میں آزادانہ طور پر براہوئیوں کی تعداد 1.1 ملین بتایا گیا ہے۔(۲۴)

براہوئی زبان جو ۱۹۶۲ء تک پہلے نمبر تھی وہ ۱۹۴۱ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹۶۱ء اور ۱۹۷۱ء کے سیاسی سازشوں کی نتیجے میں بالآخر تیسرے نمبر پر لایا گیا۔۱۹۸۲ء میں بلوچستان میں زبانوں کا جو فیصد جدول دیا گیا ہے اس میں براہوئی تیسرے نمبر پر ہے۔

زبان	فیصد
بلوچی	۳۳ء۵۹ صد
پشتو	۳۸ء۴ صد
براہوئی	۱۵ء۸
سندھی	۱۲ء۲۲ صد (۲۵)

لیکن دوسری رپورٹ اور تحقیق کے مطابق ۱۹۸۱ء کے خانہ شماری میں بلوچستان میں براہوئی زبان تقریباً ۲۱ فیصد لوگ بطور مادری زبان بولتے تھے۔ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں براہوئی بولنے والوں کی مجموعی تعداد تقریباً بیس لاکھ اور براہوئی بولنے والوں کی مجموعی تعداد اندازاً تیس لاکھ کے قریب ہوگی۔(۱۶) لیکن ۲۰۱۴ء کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں براہوئیوں کی تعداد چالیس لاکھ اور پوری دنیا کے اندر بیالیس لاکھ بیس ہزار ظاہر کی گئی ہے۔(۲۷) ایک اور رپورٹ میں بلوچستان میں بلوچی زبان چالیس فیصد‘ پشتو زبان بھی چالیس فیصد جب کہ براہوئی زبان بیس فیصد بولی جاتی ہے ظاہر کیا گیا ہے۔(۲۸) بلوچستان اور سندھ میں براہوئی اور بلوچوں کی آبادی کے تضاد کو معلوم کرنے کے لیے اگلے صفحات پر چارٹ ملاحظہ کریں۔

جب اس مردم شماری سے براہوئی کے ساتھ ناانصافی ہوئی۔براہوئیوں کو بلوچ شمار کیا گیا تو براہوئی زبان کا فی صدی تناسب کم ہوگیا اور بلوچی زبان بولنے والوں کا فی صدی تناسب بڑھ گیا۔جس سے بلوچ کو پشتون کے مقابلے میں اکثریت ہونے کا سیاسی فائدہ پہنچا۔کیونکہ لسانی بالادستی کے لیے بلوچوں اور پشتون کے مابین جاری اس نرم خو جنگ نے وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے سیاسی مفادات سے مہمیز پائی۔جس کے نتیجے میں لسانی وسعت اور پھیلاؤ یہ گفتگو ایک حساس سیاسی معاملہ بن گیا۔بقول ایک اینتھراپولوجسٹ بلوچستان میں آبادی کے اعداد وشمار بڑی آسانی سے سیاسی بحث میں بدل جاتے ہیں.....‘‘ (۲۹)

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے نتائج کو بنیاد بناتے ہوئے کل بلوچستان میں یہاں کی زبانوں کی وسعت اور پھر دیہی اور شہری ہر دو سطح پر بلوچستانی زبانوں سے متعلق اعداد وشمار بیان کیے گئے۔پاکستانی زبانوں میں پشتون ۱۳ فیصد بلوچی ۳ فیصد اور براہوئی ایک فیصد لوگوں کی زبان دکھائی گئی ہے۔(۳۰)

مردم شماری ۱۹۰۱ سے ۲۰۰۱ء تک

زبانیں		1901	1911	1921	1931	1941	1951	1961	1971	1981	1991	2001
براہوئی	بلوچستان	292879	195516	159734	224415	252000	262463	365772		1 . 1 Milion	1 . 4 Million	20 %
	سندھ		60389		82326			166545	22500			
بلوچ	بلوچستان	80552	257281	172336	226041	221000	300726	1523000			3 . 6 Million	
	سندھ							556585				
پشتون	بلوچستان	199457	206206	19214				556584				

۱۹۷۲ء میں بلوچستان کے اضلاع میں براہوئیوں کی تعداد

ضلع	براہوئی	بلوچی	پشتو	اردو	سندھی
زیارت	4098		50902		
ژوب	4000		445000		
کیچ	15900	66000	700		
سبی	55000	12000	20000		100000
کوئٹہ	408000	125000	500000	198000	20000
پشین	18000		60000		
پنجگور	52000	300000		30000	
نصیرآباد	185000	120000		3000	67000
ٹوٹل	733998	607000			

۱۹۷۴ء میں بلوچستان کے اضلاع میں براہوئیوں کی تعداد

ضلع	براہوئی	بلوچی	پشتو	اردو	سندھی
ماشکیل	175000	44000			
مستونگ	260000	4000	5006		
لورالائی	36000		450000		
لس بیلہ	51000			60000	400000
کوہلو	30000	130000	3000		
قلعہ عبداللہ	55000	500	550000		
خضدار	572000	30000		22000	60000
خاران	120000	170000	18000		
قلات	387000	2000			
ٹوٹل	1666000	380500			

۱۹۷۴ء میں بلوچستان کے اضلاع میں براہوئیوں کی تعداد

ضلع	براہوئی	بلوچی	پشتو	اردو	سندھی
قلعہ سیف اللہ	16000		300000		
جھل مگسی	30000	125000			35000
جعفرآباد	280000	245000	30006		153000
گوادر	80000	170000		53000	
ڈیرہ بگٹی	20000	250000		26000	
چاغی	230000	170000			31000
کچھی (بولان)	160000	61000			250000
بارکھان	19000	120000	3000		
آواران	120000	70000	3000		
ٹوٹل					

چنانچہ سیاست سے قطع نظر غیر جانبدارانہ اندازوں کے مطابق ۱۹۹۰ء تک بلوچستان میں براہوئیوں کی بیس لاکھ آبادی تھی اور ۲۰۱۰ء تک یہ تعداد پینتیس سے چالیس لاکھ کے قریب ہے اور سندھ میں آٹھ لاکھ سے تجاوز کر گئے ہیں۔ اس میں پنجاب' سرحد اور پاکستان کے دوسرے علاقے اور انڈیا' بنگلہ دیش' افغانستان' مشرق وسطیٰ' ترکمانستان' دبئ' ابوظہبی اور دوسرے ممالک کے براہوئی شامل نہیں۔ اگر ان کا حساب کیا جائے تو تعداد ایک کروڑ سے زیادہ بنتی ہے۔ (۳۱) ''انسٹیٹوٹ آف پاپولیشن اسٹڈیز'' ادارہ نے ۱۹۸۰ء میں اپنی ایک تحقیقی رپورٹ انٹرنیٹ پر جاری کی۔ مختلف ممالک میں آباد براہوئیوں کی تعداد اس طرح پیش کی گئی۔

ایران =	ستر ہزار
افغانستان =	دو لاکھ چھتیس ہزار
بنگلادیش =	چار سو
ترکمانستان =	اُنیس سو
برطانیہ =	سات ہزار
انڈیا (کیرالہ) =	چھپن ہزار' نو سو باون
انڈیا (تامل ناڈو) =	چھ ہزار تین سو ترانوے
انڈیا (کرناٹک) =	چار سو بیاسی (۳۲)

مندرجہ بالا علاقوں میں بسے ہوئے براہوئیوں کی تعداد تین لاکھ اٹھتر ہزار چھ سو پنتالیس بنتی ہے جو سندھ اور بلوچستان کے براہوئیوں کے تعداد کے چوتھائی کے برابر ہے۔ ان ملکوں کے تعداد میں ایران میں تعداد کم بتائی گئی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایران میں براہوئیوں کی تعداد ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ ہے۔ حاصل مطلب کہ بلوچستان میں براہوئیوں کو مینگل حکومت نے ۱۹۹۸ء میں مردم شماری سے خارج کروایا تا کہ پشتون مقابلے میں بلوچ اکثریت میں ہوں جو براہوئی قوم کے ساتھ اخلاقی' قبائلی' سماجی اور سیاسی گھناؤنی سازش ہے۔

حوالہ جات

حوالہ جات باب اول

۱۔ میر گل خان نصیر، ''تاریخ بلوچستان'' کوئٹہ، قلات پبلشرز، طبع سوم ۱۹۹۳ء، ص ۵۰۹

۲۔............ایضاً..................ص ۵۲۰

۳۔ بہ روایت میر براہوئی سوراب، موبائل پر یہ ساری روئداد پروفیسر سوسن براہوئی اور عطاء اللہ سرپرہ کے سامنے بتائیں۔ بروز جمعرات، رات ۸ بجے، ۲ جنوری ۲۰۱۵ء

۴۔ میر گل خان نصیر، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۵۲۴

۵۔ بہ روایت میر براہوئی،

۶۔............ایضاً............

۷۔ میر گل خان نصیر، ''بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں''، کوئٹہ، نساء ٹریڈرز، طبع اول، ۱۹۸۲ء، ص ۲۴۴

۸۔ ....ایضاً............ص ۲۲۵، ۲۲۴

۹۔ شیخ ایاز، ''کتھی تہ بھنجبوتگ مسافر''، (چار حصے) کنڈیارو، روشنی پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۵۰۱، ۵۰۰

۱۰۔ ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، شمارہ ۲۵، جلد ۳۶، ۳ تا ۹ جولائی ۱۹۹۵ء، ص ۸، تینا تینا خیال

۱۱۔............ایضاً............

۱۲۔ گل خان نصیر ''مشہد نا جنگ نامہ''، (براہوئی) کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی، ۱۹۸۱ء، ص پیش لفظ، ۹، ۱۰

۱۳۔............ایضاً......پیش لفظ ص ۶

۱۴۔............ایضاً......پیش لفظ ص ۷

۱۵۔ لانگ ورتھ ڈیمز ''کوچ و بلوچ''، تالیف و ترجمہ گل خان نصیر، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ۱۹۸۳ء، ص ۴۱

۱۶۔ رچرڈ، آئزک بروس، ''بلوچستان (فورورڈ پالیسی اور نتائج)'' اردو ترجمہ: انعام الحق کوثر، کوئٹہ، سیلز اینڈ سروسز، ۱۹۹۹ء

۱۷۔ لانگ ورتھ دیمز، ''کوچ و بلوچ'' ترجمہ: گل خان نصیر، کوئٹہ، قلات پبلشرز، بار دوم، ۱۹۸۳ء، ص ۲۶

۱۸۔ ایضاً..................................ص ۴۳

19. See for details
☆ "Dictionary of Indian biography" New York, Haskel House Publishing Ltd America, 1906, p-430

☆ پروفیسر گیان چند، ''علم لسانیات''، نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء، ص ۸۹۰

☆ ڈاکٹر ہدایت پریم، ''سندھی بولیءَ جا محقق ائیں انھن جی تحقیق''، حیدرآباد، سندھی لینگویج اتھارٹی، ۲۰۰۷ء، ص ۲۰ سے ۲۵، ۳۰ سے ۳۳

☆ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، ''براہوئی زبان و ادب کی مختصر تاریخ''، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۸۲ء، ص ۱۸۶، ۱۸۷

☆ سہ ماہی ''مہران'' جلد ۶۴، نمبر ۲، جامشورو، سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۱۴ء، ص ۲۱، ۲۲، ۲۵

20. G.A Grierson, "Linguistic Survey of India", vol-4, Calcutta, 1906, p-iv

۲۱۔ افضل مراد، ''مختصر تاریخ زبان وادب براہوئی''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۰

۲۲۔ ....ایضاً..............................ص ۱۰۰

23. Govt: India, ed; "Frontierand Oversies Expeditions From India", Vol-lll, Slection from Govt: record, Baluchistan and Afghan war, 1st Edition, 1910, pp-26,27

24............ Ibid............

۲۵۔ میر گل خان نصیر، ''تاریخ بلوچستان'' (دو جلد) کوئٹہ، قلات پبلشرز، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۹۳ء، ص ۱، ۲

۲۶۔ ....ایضاً....................ص ۵

۲۷۔ لانگ ورتھ دیمز، ''کوچ و بلوچ''، ترجمہ و تحریر: گل خان نصیر، کوئٹہ، قلات پبلشرز، بار دوم، ۱۹۸۳ء، ص ۲۳، ۲۴

۲۸۔ ....ایضاً....................ص ۲۷، ۲۸

29. See Ref. No.23, p-26

۳۰۔ ....ایضاً....................ص ۳۲

۳۱۔ ....ایضاً....................ص ۲۸

۳۲۔ ....ایضاً....................ص ۶۱، ۶۲

۳۳۔ میر گل خان نصیر، ''بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی''، کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، ۱۹۷۶ء، ص ۲

۳۴۔ ....ایضاً....................ص ۷

۳۵۔ ......ایضاً..........'بلوچستان کی قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں''، کوئٹہ، نساء ٹریڈرز، ۱۹۸۲ء، ص ۳۶

۳۶۔ ....ایضاً......................ص ۳۷

۳۷۔ ابوعمرو منہاج الدین عثمان، ''طبقات ناصری''، جلد اول، لاہور، اردو سائنس بورڈ، طبع دوم، ۱۹۸۵ء، ص ۲۹۷، ۳۰۷، ۳۰۸

۳۸۔ سید میر محمد بن سید جلال تتوی، ''ترخان نامہ''، (فارسی)، حیدرآباد، ۱۹۶۵ء، ص ۹، ۱۰، ۱۱

☆ غلام محمد لاکھو، ''سمن جی سلطنت'' (سندھی)، جامشورو، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۴۴

39. M.B. Emeneau, "Brahui and Dravidian Comparative Grammar", Los Angles, University of California Press, 1962, p-52

40. C.F. Minchin, "The Gazetteer of Balochistan, "Jhalawan", Quetta, Gosha-e-Adab, 2nd edition, 1986, pp-98,99

۴۱۔ اولف کیرو، ''پٹھان''، اردو ترجمہ: سید محبوب علی، پشاور، پشتو اکیڈمی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۱۰ تا ۱۱۳

42. C.F Minchin, op. cit. p-100

43. T. Burrow and M.B. Emeneau, "A Dravidian Etymological Dictionary", (Supplement, London, Oxford University Press, 1968, Entry No.5615

44. George Cliford Whitworth, "An Anglo-Indian Dictionary", London, Kegan Peal Trench, 2nd Edition, 1885, p-238

45. C.F. Minchin, op. cit. p-99

46. T. Burrow and M.B. Emeneau, op. cit. Entry No.3096

47. Bernard Comrie, "The World's Major Languages", London, Croom Helm Ltd, 1987, pp-40,514

☆ Mario Pei and Frank Gaynor, "Dictionary of Linguistics", New York, Philosophical Library, 1954, pp-99,100

☆ Bernard Comrie, "The World's Major Languages", London, Croom Helm Ltd, 1987, pp-40,514

☆ David Crystal, "An Encyclopedic Dictionary of Language and Languages", Blackwell, Publisher, USA, 1992, p-195

☆ Kenneth Katzner, "The Languages of the World", New edition, Great Britian, 1995, pp-10,15

☆ Hadumod Bussmann, "Routledge Dictionary of

Language and Linguistics", London, Routledge, 1996, pp-225,228

48. Etienne Tiffou, "Pakistan: Non Indo-European", The Year book of south Asian languges and linguistics", Cheif editor: Rajendra Singh, Sage Publication, New Delhi, 1998, p-198,

49. See Ref: 29

i. ....ibid, op. cit, p-116

ii. ....ibid, op. cit, p-514

iii. ....ibid, op. cit, p-210

iv. ....ibid, op. cit. pp-2,15,171

v.............ibid, op. cit, p-250

۵۰۔خاطر غزنوی، ''اردو زبان کا ماخذ ہندکو''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء، ص ۲۷

51. www.britanica.com/EB checked/topic/320823/koch.

52. Sarthak Sengupta, "Physical Anthropology of the Koch populations of India", A Study of Assam", K.M. Rai Mittal for Mittal Publications, New Delhi, 1993, p-3

۵۳۔یوری گنکوفسکی، ''پاکستان کی قومیتیں''، ماسکو، ۱۹۷۶ء، ص ۴۱

۵۴۔اولف کیرو، ''پٹھان''، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۱۱۴ تا ۱۲۴

☆ وی اے سمتھ، ''قدیم تاریخ ہند''، اردو ترجمہ: پروفیسر محمد جمیل الرحمٰن، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۱ء، ص ۳۱۶ تا ۳۳۷

55. David Crystal, "An Encyclopedic Dictionary of Language and Languages", op. cit. p-14

۵۶۔محمد رمضان بلوچ، ''بلوچستان قدیم تہذیبوں کا سنگم''، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص ۱۸۶، ۱۰۲

۵۷۔حاجی عبداللطیف بنگلزئی، ''مکتوبات کامل القادری'' کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی پاکستان، ۲۰۱۴ء، ص ۷۷

۵۸۔ پروفیسر انور رومان، ''کوئٹہ قلات کے براہوئی''، اردو ترجمہ: پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر، قریشی پبلی کیشنز، بار اول، ۱۹۸۷ء، ص ۴۵، ۴۶

۵۹۔ ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۳۶، شمارہ ۲۶، مورخہ ۲۶ جون ۱۹۹۴ء، ص ۴

۶۰۔لانگ ورتھ ڈیمز، ....ص ۴۰

۶۱۔ پروفیسر عزیز مینگل، ''براہوئی نا ہندی و سنسکرت تو سنگتی'' (لغت)، کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰

62. Henry, Walter Bellew, "From Indus to the tigris" Karachi, Royal Book Company, Reprint 1977, p:58

63. ....Ibid........................p:475, Appendix

64. M.B Emeneau, "Brahui and Dravidian Comparative Grammar" Barkeley, University of California Press, 1962, pp:3,4

65. M.B Emeneau, "Language and Linguistic Area" edited by: Anwar S.Dil, California, 1980, p:316

۶۶۔عزیز مینگل، ''پنجابی براہوئی لسانی رشتے'' کوئٹہ، سعد پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۲۸

۶۷۔ڈاکٹر داد محمد خادم بروہی، ''سندھی براہوئی بولی ءَ جو تقابلی جائزو'' (سندھی)، حیدرآباد، سندھی بولی ءَ جو بااختیار ادارو، ۱۹۹۴ء، ص ۹۔ ڈاکٹر داد محمد خادم کی اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے

☆ڈاکٹر داد محمد خادم براہوئی، ''سندھی براہوئی زبانوں کا تقابلی جائزہ'' اردو ترجمہ: گلزار آثم براہوئی ایڈووکیٹ، کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۷، ۱۸

68. Prof. Dr. Ghulam Ali, Allana, "The Origin and Growth of Sindhi Language" Jamshoro, I of S, 2002, pp:291,292

۶۹۔ڈاکٹر غلام علی الانا، ''سندھی بولی ءَ جو بن بنیاد'' (سندھی) کراچی' سندھیکا اکیڈمی' ۲۰۰۴ء، ص ۲۹۸، ۲۹۹

حوالہ جات باب دوم

1. C.F Minchin, "The Gazetteer of Baluchistan" Series "Jhalawan" Quetta, Goshe-e-Adab, 2nd edition, 1986, Appendix xii, The Brahui Jadgal War'pp:246,247

۲۔رائے بہادر ہتورام،''تاریخ بلوچستان'' کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی،۱۹۷۳ء،ص ۲۳

۳۔میر گل خان نصیر،''تاریخ بلوچستان'' کوئٹہ، قلات پبلشرز،۱۹۹۳ء،ص ۱۱

۴۔رائے بہادر ہتورام،ص ۱۸۷

۵۔..................ایضاً..................ص ۶۷

۶۔غلام رسول مہر''تاریخ سندھ عہد کلہوڑا'' جلد اول، کراچی، س ا ب،۱۹۵۸ء،ص ۱۸۶

۷۔احمد یار خان بلوچ،''خان بلوچ کا پیغام''، کراچی ۱۹۷۲ء،ص ۱۰

۸۔منشی عبدالرؤف سیوستانی،''گلدستہ نورس بہار''(قلمی فارسی) ص ۹۹،۱۰۰

۹۔پروفیسر سوسن براہوئی،''ٹپر ناٹوپ''(براہوئی خلقی قصہ غاک) کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی پاکستان،۲۰۱۰ء،ص :پنٹ (انتساب)

۱۰۔گل خان نصیر اور کچھ دوسرے قلمکاروں نے عبداللہ خان براہوئی کے نام کچھ بلوچی اشعار منسوب کئے ہیں۔ جس میں اسے عاشق مزاج شخصیت کے طور پر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل یہ ساری بلوچی شاعری' زبان' کیفیت اور مزاج کے حوالے سے عبداللہ خان کے نہیں ہیں بلکہ بلوچی زبان کے کسی شاعر کے ہیں۔ اس شاعری کو عبداللہ خان سے منسوب کر کے اسے بلوچ حاکم قرار دینے کی سیاسی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ اس کا اپنے دور حکومت میں بلوچوں سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی اس کے دربار میں کوئی بلوچ امراء یا امیر موجود تھا۔ بلکہ سب کے سب براہوئی تھے اور براہوئی بولتے تھے۔ اگر اس نے شاعری کی بھی ہے تو براہوئی زبان میں کی ہوگی جو فی الحال ہمارے دسترس میں نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں:

☆ گل خان نصیر،''بلوچی عشقیہ شاعری'' کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی،۱۹۷۶ء،ص ۱۱۶،۱۶۲تا۱۶۹تک،۱۹۹،۲۰۰

☆......ایضاً..........''بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی'' کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی،۱۹۷۶ء،ص ۹تا۱۸

۱۱۔ہفت روزہ''ایلم''،مستونگ، جلد ۳۴،شمارہ ۲،مورخہ ۱۰جنوری ۱۹۹۳ء،ص ۲''تینا تینا خیال''

۱۲۔فقیر اللہ شاہ علوی،''مکتوبات علوی''، لاہور،۱۹۱۹ء،ص ۱۰۸،۱۰۹

۱۳۔مرزا عباس علی بیگ،''خدایار خانی میاں سرفراز خان عباسی''، جامشورو، ا۔آ۔ف۔س،۱۹۸۰ء،ص ۱۲۲

۱۴۔رائے بہادر ہتورام، حوالہ دیا گیا ہے،ص ۲۱۳،اور دیکھئے آخوند محمد صدیق''اخبار الابرار'' اردو ترجمہ: گل خان نصیر' کوئٹہ، نساء ٹریڈرز،۱۹۸۴ء،ص ۵۵،۵۶

۱۵۔..................ایضاً..................ص ۶۳۱

16. C.F Minchin, "The Gazetteer of Baluchistan", Series "Kachhi", Quetta, Gosha-e-Adab, 2nd edition, 1986, pp:46, 137, and also see:

☆ Ibid.........., op. cit. "Sarawan" pp-56,58,60,62,66

☆رائے بہادر ہتورام، ص ۶۴۰

☆گل خان نصیر،''تاریخ بلوچستان''،ص ۴۳

۱۷۔رائے بہادر ہتورام، ص ۶۸

۱۸۔ہفت روزہ''ایلم''،مستونگ، جلد ۳۵،شمارہ ۴،مورخہ ۲۶جنوری ۱۹۹۴ء،ص ۴''تینا تینا خیال''

۱۹۔کامران اعظم سہروردی،''بلوچ قبائل''، لاہور، تخلیقات،۲۰۰۷ء،ص ۷۷

۲۰۔میر خدا بخش بجارانی مری،''قدیم بلوچی شاعری''، کوئٹہ، بزم ثقافت،۱۹۶۳ء،ص ۱۷،۱۸

۲۱۔ رائے بہادر ہتورام، حوالہ دیا گیا ہے،ص ۶۳۱

۲۲۔..........................ایضاً..........................

۲۳۔..........................ایضاً..........................ص ۶۳۲

۲۴۔..........................ایضاً..........................ص ۶۳۷،۶۴۰

۲۵۔براہوئی نور محمد پروانہ،''نواب غوث بخش رئیسانی شہید ناذاتی آ کردار''(مقالہ) ماہنامہ''مہر'' نوشکی، جلد ۲،شمارہ ۹،۲۰۰۸ء،ص ۱۶،۱۷

۲۶۔اے ڈبلیو ہیوگز،''سرزمین بلوچستان''، اردو ترجمہ: پروفیسر انور رومان، کوئٹہ، بے نظیر انٹرپرائزز، طبع دوم،۱۹۹۰ء،ص ۱۶۴

۲۷۔رائے بہادر ہتورام، حوالہ دیا گیا ہے،ص ۴۸۸

۲۸۔..........ایضا..........ص۱۶۱

۲۹۔اے ڈبلیو ہیوگز۔حوالہ دیا گیا ہے

۳۰۔محمد سردار خان بلوچ،''بلوچ قوم کی تاریخ''، اردو ترجمہ، پروفیسر انور رومان، کوئٹہ، نساء ٹریڈرز، ۱۹۸۹ء، ص ص ۲۳۰، ۲۳۷

۳۱۔ یہ معلومات راقم الحروف اور عابد براہوئی کو نوابزادہ میر حاجی لشکری خان رئیسانڑی نے مہیا کی۔ جنھوں نے اس بندوق پر درج تحریر پڑھی تھی۔ راقم الحروف نوابزادہ میر حاجی لشکری خان رئیسانڑی کا یہ معلومات فراہم کرنے پر تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

۳۲۔میر احمد یار خان،''خان بلوچ کا پیغام'' ص۱۰

۳۳۔محمد سردار خان بلوچ،''بلوچ قوم کی تاریخ''، حوالہ دیا گیا ہے، ص۲۱۹

۳۴۔گل خان نصیر،''تاریخ بلوچستان'' ص۵۴، ۵۵

۳۵۔..................ایضاً..................

۳۶۔رائے بہادر ہتو رام، ص۶۴۰

۳۷۔رائے بہادر ہتو رام، حوالہ دیا گیا ہے، ص۵۲

۳۸۔محمد سردار خان بلوچ،''بلوچ قوم کی تاریخ'' حوالہ دیا گیا ہے، ص۳۳۸

۳۹۔مولوی دین محمد،''یادگار تاج پوشی قلات''، لاہور، ۱۹۳۲ء، ص۵۸

۴۰۔لانگ ورتھ ڈیمز،''کوچ و بلوچ''، ترجمہ و تالیف: گل خان نصیر' کوئٹہ، قلات پبلشرز، ۱۹۶۹ء، ص۲۳، ۳۳

۴۱۔ہفت روزہ''ایلم''مستونگ' جلد۳۶، ۲۴جون تا ۲جولائی، ۱۹۹۵ء، ص۴،''تینا تینا خیال''

۴۲۔..........ایضاً..........جلد۳۵، شمارہ۲۶' ۱۰جولائی۱۹۹۴ء، ص۳، ایڈیٹوریل

۴۳۔..........ایضاً..........شمارہ۲۴، ۱۰نومبر۱۹۹۴ء، ص۴،''تینا تینا خیال''

۴۴۔مولائی شیدائی،''براہوئی زبان کا ماضی و مستقبل''(مقالہ)' ہفت روزہ''ایلم'' مستونگ، جلد۳۱' شمارہ۳۳، ۳ستمبر۱۹۹۰ء، ص۴ (سی سال مست)

۴۵۔جوہر براہوئی،''شادوزباد''(براہوئی شاعری) فرید آباد' میہڑ ضلع دادو سندھ' براہوئی پبلی کیشن۱۹۹۲ء، ص۳۷

۴۶۔..................ایضاً..................

۴۷۔علامہ قاضی نور محمد گنجابوی،''جنگ نامہ تحفۃ النصیر''(فارسی) کوئٹہ، بلوچستان یونیورسٹی، ۱۹۹۰ء، ص۱۵۴

۴۸۔..................ایضاً..................ص۵۷، ۹۱، ۲۹، ۱۷۵

۴۹۔..................ایضاً..................ص۱۷۱

۵۰۔..................ایضاً..................ص مختلف صفحات

۵۱۔محمد سردار خان بلوچ، حوالہ دیا گیا ہے، ص۲۳۷

۵۲۔..........ایضاً..........، محمد سردار خان نے اس مقولہ کا ترجمہ''براہوئی میرا جسم ہیں تو بلوچ اس کا حفاظتی لباس ہیں'' کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ص۳۳۹

۵۳۔احمد یار خان بلوچ''مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ'' کراچی، ۱۹۷۲ء، ص۴۸

۵۴۔..................ایضاً..................

۵۵۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی،''بلوچستان اور پاکستان۔الحاق کی کہانی حقائق کی زبان''، کوئٹہ' قلات پبلشرز، تیسرا ایڈیشن ۲۰۰۹ء، ص۱۱۲

۵۶۔ڈاکٹر داد محمد خادم،''مضمون' ہفت روزہ''ایلم''مستونگ' ۱۶جون ۱۹۹۵ء، ص۴

۵۷۔میر گل خان نصیر،''تاریخ بلوچستان''، حوالہ دیا گیا ہے، ص۸۶۔۸۷

۵۸۔..................ایضاً..................ص۹۴ تا ۹۶

۵۹۔..................ایضاً..................ص۹۹ تا ۱۰۰

۶۰۔..................ایضاً..................ص۱۰۷ تا ۱۰۸

۶۱۔..................ایضاً..................ص۱۰۸

۶۲۔..................ایضاً..................ص۱۱۵ تا ۱۱۶

۶۳۔پروفیسر انور رومان،''کوئٹہ قلات کے براہوئی''، اردو ترجمہ: ڈاکٹر انعام الحق کوثر' کوئٹہ' قریشی پبلی کیشن، ۱۹۸۷ء، ص۴۶، ۴۷

۶۴۔رائے بہادر ہتو رام۔حوالہ دیا گیا ہے، ص۲۳۱

۶۵۔..................ایضاً..................ص۲۴۷

۶۶۔............ایضاً............................ص۲۵۳

۶۷۔............ایضاً............................ص۲۶۲

۶۸۔............ایضاً............................ص۲۶۳

۶۹۔............ایضاً............................ص۲۶۸

۷۰۔............ایضاً............................ص۲۷۱

۷۱۔............ایضاً............................ص۲۷۳،۲۷۴

۷۲۔''قلات انیسویں صدی میں'' گورنمنٹ ریکارڈ، ترجمہ: پروفیسر محمد رشید الحق، کوئٹہ، یونائیٹڈ پرنٹرز، ۱۹۸۶ء، ص۱۲۷

۷۳۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ''بلوچستان میں اردو''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۶ء، ص۱۱۰ سے ۱۱۲ تک، اور دیکھئے: عزیز محمد بگٹی، حوالہ دیا گیا ہے، ص۱۲۷

۷۴۔ڈاکٹر شاہ محمد مری، ''میر یوسف عزیز مگسی''، کوئٹہ، سنگت اکیڈمی آف سائنسز، ۲۰۰۹ء، ص ص ۶۳، ۱۳۰

۷۵۔ براہوئی، بلوچ قلمکار اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ ''انجمن اتحاد بلوچاں'' کو عبدالعزیز کرد، محمد حسین عنقا اور ملک فیض محمد یوسفزئی نے قائم کیا، لیکن یہ صحیح نہیں۔

۷۶۔ڈاکٹر شاہ محمد مری، ''میر یوسف عزیز مگسی''، حوالہ دیا گیا ہے، ص۲۵۲

۷۷۔......................ایضاً......................ص۶۳، ۴۶

۷۸۔......................ایضاً......................ص۱۳۱

۷۹۔مولوی دین محمد ''یادگار تاجپوشی قلات'' لاہور، ۱۹۳۲ء، ص۳۵

۸۰۔میر گل خان نصیر، ''تاریخ بلوچستان''، ص۴۲۰

۸۱۔حکیم بلوچ، ''بلوچ قومیت، خانیت وسرداریت'' کوئٹہ، گوشۂ ادب ۲۰۰۷ء، ص۹۸

☆۔اس معاہدے کے نکات کا علم یوسف عزیز مگسی کے بعد اٹھائے گئے ذاتی اور تنظیمی اقدامات سے پتہ چلتا۔

۸۲۔''شمس گردی''، لاہور، انجمن اتحاد بلوچاں، ۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء، ص۶۰، ۶۱

۸۳۔میر گل خان نصیر، ''تاریخ بلوچستان''، ص۴۲۲، ۴۲۳

۸۴۔مولوی دین محمد، حوالہ دیا گیا ہے، ص۶۲، ۶۳

۸۵۔میر گل خان نصیر، ''تاریخ بلوچستان''، ص۴۲۳

۸۶۔ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۳۰، شمارہ ۲۴، مورخہ ۲۶ جون ۱۹۸۹ء، ص۳، ''تینا تینا خیال''

۸۷۔ایضاً......................جلد ۳۳، شمارہ ۱، مورخہ ۳ جنوری ۱۹۹۲ء، ص۳، ''تینا تینا خیال''

۸۸۔عزیز محمد بگٹی۔حوالہ دیا گیا ہے۔ص۱۳۰

۸۹۔ڈاکٹر شاہ محمد مری، حوالہ دیا گیا ہے، ص۷۴

۹۰۔........................ایضاً......................ص۱۳۲

۹۱۔........................ایضاً......................ص۷۳

۹۲۔پروفیسر ڈاکٹر سیمی نغمانہ طاہر، ''بلوچستان میں ابلاغ عامہ۔آغاز وارتقاء''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۶ء، ص۱۶۳

۹۳۔میر گل خان نصیر، ''بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں'' کوئٹہ، نساء ٹریڈرز، ۱۹۸۲ء، ص۳۱۱

۹۴۔ڈاکٹر شاہ محمد مری، حوالہ دیا گیا ہے، ص۷۴

۹۵۔ایضاً......................

۹۶۔ایضاً......................ص۳۱۱، ۳۱۲

۹۷۔ڈاکٹر شاہ محمد مری، حوالہ دیا گیا ہے، ص۷۹

۹۸۔مولوی دین محمد، ص 'ز' تمہید

۹۹۔ایضاً......................ص۸، ۹

100. Dr. Mian Sohail InShah, "Literary Development in Balochistan", Balochistan Through Centuries' Edited by: Dr. Riaz Ahmed, Islamabad, Quaid-e-Azam University, 2008, p.59

۱۰۱۔میر گل خان نصیر، ''بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں''، ص۳۱۳

۱۰۲۔ڈاکٹر شاہ محمد مری، حوالہ دیا گیا ہے، ص۱۰۵

۱۰۳۔میر گل خان نصیر، ''تاریخ بلوچستان''، ص۴۳۳، ۴۳۴

۱۰۴۔............ایضاً............''بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں''، ص۳۱۴، ۳۱۵

۱۰۵۔سلیگ ہیریسن،''قومی تحریکیں اور بلوچستان''، ترجمہ: مسعود بخاری، کوئٹہ، گوشۂ ادب ت ن ص ۳۴

۱۰۶۔اختر علی بلوچ،''بلوچستان کی نامور شخصیات'' جلد اول، کراچی، رائل بک کمپنی ۱۹۹۴ء، ص ۶۱

۱۰۷۔ ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۲۴، شمارہ ۱۷، مورخہ ۲۶ جون ۱۹۷۶ء، ص ۵ اور دیکھئے ہفت روزہ ''ایلم''، مستونگ، جلد ۳۲، شمارہ ۴۵، مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۸

۱۰۸۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر،''مکاتیب یوسف عزیز مگسی''لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۸ء، ص ۱۱، ۱۲

۱۰۹۔پروفیسر ڈاکٹر سیمی نغمانہ طاہر' حوالہ دیا گیا ہے، ص ۲۴۸

۱۱۰۔..........ایضاً..........ص ۱۲۴

۱۱۱۔..........ایضاً..........ص ۵۰۳

۱۱۲۔ ہفتہ روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۲۴، شمارہ ۱۷، مورخہ ۲۶ جون ۱۹۷۶ء، اور دیکھئے .... ایضاً..........جلد ۳۲، شمارہ ۴۵، ۳ دسمبر ۱۹۹۱ ص ۸

۱۱۳۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی،''براہوئی اور اردو کا تقابلی مطالعہ''، کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳۵

۱۱۴۔میر احمد یار خان،''مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ''، ص ۸۴

☆. Mir Ahmed Yar Khan Baloch, "Inside Balochistan", Karachi, Royal Book Company, 1975, p:146

۱۱۵۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی،''بلوچستان اور پاکستان الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی''، کوئٹہ، گوشۂ ادب، ۲۰۰۷ء، ص ۵۷

۱۱۶۔ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۳۴، شمارہ ۲۸، ۲۶ جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۴ ''اداریہ''

۱۱۷۔..........ایضاً..........ص ۲۱، ۲۲

118. Inayatullah Baloch, "The Problems of Greater Balochistan", Steiner Verlag Wiesbaden, GMBH Stuttgart, 1987, p:180

۱۱۹۔میر گل خان نصیر،''تاریخ بلوچستان''، ص ۴۹۹

۱۲۰۔ڈاکٹر شاہ محمد مری،''بابائے بلوچستان' میر غوث بخش خان بزنجو''، کوئٹہ، سنگت اکیڈمی آف سائنسز ۲۰۰۹ء، ص ۵۱، ۵۵

۱۲۱۔زاہد چودھری،''بلوچستان خود مختاری کا آغاز''، لاہور، ادارہ مطالعہ تاریخ ۱۹۹۴ء، ص ۱۵۰، ۱۶۲

۱۲۲۔ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۳۶، شمارہ ۲۸، مورخہ ۲۶ جولائی، ۱۹۹۵ء، ص ۴ ''تینا تینا خیال''

۱۲۳۔..........ایضاً..........جلد ۳۳، شمارہ ۳۹، مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص ۳، ''تینا تینا خیال''

۱۲۴۔..........ایضاً..........جلد ۳۵، شمارہ ۳۱، مورخہ ۱۷ اکتوبر، ۱۹۹۲ء، ص ۳، ۴، اداریہ

۱۲۵۔..........ایضاً..........جلد ۳۶، شمارہ ۲۹، مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۹۵ء، ص ۳،''تینا تینا خیال''

۱۲۶۔..........ایضاً..........شمارہ ۶، ۱۰ فروری، ۱۹۹۵ء، ص ۳،''تینا تینا خیال''

۱۲۷۔..........ایضاً..........شمارہ ۱۳، ۱۳ اپریل، ۱۹۹۵ء، ص ۴،''تینا تینا خیال''

۱۲۸۔..........ایضاً..........شمارہ ۱، مورخہ ۳ سے ۹ جنوری ۱۹۹۵ء، ص ۴،''تینا تینا خیال''

۱۲۹۔اختر علی بلوچ، ص ۱۴۷، ۱۴۸

۱۳۰۔بابائے براہوئی، ذاتی ڈائری مورخہ ۲۱ جون ۱۹۵۲ء، بروز ہفتہ

۱۳۱۔ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۳۶، شمارہ ۳، مورخہ ۱۹۹۵ء، ص ۴،''تینا تینا خیال''

۱۳۲۔ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۴، شمارہ ۱۷، مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۷۶ء، ص: اداریہ،

۱۳۳۔عزیز محمد بگٹی، ص ۱۲۵، ۱۲۶

۱۳۴۔ ماہنامہ ''شروخ''، شعبہ مرکزی نشر و اشاعت، براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن، جلد ۱، شمارہ ۱، فروری مارچ ۱۹۹۰ء، ص ۵

۱۳۵۔نادر شاہ عادل،''بلوچستان کا مقدمہ''، کراچی، گوہر پبلشرز، ۱۹۸۹ء، ص ۹۷

۱۳۶۔ ماہنامہ ''شروخ''، ص ۶ اور دیکھئے: ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، نمبر ۱۷، شمارہ ۳۲، مورخہ ۲۶ اگست، ۱۹۷۶ء، ص ۲ محترم صلاح الدین مینگل کا خط

۱۳۷۔ ہفت روزہ ''ایلم''..........ایضاً..........

۱۳۸۔ واحد بخش بزدار،''میر گل خان نصیر' شخصیت اور فن''، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص ۲۰

۱۳۹۔ ماہنامہ ''بلوچی دنیا''، ملتان، دسمبر ۱۹۸۳ء، میر گل خان نصیر کا خط اور دیکھئے ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۲۵، شمارہ ۶، مورخہ ۶ فروری ۱۹۸۴ء، ص ۱

۱۴۰۔ ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۱۷، شمارہ ۳۲، مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۷۶ء، ص ۲، میر صلاح الدین مینگل کا خط

۱۴۱۔..............................ایضاً..............................

۱۴۲۔ شوکت ترین، ''خان شہید کی سیاست''، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص ۶۵

۱۴۳۔..............................ایضاً..............................ص ۶۶

۱۴۴۔ عبدالغنی غنو، ''بابائے پشتون اور پشتونخواہ'' (جلد اول) مستونگ، نادر ٹریڈرز، ۱۹۹۰ء، ص ۲۲۴

۱۴۵۔ ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۱۶، ۱۷ جنوری ۱۹۷۳ء، ص ۸

۱۴۶۔..............................ایضاً..............................جلد ۱۷، شمارہ ۲۷، ۲۶ اگست ۱۹۷۶ء ص ۲

۱۴۷۔ ....ایضاً..............................مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۷۳ء، ص ۵

۱۴۸۔..............................ایضاً..............................۲۶ فروری، ۱۹۷۳ء

۱۴۹۔..............................ایضاً..............................۱۰ اپریل، ۱۹۷۳ء، ص ۳

۱۵۰۔..............................ایضاً..............................۱۰ مارچ، ۱۹۷۵ء، ص ۳

۱۵۱۔..............................ایضاً..............................جلد ۱۳، شمارہ ۱۰، مورخہ ۱۰ فروری، ۱۹۷۳ء، ص ۵

۱۵۲۔..............................ایضاً..............................جلد ۱۶، شمارہ ۱۱، مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۷۳ء، ص ۵

۱۵۳۔ سلیگ ہیریسن، ص ۲۱۶

۱۵۴۔ طاہر بزنجو، ''بلوچستان، سیاست میں اتار چڑھاؤ'' کوئٹہ، سیلز اینڈ سروسز ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۲، ۱۱۳

۱۵۵۔ ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۳۵، شمارہ ۳۳، مورخہ ۱۷ جون، ۱۹۹۴ء، ص ۴

۱۵۶۔..............................ایضا..............................شمارہ ۲۵، مورخہ ۳ جولائی، ۱۹۹۴ء، ص ۴

۱۵۷۔ محمد عالم براہوئی، ''مقالہ'' ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ،، جلد ۳۵، شمارہ ۲۴، ۲۶ جون، ۱۹۹۴ء، ص ۶

۱۵۸۔ ماہنامہ ''شروخ''، ص ۹، اور دیکھئے

☆ بی ایس ایف کا ''دستور العمل'' مرکزی نشر و اشاعت

۱۵۹۔ ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۳۵، شمارہ ۱۸، مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۹۴ء ص ۵، ''براہوئی اسٹوڈنٹس ناغڈ وءُ تاریخ ئس'' (مقالہ) تحریر: نذیر احمد شاکر براہوئی' کمک: محمد اکرم براہوئی اور محمد زمان امبل براہوئی۔

۱۶۰۔ توئی ''استار'' سوراب، جلد ۳۱، شمارہ ۳، مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۹۰ء ص ۸

۱۶۱۔ ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۳۰، شمارہ ۱، ۳ جنوری ۱۹۸۹ء، ص ۶

۱۶۲۔..............................ایضاً..............................ص ۶

۱۶۳۔ آئین براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن، شعبہ مرکزی نشر و اشاعت، ۲۰ ستمبر ۱۹۸۸ء، ص ۴، ۵

۱۶۴۔ ''دستور براہوئی اسٹوڈنٹس فیڈریشن، سر ٹھکر شعبہ نشر و اشاعت، ۲۰ دسمبر، ۱۹۹۵ء

165. Letter No.1206, Date 8/8/89, Balochistan text Book Borad Quetta.

۱۶۶۔ طاہر محمود خان، ''بلوچستان قومی سیاست کا ارتقاء اور صوبائی خودمختیاری''، کوئٹہ، نوکیں دور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۳۷

۱۶۷۔ روزنامہ ''آزادی''، ۱۳ دسمبر، ۲۰۰۸ء، فرنٹ پیج

۱۶۸۔ طاہر بزنجو، ''بلوچستان سیاست میں اتار چڑھاؤ''، کوئٹہ، سیلز اینڈ سروسز' ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۳

۱۶۹۔ طاہر محمود خان، ''مقالہ''، سہی ماہی ''تاریخ'' (خاص نمبر نیشنلزم)، نمبر ۲۵، لاہور، فکشن ہاؤس ۲۰۰۵ء، ص ۱۳۷

۱۷۰۔ ڈاکٹر مظفر حسن ملک، ''نسلیات پاکستان''، اسلام آباد' مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء، ص ۲۴۳، ۲۳۶

حوالہ جات باب سوم

1. Henry Pottinger, "Travels in Beloochistan and Scinde", London, Hurst, Rees, Orme, and Brown Peternoster, row, 1816, p.271

☆ہنری پوٹنگر، ''سفرنامہ بلوچستان و سندھ'' (حصہ دوم) ترجمہ: انور رومان، کوئٹہ، نساء ٹریڈرز، طبع اول ۱۹۸۰ء، ص۷۲، اور دیکھئے

☆ایضاً..................''سندھ ائیں بلوچستان جو سیر سفر'' (سندھی ترجمہ)، سومار علی سومرو، حیدرآباد، س اب، ۱۹۹۳ء، ص۲۹۲

۲۔ جامع حسن اللغات' (فارسی۔اردو)' لاہور' اورئینٹل بک سوسائٹی، ص۱۰۴

۳۔ کپتان جیمس ٹاڈ، ''تاریخ راجستھان۔ حالات مارواڑ'' جلد دوم، کراچی، انڈس پبلیکیشنز' ۱۹۹۰ء، ص۲۶۵، ۲۶۶، حوالہ۳

۴۔ چارلس میسن، ''سفرنامہ قلات'' ترجمہ: پروفیسر انور رومان، کوئٹہ، بے نظیر انٹر پرائزز، ۱۹۸۶ء، ص۳۰۷، ۳۰۸

5. R. Hughes Buller, "Imperial Gazetteer of India", Provincial Series, Balochistan, London, 1908, p:89

6. C.F. Minchin, "The Gazetteer of Balochistan", Series "Jhalawan", Gosha-e-Adab, Second edition, 1986, pp:259 to 266

7. R. Hughes Buller, op, cit, p:89

۸۔ مولائی شیدائی، ''سرزمین بلوچستان'' کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، ۱۹۹۴ء، ص۲۶

۹۔ رائے بہادر ہتورام، ''تاریخ بلوچستان'' کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، ۱۹۷۳ء ص۱۹۸

10. Denys Bray, "The Brahui Language" Vol-l, Quetta, Brahui Academy, Second Edition, 1977, p:3, Introduction.

☆..........Ibid.......... Vol-ll, part-l, Quetta, Brahui Academy, Second Edition, 1978, pp:35,36

11. M.S. Andronov, "The Brahui Language" Moscow, 1980, p:16, Note-3

۱۲۔ خواجہ محمد عباد اللہ اختر امرتسری، ''دمشق'' لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۳ء، ص۲۲۴ تا ۲۷۵

13. C. Narayana Rao, "An Introduction to Dravidian Philology", India, 1929, p-42

14. Jan E.M. Houben, "Ideology and Study of Sanskrit: Contribution to the History of the Sanskrit Language", Netherlands, E.J.Brill Leiden, 1996, p-32, ref.8

15. G.P Tate, "Seistan", Quetta, Gosha-e-Adab, Second Edition, 1977, p-Appendix 368

16. Asko Parpola, "Deciphering the Indus Script" London, Cambridge University Press, 1994, p:162

۱۸۔ مولوی دین محمد، ''یادگار تاج پوشی قلات'' لاہور، ۱۹۳۲ء، ص۸

۱۸۔ میر گل خان نصیر، ''تاریخ بلوچستان''، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ۱۹۹۳ء، ص۱، ۲

۱۹۔ ملک صالح محمد لہڑی، ''بلوچستان'' کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص۲۷، ۲۸

۲۰۔ محمد سردار خان بلوچ، ''بلوچ قوم کی تاریخ''، اردو ترجمہ: پروفیسر ایم انور رومان، کوئٹہ، نساء ٹریڈرز، ۱۹۸۹ء، ص۲۹۱، ۲۹۲

۲۱۔ گل خان نصیر، ''تاریخ بلوچستان''، حوالہ دیا گیا ہے، ص۷

۲۲۔..................ایضاً..........................ص۷۰۴، ۷۰۵

۲۳۔ ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند'' جلد چودھواں، حصہ دوم، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ص۴۱۲

۲۴۔ انور رومان، ''کوئٹہ قلات کے براہوئی''، اردو ترجمہ: پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر، کوئٹہ، قریشی پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص۴۷ تا ۵۰

۲۵۔ لانگ ورتھ ڈیمز، ''کوچ و بلوچ''، تالیف و ترجمہ: گل خان نصیر، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ۱۹۸۳ء، ص۱۰، ۱۱

26. Mir, Ahmed Yar Khan Baloch, "Inside Balochistan", Karachi, Royal Book Company, 1975, p.xiv

۲۷۔ میر عاقل خان مینگل، ''براہوئی یا کردگالی زبان'' (براہوئی مقالہ)' سلسلہ مطبوعہ' براہوئی اکیڈمی' کوئٹہ' براہوئی اکیڈمی پاکستان، ۱۹۷۶ء، ص۸

۲۸۔ محمد سعید دہوار، ''تاریخ بلوچستان'' کوئٹہ، مطبوعات النساء، ۱۹۹۰ء، ص۷۹ تا ۸۲ تک اور دیکھئے:

☆ملک سعید دہوار، ’’بلوچستان ماقبل تاریخ‘‘، کوئٹہ، مطبوعات النساء، ۱۹۹۱ء، ص ۳۲۵، ۳۲۶

۲۹۔عبدالرحمٰن براہوئی، ’’براہوئی اور اردو کا تقابلی مطالعہ‘‘ کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، ص ۶۷

۳۰۔ پروفیسر عزیز مینگل، ’’براہوئی ناہندی وسنسکرت توسنگتی‘‘ (لغت)، کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی، ۲۰۰۹ء، ص ۴۷

31. www.Jharkhandstatenews.com
32. Celam Es Ceyala Cumi, "The History or Tamil Music", Madras, University of Madras, 2003, p-13.
33. George Van. Driem, Handbuch der orientatistik", Vol-2, vol-10
34. James Minhan, "Ethmic Groups of South Asia and the pacific: And Encyclopedia", America ABC, CLIO, LLC, California, 2012, p-47
35. R.W McColl, "Encyclopedia of World Geography" Vol-l, New York, factson file America, 2005, p-75
36. R.G Latham, "Descriptive Ethmology", vol-ll, "Europe, Africa, India", London, John Van Voorst Paternoster row, 1859, p-254
37. M.S Andronov, op, cit, p.16

۳۸۔ڈاکٹر مظفر حسن ملک، حوالہ دیا گیا ہے،

39. Colonel, Sir, Thomas Holdich, "Gates of India", Quetta, Nisa, Traders, Second Edition, 1982, p:34
40. ....Ibid.................. p:163

۴۱۔میر رحیم دادشاہوانی، ’’تاریخ قلات‘‘ حصہ اول جغرافیہ‘ کوئٹہ‘ بلوچی اکیڈمی‘ ۱۹۸۳ء‘ ص ۱۱۹

۴۲۔........................ایضاً........................ص ۱۲۲

۴۳۔سدھیشورورما، ’’آریائی زبانیں‘‘، لاہور‘ مکتبہ معین الادب‘ ۱۹۶۰ء، ص ۴۸

۴۴۔........................ایضاً........................

45. Irfan Habib, "A people's History of India", vol-2, "The Indus Civilization" Lahore, Fiction House 2004, p.102

۴۶۔سدھیشورورما، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۳۷

۴۷۔اشتیاق انصاری، ’’جتی ٹک ماگ‘‘ (سندھی)‘ کراچی، سندھیکا اکیڈمی ۲۰۰۹ء، ص ۱۹۳

48. Mario Palashke and Wolfgangu U.Dressler,

Middle.INdic Aspirate Formation:Syllable Structure V S.Natural Proess" The Yearbook South Asian Language and Linguistic, 1999, p.ss and also see
☆Wilhelm Geiger "Pale:lyerature ung sprache: Slrassburg, Trubner, 1916, p.51
49. Satyaswarup Misrc, "The old ande foryan Athistarical and Comparative Grammar" vol-India, Varnasi, 1991, p.98
50. Sir Alexander Cuningham, "Harappa" Archaeo Logical Servey of India' Report of Year 1872-73, p.106

۵۱۔یوری گنکوفسکی، ’’پاکستان کی قومتیں‘‘، روس، ۱۹۷۶ء، ص ۷۵

۵۲۔واحد بخش بزدار، ’’بلوچ‘ براہوئی اور بلوچستان‘‘، (مقالہ) دیکھئے

"Balochistan Through History" Edited Dr. Riaz Ahmed, Islam Abad, Quaid-e-Azam University, 2008, p.250

۵۳۔........................ایضاً........................ص ۲۵۷

۵۴۔........................ایضاً........................ص ۲۵۸، ۲۵۷

55. Naseer Dashti, "The Baloch and Balochistan A Historical account from the begining to the fall of the Baloch State", USA Trafford Publishing, 2012, pp-5,6

۵۶۔........................ایضاً........................ص ۲۵۴

۵۷۔حبیب اللہ صدیقی، ’’انسان جی تاریخ‘‘، (حصہ اول) سندھی، جامشورو، ۲۰۰۲ء، ص ۳۸۸

۵۸۔لانگ ورتھ ڈیمز، ’’بلوچ قبائل‘‘، ترجمہ: کامل القادری‘ نساء ٹریڈرز، طبع دوم، ۱۹۸۳ء ص ۳۲

59. T. Burrow & M.B Emeneau, "A Dravidian Etymological Dictionary", London, Oxford, 1961, Entry, No.4267,

۶۰۔واحد بخش بزدار، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۲۵۹

61. T. Burrow & M.B Emeneau, op, cit, Entry No.1811
62. M.S Andronov, op, cit, p:16, Note No.4

۶۳۔عین الحق فریدکوٹی، اردو زبان کی قدیم تاریخ‘‘، لاہور‘ ۱۹۷۲ء، ص ۸۷

64. M.S Andronov, op, cit, p:16.17

65. Prof: Dr. Ghulam Ali Allana, "The Origin and Growth of Sindhi Language", Jamshoro, Institute of Sindhology, 2002, p:113, and also see
☆Dr. R.C Hiremath, "Growth and Genesis of Dravidian" Trivandrum, Dravidian Association Publication No:39, 1984, p:23
66. "Indian Journal of Linguistics" vol-18, India, Bhasa Vidya Parishad, 1991, p-18
67. M.B Emeneau, "Language and Linguistic Area" Edited by: Anwar S.Dill, California, 1980, pp:93,110
۶۸۔واحد بخش بزدار، حوالہ دیا گیا ہے، ص۲۵۸، ۲۵۹
۶۹۔سدھیشو رورما، حوالہ دیا گیا ہے، ص۳۷
70. M.B Emeneau, "Dravidian Studies", Delhi, 1994, pp.264 to 271
71. Asko Parpola, op, cit, p.162
۷۲۔ڈاکٹر محمد انصار اللہ، ''سنسکرت اردو لغت''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۳ء، ص۳۶
73. Sir John Marshall, "Moen-jo-Daro and Indus Civilization", London, Arthur Probsthain, 1931, p:33
74. Helle Brandt, "Vedic Mythology", vol-l, Breslau, 1891, p:94
75. Rang Achariya, "Vedic India", London, 1895, p:182
76. Z.A Ragozin, "Vedic India", New Delhi, 2005, p:286
77. Vijay Kumar Thakur and Irfan Habibi, "People's History of India, "The Vedic age", Vol-3, Lahore, Fiction House, 2004, p:17
78. Asko Parpola, op, cit, pp:149,150
79. Gustav Salomon oppert, "On the Original Inhabitants of Bharatavarsa or India The Dravidian", India, 1988, p-36 and also see:
☆ C. Narayana Rao, "An Introduction to Dravidian Philology", op. cit. pp.42,43
۸۰۔ہیروڈوٹس، ''دنیا کی قدیم ترین تاریخ''، ترجمہ: یاسر جواد، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۱ء، ص۲۵۸، ۲۵۹
81. Herodotus, "The History of Herodotus", A New

English Version, edited with Copious, Vol-4, Translated by, George Rawilson, Assisted by: Col. Sir Henry Rawilson and J.G. Rawilson, London, John Murroy Albemarle Street, 1860, p-220, Ref No.6
۸۲۔ایچ۔ٹی لئمبرک، ''سندھ مسلمانن جی فتح کھاں اگ'' (سندھی)، حیدرآباد' سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص۱۵۹، ۱۶۱
83. T. Burrow and M.B Emeneau, "A Dravidian Etymological Dictionary", op, cit, Entries No.643, 600, 420
84. "Balochistan District Gazetteer Series Makran", Quetta Directorate of Archives Govt: of Balochistan, 3rd edition, 2004, p-94
۸۵۔میر گل خان نصیر، ''بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں''، کوئٹہ، نساء ٹریڈرز، ۱۹۸۲ء، ص۸۹، ۹۰
86. Col: Sir Thomas Holdich, "Gates of India", Quetta, Nisa Traders, 1982, p-34
۸۷۔محمد سعید دہوار، ''تاریخ بلوچستان'' کوئٹہ، مطبوعات النساء، ۱۹۹۰ء، ص۶۴
88. P.H.L. Eggermont, "Alexander's Compain in Sindh and Balochistan", Belgium Leaven University Press, 1975, p-62
☆. W.W. Tarn, "Alexander The Great", Vol-2, America, Cambridge University Press, 1979, p-250
89. ......Ibid......
90. John G.R. Forlong, "Encyclopedia of Religious", vol-l, New Yark, Cosimo Inc. 1906, p-339
91. H.W. Bellew, "An Inquiry into the Ethography of Afghanistan", Karachi, Indus Publication, reprint 1977, p-177
92. Prof: Ahmed Hassan Dani, "History of Pakistan", Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2008, p.91
۹۳۔محمد حسین پنھور، ''قدیم سندھی' یونانی ائین رومی تذکرہ نگار''، (سندھی مقالہ)، سہ ماہی ''مہران''، حیدرآباد، ج۳۰، نمبر ۱۔۲، جنوری تا جون ۱۹۸۱ء، ص۱۲۶

94. Colonel, Sir, Thomas Holdich, op, cit, pp:163,164

۹۵۔محمد حسین پنھور، حوالہ دیا گیا ہے، ص۱۲۶

96. C.F. Minchin, "The Gazetteer of Balochistan" Series "Jhalawan" Quetta, Gosha-e-Adab, 1986, p:145

97. ......ibid........... p.26

98. ....Ibid......................., p.91

99. ....ibid......................

100. ....ibid......................

101. Rev. R.Caldwell, "Comparative Grammar of the Dravidian or South Indian Family of Languages" Delhi, 1974, p.358, and also see:

☆T. Burrow and M.B Emeneau, op, cit, Entry No.3024

102. Rev. R.Caldwell, op, cit, p.571, r.

T. Burrow and M.B Emeneau, op, cit, Entry No.3057

103. Sir, Denys Bray, "The Brahui Language" vol-ll, Part-l, op, cit, p.5

۱۰۴۔میر گل خان نصیر، ''بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں'' کوئٹہ، نساء ٹریڈرز، ۱۹۸۲ء، ص۱۹۹

105. Vasilii Vildamiravich Barthold, "An Historical geography of Iran", English Translated by: Savt Soucek New Jersey, Princeton University Press, New Jersey United Kingdom, 1984, p-75

۱۰۶۔میر خدا بخش بجارانی مری، ''از منہ بلوچ''، ترجمہ: ذکاء اللہ لودھی، کوئٹہ، قلات پبلشرز، ۱۹۶۴ء، ص۳۱

107. M.S Andronov, op, ,cit, pp.16,17

108. M.B Emeneau, "Brahui & Dravidian Comparative Grammar" Barkeley and Losangeles, Univeristy of California, 1962, p.62, and also see:

☆M.S Andronov, op, ,cit, p.19

109. M.B Emeneau, "Brahui & Dravidian" op, cit, pp.44. 49.11.50.11.11

110. ....ibid............................

111. ....ibid............................

112. ....ibid............................

113. ....ibid............................, and also see:

☆M.S Andronov, op, ,cit, p.27

114. M.B Emeneau, op, cit, pp.17,62

115. ....ibid............................

116. M.S Andronov, op, ,cit, pp.27,28

117. ....ibid............................

118. M.B Emeneau, op, cit, pp.11,30, and also see:

☆T.Burrow and M.B Emeneau, op, cit, Entry no.2257

119. ....ibid............................

120. ....ibid............................

121. T.Burrow and M.B Emeneau, op, cit, Entry No.625

122. M.B Emeneau, op, cit, p.31

123. T.Burrow and M.B Emeneau, op, cit, Entry No.479

124. ....ibid...................... Entries No.625,2257

125. M.S Andronov, op, ,cit, p.16

126. T.Burrow and M.B Emeneau, op, cit, Entry No.710

127. ....ibid...................... Entry No.2526

128. M.B Emeneau, "Dravidian Studies", Delhi, 1994, p.13

129. ....ibid...................... p.248

130. Bermar Comire, "The worlds Major Languages" p.519

131. M.S Andronov, op, ,cit, pp.16,17

حوالہ جات باب چہارم

1. Henry Pottinger, "Travels in Beloochistan and Sinde", London, Hurst, Rees, Orme, and Brown Paternoster, row, 1816, p-271
2. Max Muller, "The classification of the Turanian Languages", Oxford University, 1854, pp-10,11,12
3. Christianus Lassen, "Linguae Pracriticae", Londini, Bonnae ad Rhenum impensis librariorum koenig et van brocharen, Excursus l.Ad. Librum I.De dialectis vibhashis et Apabhrancicis in Kalpatary memoratis, 1837, p-7
4. Rev. Dr. Stevenson, "A Collection of words from the Language of the Toda, the cheif tribe on the Nilgri Hills", Journal of the Bombay branch of the Royal Asiatic Society, vol-l, (1841 to 1844), Asiatic Society of Bombay, India. Bombay American Mission press. t, Graham printer' 1844, p-155
5. ....Ibid..................pp-157, 159, 160, 161, 162, 163
6. "George Cliford withworth, "An Anglo-Indian Dictionary" London, Kegan, Paul Trench, 2nd Edition, 1885, p-51
7. Christian Lasen, "Untersuchungen ueber die ethmographische stellung der voelker im western Indiens: Die Brahui und ihre sprache", Zeitschrift fur die kunde des Morgenlandes, Vol-v, S.337-409
☆....... M.B Emeneau, "Brauhi and Dravidian Comparative Grammar", Los Angles, University of California, press, 1962, p-2
8. R.G Latham, "The Ethnology of the British Colonies and Dependencies", John Van Voarst Paternster Row, London, 1851, p-183
☆ ....Ibid.................. "Man and his Migrations", Charles B. Norton, Irving House, New York, 1852, p-235
☆ ....Ibid.................. "On the Ethnological Position of

the Brahui, and on the Language of the Paropamisus", London, 1852, p-89
☆ ....Ibid.................. "Descriptive Ethnology", vol-ll, "Europe, Africa, India", London, 1859, p-254
☆ Sir William Meyer, "The Problems of Dravidian Origin", Edited by: T.Balakrishna Nayer, India, 1977, p-
9. James Cowles Prichard, "The Natural history of man" vol-l, London, H,Bailliere Publisher, New Yark, fourth edition edited and enlarge by Edwin Norris, 1855, p-174, Ref No.1
10. Report of the Twenty, first meeting of the British Association for the advancement of Science, Hold at IPSWICH in July 1851, London, John Murray, Tlbemarle Street Printed by, Richard Tayler and william Francis-red Lion court, fleet street, 1852, p-89
11. R.G. Latham, "The ethnology of the British colonies and Dependencies" London, John Van Voorst, paternoster row, printed by Samuel Bertley and Co. Hangor House, Shoe Lane, London, 1851, pp-182,183
☆ ....ibid.................. "Man and his migrations", New York, Charles B. Norton, 71 Chambers Street, Irving House, Baker Godwin and Co., printers Tribune building, New York, 1852, pp-234,235,236
☆ ....Ibid.................. "Descriptive ethnology" vol-ll, (Europea, Africa, India), London, John Van Voorst paternoster row, printed by Woodfall and Kinder, Angel Courty Scinner street, London, 1859, p-254
12. See Ref No.2. pp-220,256
13. "The Gazetteer of the World or Dictionary of Geographic Knowledge", vol-l, (AA-brazey), London, A fullarton and co, steeds place, Edinburgh, 1856, pp-671,672
14. Rev. R. Caldwell, "A comparative grammar of the Dravidian or South Indian family of Languages", London, Williams and Norgate, 14, Itenrietta street, convent garden and 20 South- frederick street, Edinburgh, 1856,

pp-11,23
15. "The Missionary Herald", Issue-l, Baptist Missionary Society, January 1, No: xxx, New Series, London Pewtress and co, U, Ave Maria, London, 1858, p-34
16. The Journal of the Indian archipelago and eastern Asia, edited by: J.R.Logan, Singapore, printed for the eidtor, at pinang, by Mathew Gregory SR, 1859, p-112
17. Charles Loring Brace, "The races of the old world a manual of ethnology", charles scribner 124, Grand street, Amercian university of Michigan, New Yark, 1863, p-186
18. Lewis Henry Morgan, "System of Consanguinity and affinity of the Human family", New York, Rochister, Accepted for publication January, 1868, p-386
19. John Beames, "Outlines of Indian phillogy" London, Trubner and Co, 60, peternoster row, 2nd edition, 1868, pp-2,8
20. "Encyclopaedia of India and Eastern and Southern Asia Commercial", vol-2, edited by: Edard Balfour, Madras, India, 2nd edition, 1871, p-39
21. "The Journal of the royal Asiatic society of Great Britian and Ireland (new series) volume fifth, London, Trubner and co, 8 and 66 paternoster row, 1871, p-84
22. "The culcutta review, volumes: 66-67, calcutta, university of calcutta, 1878, p-518
23. Dr. Ernest Trumpp, "Grammatische Untersuchungern ueber die sprache der Brahui", Sitzungsberichte der philosophich, philogogischen und historischen classe der k.b Akademic der wissenschaften z4 Muenchen, 1880, (syplement) H eft vi', English translation and edited by:
Dr. Theodore Duka, "An essay on the Brahui grammar, after the German works of the late Dr. Trumpp, of Munich University", Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britian and Ireland, New Series vol-19, No.1, Journary, 1887, p-62
24. M.B Emeneau, "Language and Linguistic Area" Select

introduced by Anwar,s Dil, California, 1980, p-316
25. H.T Lambrick, "Sindh A General Introduction" Hyd, S.A.B 3rd Edition 1986, p-206
26. George Ibraham Grierson, "Linguistic Survey of India" Vol-iv, Calcutta, 1906, p-285,
☆ Ibid, ... vol-l, part-l, 1927, p-83
۲۷۔ نیناسویڈلر، ''براہوئی آبادکاری سیاسی سیاق وسباق'' اردوترجمہ: پروفیسر جاویداختر، کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی، ۲۰۰۶ء ص ۱۲
۲۸۔ پروفیسر جاویداختر ''براہوئی لسانیات'' کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۸ء، متفرق صفحات
29. M.B Emeneau, "Brahui and Dravidian Comparative Grammar", op, cit, different pages.
30. "The Written Langauges of the World: A Survey of the Degree and modes of We", Edited by: Heinz Kloss: Grant. D and McConnell, B.P Mahapatra, India, 1989, p-1036
31. M.S Andronov, ":Lexicostatistic Analysis of the Chronolog of Disintegration of Proto-Dravidian" Indo-Iranian Journal, 7:2/3, 1964, pp-185,186
32. Bh. Krishnamurti, "Comparative Dravidian Studies" Currentrend in Linguistics" Vol-5, Linguistic in South Asia, Edited by Thomas A Sebeak, the Houge Moutan and Company, 1969, pp:309-33
33. P.S Subrahmanyam, "Dravidian Verb Morphology (A Comparative Study)" Annamalingar, Aninamalai University Department of Lingusitics, Publication No.24, 1970, p.531
34. Kamil Zvelebil, "Comparative Dravidian Phonolgy" The Houge Mountan and Co, 1970, p:13
35. M.S Andronov, "The Brahui Language" Moscow, Nauka Publishing House, 1980, p-17
36. "Cyclopedia of India and of Eastern and Southern Asia Commercial" Edited by: Edward Balfour, Vol-2, India, Madras, 2nd Edition 1871, p-39
37. "The Calcutta Review", Vol-66-67, India, University of Calcutta, 1878, p-518

38. Gene D.Matlock, "Jesus and Moses are buried in India: Birth place of Abrahm and the Hebrews!'', USA, University Com.Inc, 2000, pp-22-24

۳۹۔ڈاکٹر محی الدین قادری زور،''ہندوستانی لسانیات، لاہور،۱۹۳۲ء، ص ۷۸

40. Sir, Calonel, Sir Holdich, "The Gates of India", Quetta, Nisa Traders, 1982, pp-142-143

41. G.R Hunter, "The Script of Harappa and Moen-joDaro and its Connection with other Script", London, Kegan pan Trench Trubes and Co., 1934, pp-12.14

42. Dr. R.C. Hiremath, "Genesis Growth of Dravidian" Trivandrum, Dravidian Linguistic Association, 1984, Publication No.39, 1984, pp-perface, 205,207

۴۳۔اؤمیل،''سندھو تہذیب ائیں سندھو دھرم جا قدیم یورپ میں قدیم آثار''، سندھی ترجمہ: عطاء محمد بھنبھرو، حیدرآباد، کوتیا پبلی کیشن، ۲۰۰۹ء، ص ۱۱۴

۴۴۔..........ایضاً..........................

۴۵۔..........ایضاً.....................ص ۱۱۵

۴۶۔..........ایضاً..............................

۴۷۔..........ایضاً.....................ص ۱۱۷

۴۸۔.................ایضاً.....................ص ۱۶۲

۴۹۔آئن مورا،'''سندھ دھرتی مذہبن جی ماؤ''، سندھی ترجمہ عطاء محمد بھنبھرو، کنڈیارو، روشنی پبلی کیشن ۲۰۱۰ء، ص ۵۲

۵۰۔.................ایضاً.................ص ۱۷۷

۵۱۔.................ایضاً.................ص ۱۷۸

۵۲۔.................ایضاً.................ص ۱۸۸

۵۳۔.................ایضاً.................

54. "The Bhagavad Gita: A Scripture for the future", Translated by: Sachindra Kumar Majumdar, Asian Humanities Press, 1991, p-28

55. Ram Sharan Sharma, "Looking for the Aryans", Madras, Orient Langman Limited, reprint 1996, p-70

56. S.R. Bakshi, S.Gajrani, and Dr. Hari Singh, "Early

Aryans to Swarj", Vol-l, (Early Society and Civilization), India/ New Delhi, Sarup and Sons, first edition, 2005, p-310

57. "Iranian Languages", edited by: Geront Windfuhr, UK, Routledge, 2009, pp-17,18

58. Richard Nelson Frye, "Handbuck der attertumswissenschaft: Alter Orient; Griechische Geschichte", Germany, C.H Beck Sche, verlagsbuchhand lung (oscar Beck), Munchen, 1984, p-33

59. Peter Austin, "One Thousand Langauges Living, endangered, and lost", California, University of California, 2007, p-133

60. Leonard Bloomfield, "Language", Delhi, Motilal Banarsidas publishers private limited, reprint 2005, p-70

61. J.Bloch, Bull, Soc, Linguistique" xxv, paris, 1926, 2,

☆ ....Ibid............ "Sanskrit et Dravidian", Bulletin de la societe linguistique de paris, no;76, 1924, pp-1,12

62. www.omilosmeleton.gr/pdf/en/..../A_Dravidian-p.l Harappan_Connection.pdf.

63. Hans Herich Hock, "Pre-Regvedic Convergence between Indo-Aryan and Dravidian? A Survey of the issue and controversies. (Article), "Idiology and Status of Sanskrit Langauge", Edited b: Jan E.M. Houben, E.J. Brill, Leiden, Netherlands, 1996, p-32

64. Barbara A West, "Encyclopedia of the People of Asia and Oceania" vol-l, New Yark, 2008, p-221

65. "Combridge History of India" Vol-l, Article of Rapson, Combridge, 1928, pp:42-43

66. George Morgenstien, "Report on a Linguistic Mission to north-west India" OSLO, 1932, p-5

67. Edwin Bryant, Edwin Francis Bryent, "The quest for the origin of the vedic Culture: the Indo-Aryan migration debate", Oxford University Press Inc. New Yark, 2001, p-83

68. www.Omilosmeleton.gr/pdf/en/....A-Dravidian-P-l Harappa_connection.pdf.

69. J. Elfenbein, "A bit about Brahui", Journal of the University of Balochistan, Vol-ll, No.1, Spring,1982, p.40
70. Josef Elfenbein, "Brahui Phonology" (Article) Phonologes of Asia and Africa (including the Caucasus), Vol;l, edited by: Alan S.Kay, Eisenbrauns, USA, 1997, p-798

۷۱۔ افضل مینگل، ''شیشلو''، کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۵ء، ص ص ۵۳، ۵۴، ۱۴۲

۷۲۔............ ایضاً................. ص ۶۷، ۸۲، ۸۵، ۱۱۵، ۱۴۲

۷۳۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، ''براہوئی زبان و ادب کی مختصر تاریخ''، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۸۲ء، ص ۵۹

74. Revd. Ferd. Hahn, "Grammar of the Kurukh Language", Delhi, Motilal Publishers distributors, 1909, p-xii.
75. The Daily Hindu, News paper, Hyderabad Dakhan, 17 December, 2014, S.Harpal Singh s Report Correspondant of Adil Abad
76. Edward James, Rapson, "The Cambridge History of India", vol-l, India, 1955, p-42
77. http://groups.google.com/d/msg/mintamil/Sox t 26 tptf/jvwji kwao 14 j.
78. Zoon Ahmed Khan, "Balochistan Oscillating in a Chasm", Lahore, Spearhead research, 2012.
79. Bhadriraju Krishnamurti, "The Dravidian Langauges", UK, Cambridge University press, 2003, p-141
80. Asko Parpola, "Deciphering the Indus Script", Cambridge University press, 1994, pp-165,166

۸۱۔ شکیل احمد بلوچ، ''بلوچستان کی پکار'' کوئٹہ، نساء سیلز اینڈ سروسز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۱، ۱۲

82. S.V Frankit Sumera, "Indus Culture Through ages", longsman green, and Compnay, 1896, pp:7-12

۸۳۔ تاج صحرائی، ''سندھو تہذیب'' دادو، کھیرتھر پبلشرز، ۱۹۸۴ء، ص ۴۵

84. Dr. M Rifique Mughal, "Interview" Published in daily

Dawn Karachi, May, 4, 1996
85. Dr. J Mark, Kenoyar, Lecture, Daily Dawn Karachi, June 3, 1997

۸۶۔ یوری گنکوفسکی ''پاکستان کی قومیتیں'' اردو ترجمہ: مرزا اشفاق بیگ، ۱۹۷۶ء، ص ۳۷

87. Micheal Jansen & Others, "Forgotten Cities on the Indus" Artical of Jean Francois Jarriage, S.T.A.M Bhm, S.A Karachi, 2005, p-61

۸۸۔ یوری گنکوفسکی، .... ص ۳۰

۸۹۔ اے ایل باشم، ''ہندوستانی تہذیب کی ارتقاء'' اردو ترجمہ: ایس ایم سمنانی، لاہور، نگارشات، ۱۹۹۹ء، ص ۳۱

90. Micheal Jansen & Others, op, cit, pp:61-62
91. John Stewart Bowman, "Columbia Chronologies of Asian history and Culture", 2000, p-252
92.Micheal Jansen and Others, op, cit. p-64

۹۳۔ یوری گنکوفسکی، .... ص ۳۲

۹۴۔ اے ایل باشم، .... ص ۴۸

۹۵۔ رشید اختر ندوی، ''ارض پاکستان کی تاریخ'' لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۷۱/۷۲

96.Indian Culture.net/talk/messages/

۹۷۔ یوری گنکوفسکی، .... ص ۳۲

۹۸۔ یحییٰ امجد، ''تاریخ پاکستان قدیم دور''، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۲۳

۹۹۔ خاطر غزنوی، ''اردو زبان کا ماخذ ہندکو''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء، ص ۵۰، ۵۱

۱۰۰۔ یوری گنکوفسکی، .... ص ۳۱

۱۰۱۔ یحییٰ امجد، .... ص ۳۲۳

۱۰۲۔............................. ایضا .... ص ص: ۳۲۴، ۳۲۳

۱۰۳۔ یوری گنکوفسکی، .... ص ۴۳

۱۰۴۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری، .... ص ۷۸

۱۰۵۔ ''سندھ صدین کھاں'' ترجمہ: ممتاز مرزا، حیدرآباد، شاہ عبداللطیف بھٹ شاہ ثقافتی مرکز، ۱۹۸۲ء، ص ۱۴۵

106. Dr. Ernest Trumpp, op. cit. p-l

107. P.S.Subrahmanyam, "Dravidian Verb Morphology" (A Comparative Study), Annamalainagar Amamalai University Department of Linguistics, Publication No.24, 1971, p.531

108. S.R Bakshi and Others, "Early Aryan to Swaraj", vol-l, Early Society and Civilizatiion", New Delhi, Sarup and Sons, 2005, p-310

109. Ram Sharan Sharma, "looking for the Aryans", Madras, Oriental Language Limited, reprint 1996, p-70

110. Gernot Windfuhr, "Iranian Languages", UK, Routledge, 2009, pp-17,18

۱۱۱۔ پروفیسر محبوب علی چنا، ''سندھو ماتھر جا اصل باشندا دراوڑ ھئا''(مقالہ) سہ ماہی ''مہران'' حیدرآباد' سندھی ادبی بورڈ، جلد ۲۲، نمبر ۴، ۳، ۱۹۷۳ء، ص ۱۲۴

112. Elena E. Kuz'mina and Others, "The Origin of the Indo-Iranian", Translated by: S.Pitina and P.Prudovsky, Netherlands, Koninklijke Brill, NV, Leiden, 2007, p-172

113. Asko Parpola, "Deciphering the Indus Script", op, cit, pp.163,165

114. Revd Ferd Hahn, op. cit, p-xii

115. Rev. R. Caldwell, "A Comparative Grammar of the Dravidian or South-Indian Family of Languages", N.Delhi, 1st Edition, 1974, p.32

116. Bhadriraju Krishnamurti, "The Dravidian Languages", op. cit. p-24

117. C.F Minchin, "The Gazetteer of Balochistan", Series "Jhalawan", Quetta, Gosha-e-Adab, 2nd Edition, 1986, p.218

118. ....ibid.........................., Series "Kachhi", p.28

۱۱۹۔ سوسن براہوئی، ''تاج محمد تاجل کی صوفیانہ شاعری''(مقالہ)، ''پاکستانی زبانوں کے صوفی شعراء''، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء، ص ۲۵۱

120. ....ibid..........................

121. Micheal C.Shapire & Haroldf Shiffman, "Language and Society in South Asia", General Editor: Dhaneshjain, vol-l, Delhi, 1981, p.101

122. Ishtiaq Ansari, "Gorakh-beautiful resort of Sind", English Translated by: Noor Ahmad Janjhi, Hyderabad Kavita Publication, 2011, pp-46.47

123. C.F Minchin, op, cit, "Jhalawan", p.216

124. ....ibid..........................

125. ....ibid.......................... pp.225,288

126. ....ibid.......................... pp.229,309

127. Rev. R. Caldwell, op, cit, pp.162,163

128. T.Burrow & M.B Emeneau, "A Dravidian Etymological Dictionary" Oxford 1961, Entry No:4267

129. Rev. R.Caldwell, op, cit, p.34

۱۳۰۔ آر۔ ایس موگلی، ''کنٹر ادب کی تاریخ''، دہلی ۱۹۸۸ء، ص ۱۵، ۱۶۔

131. Micheal C.Shapiro & other, op, cit, p.97

132. Sir Denys Bray, "The Brahui Language", Vol-ll, part-l, Quetta, Brahui Academy, 1978, p-19

۱۳۳۔ آر۔ ایس موگلی، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۲۶۔ اور دیکھیئے:

☆R.S Mugali, "History of Kannada Literature", New Delhi, Sahitya Akademi, 1975, p-7

134. D.Bray, op, cit, Vol-ll, Part-l, p.5

135. T.Burrow & M.B Emeneau, "A Dravidian Etymological Dictionary", op, cit, Entry No.2943

۱۳۶۔ سلطان احمد شاہوانی، پروڈیوسر ریڈیو پاکستان خضدار سے یہ معلومات حاصل کی گئی۔ مورخہ بروز ہفتہ، یکم مئی ۲۰۱۰ء

137. McConaghey, "The Gazetteer of Balochistan" Series "Sibi", Gosha-e-Adab, 1986, p.289

138. C.F Minchin, "Jhalawan", op, cit, p.70

139. The Daily Hindu Newspaper, op. cit.

140. McCongahey, "Sibi", op, cit, p.70

141. ....ibid.........................., p.12,265

142. C.F Minchin, "Jhalawan", op, cit, p.226

143. M.B Emeneau, "Dravidian Studies", Delhi, 1994, p.37

144. George Cliford Whitworth, op. cit, pp-235,241

۱۴۵۔سلطان احمد شاہواڑی، ''کنا خضدار''، (براہوئی) کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص ۱۷
۱۴۶۔خلیل صدیقی، ''زبان کیا ہے'' ملتان، بیکن بکس، ۱۹۸۹ء، ص ۲۸۴،
147. Rev R. Caldwell, op, cit, p-9
148. Bhadriraju Krishamurti, "Dravidian Languages", Combridge University Press, 2003, pp-2 to 5
149. George Eradosy, "The Indo-Aryan of ancient South Asia language, material culture and ethnicity" Berlin, Walter Gruyter and Co. 1995, p-259
150. Walburga Van Reffler and Others, Studies in language Origins", John Benjamins publichsing company, 1991, p-201
۱۵۱۔موورَدَراجن، ''تاریخ تامل ادب'' نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۹، ۱۰
۱۵۲۔آر، ایس موگلی، ''کنڑ ادب کی تاریخ'' نئی دہلی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۵ تا ۱۸
153. The New Encyclopedia Britanica" Vol-4, Chicago, 15 Edition, 1990, p-215
154. Thomas R. Trautman, "Dravidian Kinship", N.York, Cambridge, University Press, 1981, p.17
155. Richard N. Frye, "The history of ancient Iran", Vol-3, part-7, Germany, C.H.Beck" Che Verlogsbuchhandlung Munchen, 1984, p-33
۱۵۶۔کامل القادری، ''سامیوں کی ایک قدیم زبان' براہوئی''، (مقالہ) پانزدہ روزہ ''ایلم'' مسونگ' ۱۶ اپریل ۱۹۶۰ء، ص ۹
۱۵۷۔ڈاکٹر مظفر حسن ملک، ''نسلیات پاکستان'' اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء، ص ۲۴۳
۱۵۸۔خاطر غزنوی، ''حوالہ دیا گیا ہے، ص ۶۸
۱۵۹۔حبیب اللہ صدیقی، ''انسان جی تاریخ'' (حصہ اول)، جامشورو، ۲۰۰۲ء، ص ۳۰۵
۱۶۰۔..........................ایضاً..........................
۱۶۱۔یوری گنکوفسکی، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۴۲
162. Micheal Jansen & others, op, cit, p.193
۱۶۳۔ڈاکٹر مظفر حسن ملک، ص ۱۷۵
۱۶۴۔حبیب اللہ صدیقی، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۳۰۵

۱۶۵۔.........................ایضاً..................ص ۳۰۴
۱۶۶۔ایچھ ٹی سورلے، ''سندھ گزیئٹر'' اردو ترجمہ: انور رومان، کوئٹہ، مطبوعات النساء، ۱۹۹۱ء، ص ۲۱۰
۱۶۷۔ملک محمد سعید دہوار، بلوچستان ماقبل تاریخ'' کوئٹہ، مطبوعات النساء ۱۹۹۱ء، ص ۳۲۷/۳۳۳
۱۶۸۔حبیب اللہ صدیقی، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۳۲۲
169. Roland J.L Breton, "Atlas of the Language and Ethnic Communicaties of South Asia", New Delhi, 1997, p-22
170. "Ancient Cities of the Indus", Edited by Gregory L.possehl, New Delhi, 1979, p.107
171. ....Ibid.................. pp-21,22
172. "Ancient Cities of the Indus" edited by: Gregory L Possehl, op, cit, p-262
173. Sir, John Marshall, "Moen-jo-Daro and the Indus Civilization" London, Arthur Probsthain, Vol-l, 1931, pp:94,95
174. "Journal of Tamil Studies", vol-2, India International Institute of Tamil Studies, 1970, p-53
۱۷۵۔''سندھ صدین کھاں''.......................ص ۱۳۷
176. G.R Hunter, ...op. cit, p-12
177. ....Ibid.................. p-17
178. Asko Parpola, "The Indus Script Decipherment", The Scandivanian Institute of Asian Studies, 1970, p.14
179. Micheal Janson & others, op, cit, p.296
180. Zetaborads.com/man/topic/528144/1/
181. D.P Sharma, "Indus Script" Delhi, 2000, p.37
۱۸۲۔رشید اختر ندوی، ''پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان''، اسلام آباد، قومی ادارہ برائے تحقیق' تاریخ و ثقافت' ۱۹۹۵ء، ص ۱۹۵
183. D.P. Sharma, op, cit, p.51
184. ....ibid........................, p.81
185. ....ibid........................
۱۸۶۔کامل القادری، ''سامیوں ایک قدیم زبان براہوئی''، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۹
187. Mushtaq-ur-Rehman, "A Geography of Sindh province of Pakistan", The Karachi Geography

Association, 1975, p-2
188. P.S Kasipandian, "India-that is 'Sidd", New Delhi, Allied Publishers Limited, 1996, pp-19.20
189. Bhadriraju Krishnamurti, "The Dravidian Languages", Op. cit. p-different pages.
☆ "Telgu Verbal Bases", Delhi, M.L.B.D, reprint 1972, p-Different pages.
☆ M.S Andronov, "A Grammar of the Malaylam language in historical treatment", Germany, 1996, p-different pages.
☆ Martin Pleiffer, "Element of Kurux historical phonology", Netherlands, E.J.Brill, 1972, p-different pages.
190. Dr. Ghulam Ali Allana, "The Origin and Growth of Sindhi Language", Jamsharo Institute of Sindhalogy, 2002, p-different pages.
☆ ڈاکٹر غلام علی الانا، ''سندھی بولی ءَ جو بن بنیاد'' (سندھی) کراچی، سندھیکا اکیڈمی، ۲۰۰۴ء، مختلف صفحے
۱۹۱۔ نذیر شاکر براہوئی، ''ڈاکٹر الانا جی بولی ء واری نظرئی جو تنقیدی جائزو'' (سندھی مقالہ) قسط۔۱، کتابی سلسلہ ''لوک پچار''، کراچی، جلد۔۱، ستمبر، اکتوبر، شمارہ۔۱، ۲۰۱۳ء
۱۹۲۔ ....ایضاً..................قسط۔۲، نومبر، دسمبر، شمارہ۔۲، ص۲۱ تا ۲۳
193. David W. McAlpin, "Is Brahui really Dravidian", Proceedings of the sixth annual meeting of the Barkeley Linguistics Society, 1980, pp-66 to 72
☆ ....ibid.................. "Proto-Elamo-Dravidian" The evidence and its implications", transactions of the American philosophical society Held at philadelpia for promoting useful knowledge, vol-71, part-3, the American philadelphia, 1981, Differrent pages.
☆ ....ibid.................. "Velars, Uvulars and the North-hypothesis", Journal of the American oriental Society, July to September, No.1, 2003, pp-521 to 546
194. ....ibid.................., "Toward proto-Elamo-Dravidian Language", No-50, 1974, pp-89,101,

☆ ....ibid.................., "Elamite and Dravidian: further evidence of relationship, current anttropology, No.16, 1975, pp-105,115 and also for details:
☆ Merrit Ruhlen, "A Guide to the worlds languages: Classification", Stanford University Press, California, 2nd edition, 1991, pp-140,141
195. Bhadriraju Krishnamurti, Op. cit. pp-27,176,91
196. ....ibid................... pp-118,176
197. Denys Bray, "The Brahui Langauge", Introduction and Grammar", Quetta, Brahui Academy, reprint 1977, p-24
198. Bhadriraju Krishnamurti, op. cit. p-176
199. M.B Emeneau, "Brahui and Dravidian comparative Grammar", op. cit. p-17
200. T.Burrow and M.B Emeneau, "A Dravidian Etymological Dictionary", London, Oxford University Press, 1961, entry No.2926
201. The New Encyclopaedia Britanica", Vol-4, Chicago, 15th edition, 1990, p-215 and also see
☆ M.B Emeneau, "Brahui and Dravidian Comparative Grammar", Los Angles, University of California, Press, 1962, pp-9,20
☆ Bh. Krishnamurti, "Patterns of Sound Change in Dravidian", (Article), The year book of South Asian Languages and Linguistics", Cheif editor: Rajendra Singh, N.Delhi, 1998, p-64
202. Bh. Krishnamurti, "The dravidian Languages'', op. cit. p-91
203. Ibid.................., op. cit. p-77
204. Asko Parpola, "Deciphering the Indus Script", op. cit. pp-163.167 and also see:
☆ M.B. Emeneau "Langauge and Lingustic Area" Select introduced by: Anwar S.Dil, California, 1980, p-110
205. "The New Encyclopaedia Britanica" Vol:4, op. cit.

p-215
206. T. Burrow and M.B. Emeneau, "A Dravidian Etymological Dictionary", Oxford, 1961, pp-xii,xiii and also see:
☆ Mikhail. S.Andronov, "A Grammar of the Brahui Langauge in Comparative Treatment", Muenchen, LINCOM EUROPA, 2001, pp-13 to 26
☆ Ibid,.................. "Brahui, a Dravidian Langauge", Muenchen, LINCOM EUROPA, 2006, pp-15 to 26.
☆ M.B. Emeneau, "Dravidian Studies", Delhi, 1994, pp-Different pages.
☆ "The year book of South Asian Langauges and Lingusitics", op. cit. pp-71, 73, 75
207. Bhadriraju Krishnamurti, op. cit. p-92
208. M.B. Emeneau, "Brahui and Dravidian Comparative Grammar", op. cit. pp-57,65 and also see:
☆ D. Bray, "The Brahui Langauge", Vol-l, Quetta, Brahui Academy, 2nd edition 1977, p-120
209. The New Encyclopaedia Britanica", op. cit. p-215
210. M.B. Emeneau, "Brahui and Dravidian Comparative Grammar", op. cit. pp-63,65
211. M.B. Emeneau, "Language and Lingustic Area" op. cit. p-184
212. Ibid........................., 185
213. Ibid,........................., pp-21, 43, 216, 218
214. Rev. R. Caldwell, "A Comparative Grammar of the Dravidian or South-Indian Family of Languages", N.Delhi, 1st Indian edition, 1974, p-220
215. Jules Bloch, "The Grammatical Structure of Dravidian", Poona, 1954, p-21
216. Ibid,.........................
217. M.B. Emeneau, "Language and Lingustic Area", op. cit. p-159
218. J. Elfenbein, "Notes on the Balochi-Brahui Lingustic Commonsality", Philological Society Council, 1981-82, Oxford, 1982, p-85

219. M.B. Emeneau, "Brahui and Dravidian Comparative Grammar", Op. cit. p-56
220. Ibid, ...
221. Ibid, ...
۲۲۲۔خلیل صدیقی، ''زبان کیا ہے''، ملتان بیکن بکس، ۱۹۸۹ء، ص۲۷۹، ۲۹۳
223. Rev. R. Robert Caldwell, op. cit, p-220
224. Ibid, ..., op. cit. p-72
225. Devi datta Sharma, " Munda: Sub-stratum of Tibeto-Himalayan languages" vol-7,New Delhi, A Mittal Publication,2003, P.30.
۲۲۶۔سدھیشور ورما، ''آریائی زبانیں''، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص۷۷
۲۲۷۔...........ایضاً...........
228. Bhadriraju Krishnamurti, "Telugu Verbal bases", op. cit. p-256
229. Ibid................................"The Dravidian Languages", op. cit. p-213
230. "The New Encyclopaedia Britanica", op. cit. p-215
231. Bhadrirju Krishnamurti, "The Dravidian Langauges", op. cit. p-28
232. Ibid, ... op. cit. p-237
233. M.S Andronov, "A Comparative Grammar of the Dravidian Langauges", Germeny, Otto Harrassowitz, Wiesbaden, 2003, p-141
234. Ibid, ..., pp-149.150
235. Ibid, ..., pp-158 to 161
236. Ibid, ..., p-161 to 163
237. Ibid, ..., p-169
238. Ibid, ..., pp-172.173
239. Ibid, ..., pp-173.174
240. Ibid, ..., p-302
241. Ibid, ..., pp-293.294
242. Sanford B. Steever, "The Serial Verb formation in the Dravidian Langauges", Vol-vi, General editor: Dhanesh Jain, MLBD, Delhi, 1987, p-124

243. Rev. Robert Caldwell, op. cit. p-48 to 52
244. M.S. Andronov, "A Comparative Grammar of the Dravidian Langauges", op. cit. p-296
245. Ibid, ...
246. Ibid, ... p-297
247. M.B. Emeneau, "Brahui and Dravidian Comparative Grammar", op. cit. pp-different pages.
☆ Ibid, ..., "Langauge and Lingustic Area" op. cit. pp-different pages.
☆ Asko Parpola, op. cit. pp-different pages.
☆ M.S. Andronov, "The Brahui Language" Moscow, Nauka Publishing House, 1980, p-17
248. Asko Parpola, "The Indus Script Decipherment", Madras, 1970, pp-4 to 6
☆ Ibid, ..., "Decipherment of the Proto-Dravidian inscription of the Indus Civilization", 1971, pp-5 to 30
☆ Ibid, ..., "Isolation and Tentative interpretation of a Toponym in the Harappan Inscription", An Article published is S.S. Summer, 1985, pp-1 to 33
249. A Walter Fairservis, "The Harapaan Civilization and its Writing", New Delhi, Wangaurd Books (pvt) Ltd, 1992, pp-different pages.
250. Prof. Dr. Ghulam Ali Allana, "The Origin and Growth of Sindhi Langauges", pp-96 to 99
251. A.M. Bhambro, "Decipherment of Indus Script", Hyd: Kavia Publication, 2007, pp-52 to 164

حوالہ ضمیمہ۔ نمبر ا

ا۔ میر گل خان نصیر، ''تاریخ بلوچستان'' کوئٹہ، قلات پبلشرز، تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۳ء، ص ۷

۲۔ سلیگ ہیریسن، ص ۲۱۳، ۲۱۴

۳۔ ....ایضاً......................

۴۔ عزیز محمد بگٹی، ص ۲۹

۵۔ ....ایضاً......................

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر سیمی نغمانہ طاہر' حوالہ دیا گیا ہے، ص ۶۱

۷۔ ....ایضاً......................ص ۷۱

8. A.Aziz Luni, "Afghans of the Forntier Pasess", Quetta, New Quetta Book Stall, 1992, p.87
9. ....ibid......................, p83
10. ....ibid......................, pp.84.85
11. ....ibid...................... p.95

۱۲۔ میر جسٹس خدا بخش بجارانی مری، ''قدیم بلوچی شاعری'' کوئٹہ، بزم ثقافت، ۱۹۶۳ء، ص ۲۱، ۱۲۴،

۱۳۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری، ''بلوچ قوم عہد قدیم سے عصر حاضر تک''، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۰، ص ۹۸

۱۴۔ ....ایضاً............ڈاکٹر مری واضع طور پر لکھتا ہے کہ ''میر چاکر اس تیس سالہ جنگ اور لاشاریوں کو تباہ کرنے کے چھ سال بعد ۱۵۱۲ء کے آغاز میں سبی سے ملتان چلا گیا''، ص ۱۰۳۔ اس سے یہ بات واضع ہوتی ہے کہ چاکر رند ۱۵۱۰ء میں سبی میں موجود تھا

۱۵۔ میر محمد معصوم بکھری، ''تاریخ معصومی''، مترجم: اختر رضوی، جامشورو، سندھی ادبی بورڈ، شاعت دوم ۲۰۰۲ء ص ۱۴۳، ۱۴۴

۱۶۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، ''عہدنامہ مابین رند و لاشار'' روزنامہ مشرق کوئٹہ، ۱۱ جولائی، ۲۰۰۹ء۔

☆ ایضاً......................روزنامہ ایکسپریس کوئٹہ، ۱۱ جولائی، ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً......................روزنامہ جنگ کوئٹہ، ۱۱ جولائی ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً......................روزنامہ انتخاب کوئٹہ، ۱۳ جولائی ۲۰۰۹ء

۱۷۔............ایضاً..

۱۸۔عبدالقادر رند، ''عہدنامہ مابین رند و لاشار۔حقیقت کیا ؟ ایک جائزہ''، ماہنامہ ''بلوچی دنیا'' ملتان، جلد۵۶،شمارہ نمبر۱۲/۱۱،فروری تا مارچ ۲۰۱۴ء،ص۶۴،۶۵

۱۹۔میر علی شیر قانع، ''تحفۃ الکرام''، اردو ترجمہ، اختر رضوی، جامشورو، سندھی ادبی بورڈ، اشاعت دوم۲۰۰۲ء، ص۱،۱۲،۱۳،۱۴،۱۵،۸۵،۸۶

۲۰۔عبدالقادر رند، حوالہ دیا گیا ہے،ص۶۵

۲۱۔سید محمود شاہ بخاری، ''قومی عجائب گھر میں مخطوطات کا ذخیرہ'' سہ ماہی فکر و نظر، دسمبر، ۱۹۹۷ء، تا مارچ ۱۹۹۸ءتک ص۱۳۴

☆ مرزا عباس علی بیگ، ''خدایار خانی میاں سرفراز خان عباسی''، جامشورو انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی،۱۹۸۰ء،ص۱۲۶تا۱۳۰تک

☆ غلام محمد لاکھو، ''سندھ ائیں قلات لاگاہن جو ہک دستاویز مطالعو'' (میاں غلام شاہ ائیں میاں سرفراز جو دور) (مقالہ) سہ ماہی مہران جلد۵۱، نمبر۱، حیدرآباد، سندھی ادبی بورڈ، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، ص۱۲۳تا۱۳۳تک

پروفیسر غلام محمد لاکھو صاحب نے ان دونوں معاہدوں کے عکس کے ساتھ' متن کی تحریر سندھی ترجمہ کے ساتھ دیا ہے۔راقم نے اس کے سندھی ترجمہ نے اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔

پروفیسر غلام محمد لاکھو نے ان عہدناموں کا عکس کہاں اور کس سے حاصل کیا ہے وہ رقمطراز ہیں:

> ''مقالہ نگار (غلام محمد لاکھو) ڈاکٹر کلیم اللہ لاشاری صاحب (ڈی سی سکھر) اور ڈاکٹر نواز علی شوق صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہے جن کی معرفت سے ان تاریخ عہدناموں کی فوٹوکاپی قومی عجائب گھر (کراچی) سے ملی۔ڈاکٹر نجر نوشاہی صاحب عہدناموں کے متن کو نقل کرنے اور صحیح ترجمہ کرنے میں مدد فرمایا۔ایسے علمی تعاون کے لیے تینوں دوستوں کی مہربانی ادا کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔'' (ص۱۳۳حوالہ۱۸)

حوالہ ضمیمہ۔نمبر۳

۱۔محمد سردار خان بلوچ،حوالہ دیا گیا ہے،ص۶۹۳

۲۔............ایضاً..............................ص۶۹۳،۶۹۴

۳۔محمد سردار خان گشکوری' حوالہ دیا گیا ہے،ص۶۹۵،۶۹۶

۴۔محمد سردار خان بلوچ،حوالہ دیا گیا ہے،ص۶۹۵ حوالہ۲

۵۔............ایضاً........................ص۶۹۵،۶۹۶

۶۔پروفیسر انور رومان، ''کوئٹہ قلات کے براہوئی'' حوالہ دیا گیا ہے،ص۲۸

۷۔گل خان نصیر، ''بلوچستان قدیم جدید تاریخ کی روشنی میں''، حوالہ دیا گیا ہے،ص۱۷۹،۱۸۰

☆''پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا''، جلد سوم،'بلوچستان''، اسلام آباد،لوک ورثہ،۲۰۰۸ء،ص۲۷

۸۔الیگزنڈر کننگھام، ''سندھ ہندجی قدیم جاگرافی''، (سندھی) جامشور، سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۰۷ء،ص۳۰۹، ۵۳۰

9. C.F Minchin, "The Gazetteer of Balochistan", Series "Kachhi", op. cit. p-137

۱۰۔رائے بہادر ہیتو رام،حوالہ دیا گیا ہے،ص ص۳۹۰،۳۹۵،۳۹۸،۴۰۱،۴۱۷

☆پروفیسر انور رومان، ''کوئٹہ قلات کے براہوئی''،حوالہ دیا گیا ہے،ص۲۷،۲۸

☆گل خان نصیر، ''بلوچستان قدیم وجدید تاریخ کی روشنی میں''،حوالہ دیا گیا ہے،ص۱۵۹تا۱۹۰

۱۱۔گل خان نصیر،......ایضاً...........ص۱۷۲تا۱۹۰

حوالہ ضمیمہ نمبر۴

۱۔ محمد سردار خان گشکوری، ''بلوچ قوم کی تاریخ''، اردو ترجمہ: پروفیسر انور رومان' نساء ٹریڈرز، ۱۹۸۹ء، ص۶۸۹

۲۔..........ایضاً..........ص۳۴۱

۳۔..........ایضاً..........ص۳۸۸

۴۔..........ایضاً..........ص۳۴۳، ۳۴۲، ۳۴۱

۵۔..........ایضاً..........ص۶۸۹

۶۔..........ایضاً..........ص۶۹۱

۷۔..........ایضاً..........ص۶۹۸

۸۔ ''بلوچستان گزیٹیئر''، اردو ترجمہ: انور رومان' کوئٹہ، گوشہ ادب' ۱۹۸۸ء ص۳۳۷ تا ۳۳۹

۹۔ انور رومان، ''کوئٹہ قلات کے براہوئی''، اردو ترجمہ: ڈاکٹر انعام الحق کوثر' قریشی پبلی کیشن ۱۹۸۷ء، ص۱۵۲

10. G.R Grierson, "Linguistic Survery of India", Vol-l, Part-ll, Calcutta, SupridＥnt Government Printing, Govt. of India, 1919, pp.115 to 117, Introductory Chapter: xxxi

۱۱۔ یوری گنکوفسکی ''پاکستان کی قومیتیں''، ماسکو ۱۹۷۶ء، ص۱۵۶

۱۲۔ ہفت روزہ ''ایلم''مستونگ، جلد ۳۶، شمارہ ۳۰، ۱۰ تا ۱۶ اگست، ۱۹۹۴ء، ص۴، ''تینا تینا خیال''

۱۳۔..........ایضاً..........جلد ۳۵، شمارہ ۲۶، ۱۰ جولائی ۱۹۹۴ء، ص۳، ''ایڈیٹوریل''

۱۴۔ روزنامہ ''آزادی'' کوئٹہ، ۱۳ دسمبر، بروز ہفتہ ۲۰۰۸ء، فرنٹ پیج

۱۵۔ ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، جلد ۳۵، شمارہ ۲۶، ۱۰ جولائی ۱۹۹۴ء، ص۳، ''ایڈیٹوریل''

۱۶۔ عزیز محمد بگٹی، ''بلوچستان شخصیات کے آئینے میں''، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۶ء، ص۱۷

۱۷۔..........ایضاً..........ص۲۴

۱۸۔..........ایضاً..........ص۳۶

۱۹۔..........ایضاً..........

۲۰۔ محمد سردار خان بلوچ، حوالہ دیا گیا ہے، ص۵۳۶، ۵۳۵

۲۱۔ الفت نسیم ''براہو اتحادیہ (براہوئی) کی تاریخ''، کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، ۲۰۱۴ء، ص۷۔ اور دیکھئے

☆۔ ایضاً......تاریخ نسیمی -ا، بلوچ اور بلوچستان، ایک نظم ایک تاریخ''، خضدار، رابعہ خضداری آرٹس اکیڈمی، ۱۹۸۹ء،

☆۔ ایضاً..........ص۲،......''براہوئی کون ہیں؟''،..........۱۹۹۲،۹۱

☆۔ ایضاً..........''چند تاریخی گوشے''، کوئٹہ بلوچی اکیڈمی، ۲۰۰۸ء،

۲۲۔ ایضاً..........''براہو اتحاد (براہوئی) کی تاریخ''، حوالہ دیا گیا ہے، ص۱۲۰

۲۳۔..........ایضاً..........ص۱۲۱

۲۴۔..........ایضاً..........ص۷

۲۵۔..........ایضاً..........ص۲۳، ۲۲

۲۶۔ ڈاکٹر محمد انصار الدین، ''سنسکرت اردو لغت''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۳ء، ص۵

۲۷۔..........ایضاً..........

۲۸۔ پروفیسر ایوب صابر، ''اردو کے ابتداء کے بارے میں محققین کے نظریات''، ایبٹ آباد، سرحد اکیڈمی، ۱۹۹۳ء، بحوالہ غلام عباس ماہو، ''لسانیات'' لاہور، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، ۱۹۹۸ء، ص۱۵۸

29. A.L. Basham, "The Wonder that was India", London, Sidgwick and Jackson, Reprint 1956, p-36

۳۰۔ محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری، ''سرائیکی زبان کا ارتقاء''، بہاولپور، مرکز سرائیکی زبان تے ادب، ۱۹۷۰ء، ص۱۳۶

۳۱۔ عزیز محمد بگٹی، حوالہ دیا گیا ہے، ص۷

32. Balochistan District Gazetteer Series", Makran District" Quetta, Director of Archives Govt: of Balochistan, 3rd Edition, 2004, pp-134,135

اور پڑھیئے:

''بلوچستان گزیٹیرس'' اردو ترجمہ: انور رومان، کوئٹہ، گوشہ ادب، ۱۹۸۸ء، ص۸۰۹، ۸۰۸

۳۳۔الفت نسیم، ''براہواتحادیہ (براہوئی) کی تاریخ'' حوالہ دیا گیا ہے، ص ۱۸، ۱۹

۳۴۔مولانا نور احمد خان فریدی، ''بلوچ قوم اور اس کی تاریخ''، ملتان، قصر الادب، ۱۹۶۸ء، ص ۶۱

۳۵۔ڈاکٹر میر عالم خان راقب، ''تواریخ بلوچ' بلوچ قوم کا حسب ونسب''، ڈیرہ اسماعیل خان، ت ن، ص ۱۸، ۱۷

۳۶۔عزیز محمد بگٹی، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۷

37. Herodotus, "The History of Herodotus" A New English Version, Edited by Copious Volume-4, by: George Rawilison, London, John Murray Albemarle Street, 1860, pp-220,221

۳۸۔الفت نسیم، ''براہواتحادیہ (براہوئی) کی تاریخ''، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۲۱، ۱۱۳

۳۹۔میر علی شیر قانع، ''تحفۃ الکرام'' (فارسی) تصحیح وتحشیہ: حسام الدین راشدی، حیدرآباد، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۷۱ء، ص ۴۴۶

۴۰۔میر علی شیر قانع، ''تحفۃ الکرام' اردو ترجمہ: اختر رضوی، حیدرآباد، سندھی ادبی بورڈ، طبع دوئم، ۲۰۰۲ء، ص ۳۳۱

۴۱۔میر علی شیر قانع، ''تحفۃ الکرام'' (فارسی) حوالہ دیا گیا ہے، ص ۴۲۲

۴۲۔الفت نسیم، ''براہواتحاد (براہوئی) کی تاریخ'' حوالہ دیا گیا ہے، ص ۲۵، ۲۴

43. Edward James Rapson, "The Combridge History of India", Vol-l, India, 1955, p-42

۴۴۔الفت نسیم، ''براہواتحادیہ (براہوئی) کی تاریخ'' حوالہ دیا گیا ہے، ص ۱۰۱

45. Govt: India, "Frontier and Expeditions From India", Selection from Govt: Records, vol-lll, (Baluchsitan and the First Afghan War), 1st Edition, 1910, p-20

حوالہ ضمیمہ۔نمبر ۵

1. Dr. Mian Sohail InShah, "Bough and Bought", Peshwar University, 2008, p.168

2. ....ibid..............................

3. A.W Hughes, "The Country of Balochistan" Lahore, Book World, 2002, p-29

۴۔جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری، ''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں''، اردو ترجمہ: پروفیسر سعید احمد رفیق، کوئٹہ نساء ٹریڈرز، طبع سوم ۱۹۸۹ء، ص ۳۴

5. R. Hughes Buller, "Imperial Gazetteer of India" Provincial series "Balochistan", Calcutta, 1908, p-28

6. D.Bray, "Census of India-1911", vol-iv, Balochistan" Calcutta, Suprinted Govt: Printing India, 1913, p-143

7. Diwan Bahadur Diwan Jamiat Rai, "Statsitical Analysis of the Tribes of Baluchistan-1921", Allahabad (India), 1926, pp-1-15, abstract-1.

☆ایم ایس آندرونوف نے ۱۹۱۱ء کی مردشماری میں براہوئیوں کی تعداد ۱۴۶۳۰۰ بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے تفصیل ک لیے دیکھئے:

M.S. Andronov, "A Grammar of the Brahui Langauge in Comparative Treatment", LINCOM EUROPA, 2001, p-1

۸۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، ''براہوئی زبان وادب کی مختصر تاریخ''، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۸۲ء، ص ۳۲

☆م۔ک پیکولن نے غلط لکھا ہے تفصیل کے لیے دیکھئے

م۔ک پیکولین، ''بلوچ' اردو ترجمہ: شاہ محمد مری، لاہور، مکتبہ فکر ودانش، ۱۹۸۸ء، ص ۶۱

۹۔جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۳۸

۱۰۔م۔ک پیکولین، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۶۱

۱۱۔نذیر شاکر براہوئی، ''براہوئی زبان کے ساتھ ناروا سلوک'' (مقالہ)، توئی استار، جلد ۷، شمارہ ۱، ۲، سوراب، ۲۰۰۹ء، ص ۶

۱۲۔جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری، حوالہ دیا گیا ہے، ص ۳۸

۱۳۔ایم انور رومان، ''کوئٹہ قلات کے براہوئی''، اردو ترجمہ: ڈاکٹر انعام الحق کوثر، کوئٹہ، قریشی پبلی کیشنز، بار اول ۱۹۸۷ء، س۲۱۔ اور دیکھئے

☆ آندرونوف نے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں براہوئیوں کی تعداد کو ۲۱۸۶۰۰ قرار دیا ہے جو صحیح نہیں ہے تفصیل کے لیے دیکھئے

M.S. Andronov, "The Brahui Language", Moscow, Nauka Publishign House, 1980, p-15

۱۴۔یوری گنکوفسکی، ''پاکستان کی قومیتیں'' ماسکو، دارالاشاعت، ترقی، ۱۹۷۶ء، ص۱۷ حوالہ۲

۱۵۔..................ایضاً..................

۱۶۔انور رومان، ''کوئٹہ قلات کے براہوئی''، حوالہ دیا گیا ہے، ص۱۴۹

۱۷۔یوری گنکوفسکی، حوالہ دیا گیا ہے، ص۸، ۹

18. M.S Andronov, op. cit. See Ref: p-15. and also see:

جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری، حوالہ دیا گیا ہے، ص۳۸

☆ Roland J.L. Breton, "Atlas of the Languages and ethmic Communities of South Asia", New Delhi, Sage Publications, 1977, p-198

۱۹۔یوری گنکوفسکی، حوالہ دیا گیا ہے، ص۱۰، حوالہ ۱۴/۱، ۱۷، ۱۸

۲۰۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ''بلوچستان میں بولی جانی والی زبانوں کا تقابلی مطالعہ''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱ء، ص۵۸

☆ گنکوفسکی نے اس تعداد کو دس لاکھ بتایا ہے تفصیل کے لیے دیکھے

۲۱۔جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری، حوالہ دیا گیا ہے، ص۳۸

۲۲۔پروفیسر ڈاکٹر سیمی نغمانہ طاہر، ''بلوچستان میں ابلاغ عامہ۔آغاز وارتقاء'' اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۶ء، ص۴۹، ۷۸

۲۳۔جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری، حوالہ دیا گیا ہے، ص۳۸

24. J.L Breton, op. cit. p-198

۲۵۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر، حوالہ دیا گیا ہے، ص۱۴

۲۶۔پروفیسر ڈاکٹر سیمی نغمانہ طاہر، حوالہ دیا گیا ہے، ص۵۳

☆ عبدالرزاق صابر، ''بلوچی اور براہوئی زبانوں کے روابط''، پی ایچ ڈی تھیسز، بلوچستان یونیورسٹی، مرکز مطالعہ پاسکتان، ۱۹۹۴ء، ص۷۵

27. www.lovebalochistan.com/population-and-geography/

28. www.ethnologue.com/brh/view/***EDITION***

۲۹۔......................ایضاً......................ص۵۱

۳۰۔......................ایضاً......................ص۵۲

۳۱۔''تہذیب بلوچستان'' (کچھی) کوئٹہ، بختیار آباد، نمبر جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ء، ص۶۶

۳۲۔نذیر شاکر براہوئی، ''براہوئی زبان کے ساتھ نارواسلوک'' (مقالہ) ماہنامہ ''استار'' سوراب، جلد۷، شمارہ۱۲، مارچ ۲۰۰۷ء ص۸